شعر العجم

یعنی

فارسی شاعری کی تاریخ، جسمین شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور
اُنکے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ
تمام مشہور شعرا کا مفصل تذکرہ، اور اُنکی شاعری پر تقریظ اور تنقید ہے

مُصنّفۂ

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علیصاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈہ طبع شد

شعر العجم

حصہ دوم

خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک

مادہ تاریخ آغاز تصنیف

تاریخ عجم

سنہ ۱۳۲۴ھ

مادہ تاریخ اختتام تصنیف

تذکرہ

سنہ ۱۳۲۵ھ

مصنفہ

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شاعری کا دوسرا دور اور اسکے خصوصیات	١	وفات	۵٠
اور خصوصیات کے اسباب		عام حالات اور اخلاق وعادات	〃
خواجہ فرید الدین عطار	٨	تصانیف	۵۴
خواجہ صاحب کی تصنیفات	١١	شاعری	۵٨
کلام پر رائے،	١٢	آزادی	۶٢
کمال اسمٰعیل	١٧	اظہار جذبات	۶۶
کمال کی شاعری کی عظمت	١٩	اخلاقی شاعری	۶٨
کمال کی خصوصیات	٢٠	قوت تخیل	٨۶
شیخ سعدی	٢٩	طرز ادا	٨٨
بچپن کے حالات	٣٠	غزل گوئی اور اس کی خصوصیات	٩۵
طالب العلمی	٣٢	امیر خسرو دہلوی	١٠٧
سیر وسیاحت	٣۴	ولادت وتعلیم	١٠٨
شیراز میں واپس آنا	۴٢	دربار کے تعلقات	١١٠
دربار کے تعلقات	۴٣	وفات واولاد واعزہ	١٢٣

مضمون	صفحہ
فقر و تصوف	۱۲۷
جامعیت کمالات	۱۳۲
فن موسیقی کا کمال	۱۳۵
تصانیف	۱۳۷
شاعری	۱۴۲
شاعری میں تلمذ	۱۴۴
خود اپنی شاعری کی نسبت اظہار راے	۱۴۷
خصوصیات شاعری	۱۵۰
امیر خسرو کی مثنویاں	۱۵۴
قصائد	۱۶۴
غزل	۱۶۹
واقعہ بندی	۱۷۶
روزمرہ	۱۷۸
مسلسل غزلیں	۱۸۲
جدت	۱۸۶
مضمون آفرینی	۱۸۷
صنائع و بدائع	۱۹۱
سلمان ساوجی	۱۹۶
کلام پر راے	۲۰۲
خواجہ حافظ	۲۱۲

مضمون	صفحہ
نام و نسب اور بچپن	۲۱۲
سن رشد اور شاعری کی شہرت	۲۱۴
وفات اور اولاد	۲۲۵
دنیاوی تعلقات	۲۲۸
کلام پر راے	۲۳۳
غزل	۲۳۵
اساتذہ کا تتبع	۲۳۶
خواجہ صاحب کی خصوصیات	۲۴۴
جوش بیان	۲۴۵
بدیع الاسلوبی	۲۵۴
واردات عشق	۲۶۲
فلسفہ	۲۶۹
فلسفۂ اخلاق	۲۷۴
واعظین کی پردہ دری	۲۷۶
روزمرہ و محاورہ	۲۸۲
خوشنوائی	۲۸۶
بندش کی چستی	۲۹۰
ظرافت	۲۹۴
ابن یمین	۲۹۸

شعر العجم

حصۂ دوم

ساتوین صدی ہجری تا ۹۰۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاعری بلکہ تمام اسلامی علوم وفنون کا جوش شباب تھا کہ دفعۃً تاتار کی طرف سے اس زور کا طوفان اٹھا کہ دنیا کا شیرازہ بکھر گیا، یعنی ۶۱۶ھ مین چنگیز خان نے تاتار سے نکلکر خراسان سے شام تک بے چراغ کردیا، کم وبیش چالیس لاکھ آدمی کا خون بہ گیا، سیکڑون ہزارون شہر خاک سے برابر ہوگئے، مدرسون اور خانقاہون کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، علمی خزانون کا ایک ایک ورق اڑ گیا، لیکن اسلام کچھ ایسا سخت جان تھا کہ ان ہنگامون پر بھی زندہ بچگیا، بلکہ جونہی یہ طوفان تھمنا شروع ہوا، دبی ہوئی چنگاریان پھر چمکین، اور چمک کر اس طرح مشتعل ہوئین کہ ایک دفعہ پھر ع عالم تمام مطلع انوار ہوگیا،

چنگیز خان ایک غارتگر کی شان سے اٹھا تھا اور اپنی فوری وسرسری انتظامات کیلیے اُس نے کچھ قاعدے بھی بنالیے تھے جو تورہ چنگیز خانی کے نام سے مشہور ہین لیکن جب سلطنت کو استقلال ہوا تو شاہانہ نظم ونسق کی ضرورت پڑی، تاتاری لوٹ مار کے سوا اور کچھ جانتے نہ تھے

اس لیے مسلمانون سے اعانت لینے کے سوا چارہ نہ تھا، چنگیز خان کے بعد اسکا بیٹا اوکتائی قاآن اور اسکے بعد چنگیز خان کا پوتا ہلاکو بن تولی بن چنگیز خان تخت نشین ہوا، ہلاکو نے محقق طوسی کو وزارات کا منصب دیا، رفتہ رفتہ مسلمانون نے دربار پر قبضہ کر لیا یہان تک کہ اس کا بیٹا تکودار دار، خواجہ شمس الدین محمد وزیر سلطنت کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا اور اپنا نام احمد رکھا ترک اسیر بگڑ گئے اور ارغون خان (ہلاکو خان کا دوسرا پوتا) کی افسری مین احمد خان کو گرفتار کرکے سنہ ۶۸۳ھ مین قتل کر دیا، لیکن جب ارغون کا بیٹا غازان خان سنہ ۶۹۴ھ مین تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا، اور اسکے ساتھ ساٹھ ہزار ترک مسلمان ہو گئے، غازان سنہ ۷۰۳ھ مین مر گیا، اسکے بعد اسکا بھائی خدابندہ اور اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان ابو سعید بادشاہ ہوا، یہ تمام سلاطین نہایت عادل، انصاف پسند، مدبر اور دیندار تھے، اور بالخصوص سلطان ابو سعید کے عدل و انصاف و نظم و نسق کے قواعد و آئین، مساجد اور مدارس پر کندہ ہو کر مدتون قائم رہے، یہان تک کہ اوحدی کرمانی نے جو مشہور صوفی گذرے ہین اپنی مثنوی جام جم مین ابو سعید کی اس طرح مدح سرائی کی ہے،

دو جہان را صلاے عید زدند ۔۔۔ سکہ بر نام بو سعید زدند

در چمن گفتہ بلبل و قمرے ۔۔۔ مدح این گلبن او لوالامرے

سلطان ابو سعید نے سنہ ۷۳۶ھ مین وفات پائی، تمام ملک نے اسکے مرنے کا ماتم کیا یہانتک کہ مسجد کی منارون پر ماتمی کپڑے لپیٹے گئے اور ہر شہر کی گلی کوچون مین کئی کئی دن تک خاک اڑتی رہی، چونکہ سلطان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے ہر طرف سے سردارون نے

خودسری کی، آذربائجان، امیرچوبان و شیخ حسن جلایر نے دبالیا، عراق اور فارس پر مظفر نے قبضہ کیا، غرض ۷۳۶؁ سے ۷۸۰؁ تک تمام قوتین پریشان رہین اور یہ چھوٹے چھوٹے فرمانروا آپسمین لڑتے بھڑتے رہے، یہی زمانہ ہم جو تاریخ مین طوائف الملوکی کے نام سے مشہور ہے[1]

بالآخر تیمور اٹھا اور تمام دعویدارون کو مٹا کر شہنشاہی قائم کی اسکے خاندان مین حکومت کا جو سلسلہ قائم ہوا، اسکا خاتمہ سلاطین صفویہ کے آغاز سے جا کر ملتا ہی جہان سے ہماری کتاب کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے،

مذکورہ بالا واقعات مین ہمارے کام کی جو باتین ہین، حسب ذیل ہین،

۱۔ تاتار کے قتل عام مین جو بے شمار جانین ضائع ہوئین، انہے مسلمانونکے شجاعانہ جذبات کو فنا کر دیا، اسکا شاعری پر یہ اثر ہوا کہ رزمیہ نظمین ہمیشہ کے لیے معدوم ہوگئین شاعری کے فرائض پورے کرنے کے لیے متعدد رزمیہ مثنویان لکھی گئین مثلاً

ہمای ہمایون خواجوی کرمانی، آئینہ اسکندری امیر خسرو، سکندرنامہ جامی، تیمورنامہ ہاتفی، شاہنامہ قاسم گونابادی، اکبرنامہ فیضی، لیکن صاف نظر آتا ہی کہ کہنے والے ممنھ چڑھاتے ہین دل مین کچھ نہین، قوم اسقدر افسردہ ہوگئی تھی کہ ان کتابونکے دو شعر بھی زبانون پر نہ رہ سکے۔

۲۔ عام قاعدہ ہی کہ مصیبت مین خدا زیادہ یاد آتا ہے، اسلیے اس عہد مین تصوف کا زیادہ

[1] یہ تمام حالات اول سے آخر تک مجالس المومنین اور تذکرۂ دولت شاہی سے لیے گئے ہین۔

زور ہوا، عطار، مولنا روم، اوحدی، عراقی، سعدی، مغربی انہی اسباب کے نتایج ہین،

۳- جنگی جذبات کے فنا ہونے نے طبیعتون مین انفعالی اثر زیادہ پیدا کیا جو تصوف کے سوا ایک اور رنگ مین ظاہر ہوا یعنی **غزل گوئی**، یہ مسلم ہے کہ غزل جس چیز کا نام ہے اسکی ابتدا شیخ سعدی اور اُنکے معاصرین سے ہوئی، یہ اسی کا اثر ہے،

تاتار اور تیمور کی عام سفاکی نے قومونکی قومین غارت کر دین بڑے بڑے کج کلاہون اور اورنگ نشینون کا تاج و تخت خاک مین ملادیا، خراسان سے لیکر شام تک زمین آسمان مین سناٹا ہو گیا ام الدنیا بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، تمام بڑے بڑے پایہ تختونمین خاک اڑنے لگی، کم از کم پچاس ساٹھ لاکھ آدمی ایکدم سے فنا ہو گئے، ان امور نے دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کا ایسا نقشہ کھینچ دیا تھا جو مدت تک آنکھونکے سامنے پھرتا رہا اس بنا پر دنیا کی بے ثباتی کے مضامین زیادہ تر اشعار مین آنے لگے **شیخ سعدی، ابن یمین، خواجہ حافظ** کے ہان ان مضامین کی بہتات اسی بنا پر ہے، ان لوگون نے یہ سمان خود آنکھون سے دیکھا تھا وہی زبان پر آیا اور پھر ایک روش قائم ہو گئی اور سب اسی انداز مین کہنے لگے،

۴- ترک و مغل بادشاہ اگرچہ اکثر نہایت مدبر اور عادل تھے اور اسلئے انکے عہد مین عام امن و امان رہا لیکن طبیعتون مین شاعری کا مذاق نہ تھا، اسلئے دربار مین شعرا کی چندان قدر نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے جو مشہور شعرا ہین، مثلاً سعدی، خواجہ، حافظ

مولنٰا روم، اوحدی، ابن یمین، کسی دربار سے خاص تعلق نہ رکھتے تھے، نہ سلطنت سے ان کو کوئی خطاب حاصل تھا

۵۔ اسکا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری مین فی الجملہ آزادی کی روح آئی سعدی اور ابن یمین کے قصائد اور قطعات مین جو خوشامد اور بیہودہ مداحی کی جا بجا عیب گیری پائی جاتی ہے وہ اسی کا اثر ہے،

۶۔ تیموریہ خاندان جو ایران مین قائم ہوا، اُسکا خاتمہ سلطان حسین مرزا پر ہوا، وہ عادل اور ہنر پرور ہونے کے ساتھ شعر و شاعری کا نہایت فریفتہ اور قدردان تھا، اسلیے اس کے عہد مین شاعری اس کثرت سے پھیلی کہ بچہ بچہ شاعر بنگیا والہ داغستانی ریاض الشعرا مین لکھتے ہین:

در رعایت فضلا و شعرا سعی بلیغ فرمودہ است و در ترتیب شعرا آن قدر مبالغہ کردہ است کہ فن شاعری کہ فضیلت علوم را لازمہ داشت از علم جدا شد و ہر بے مایہ بمحض طبیعت موزون ارادۂ شاعری کرد رفتہ رفتہ فن شاعری کہ الطف فنون بود از درجۂ اعتبار افتادہ بمضحکہ انجامید،

سلطان حسین کا انجام، صفویہ کے آغاز سے ملا ہوا ہی اس لیے صفویہ کے زمانہ مین دفعۃً جو ایران کے چپہ چپہ سے شعرا اُبل پڑے، یہ وہی سلطان حسین کے ابر فیض کے ترشحات تھے والہ داغستانی کو تو یہ رنج ہی کہ اس تعمیم کی وجہ سے ہر عامی شعر کہنے لگا اور علمی کمالات کی قید اُٹھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اسی بات نے شاعری کو شاعری کے رتبہ پر پہونچا یا،

بے شبہہ پہلے شعرا کے لیے علوم عربیہ اور معقول و منقول سے واقف ہونا ضرور ہوتا تھا لیکن ان کمالات کے بوجھ مین اصلی جذبات دب کر رہجاتے تھے، وقار و متانت اور عوام کے معتقد علیہ ہونے کی وجہ سے اکثر جذبات اس آزادی سے ظاہر نہین ہو سکتے تھے جس طرح دل مین آتے تھے، یہی وجہ ہے کہ متوسطین اور متاخرین کی عشقیہ شاعری اسقدر اصلی جذبات سے لبریز ہے کہ قدما کے ہان اسکا پتہ بھی نہین لگ سکتا،

اس دور مین شاعری مین اصناف ذیل کو ترقی ہوئی.

تصوف، عطار، مولنا روم، اوحدی، عراقی، مغربی،

غزل، مولنا روم، شیخ سعدی، امیر خسرو، حسن، خواجہ حافظ،

اخلاق و موعظت، شیخ سعدی، ابن یمین،

قصیدہ گوئی، کمال اسمٰعیل، سلمان ساوجی،

قصیدہ گوئی مین، جو ترقی ہوئی اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) زبان زیادہ صاف ہو گئی، قدما کے دور مین ظہیر فاریابی نے زبان کو جس حد تک صاف کر دیا تھا وہ اس دور کی اخیر سرحد تھی **کمال اسمٰعیل** نے اور بھی زیادہ صاف کیا،

(۲) مضمون آفرینی مین بہت ترقی ہوئی، **کمال** نے ابتدا کی اور سلمان نے اس حد تک پہنچا دیا کہ متاخرین کی سرحد سے ڈانڈا مل گیا،

(۳) خاقانی، وانوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے کلام کو زیر بار کرتے تھے، یہ بات جاتی رہی، اس عہد کے قصائد ایک عامی کو بھی دیدیے جائین تو اصطلاحات وغیرہ کی بنا پر

اسکو کہین اٹکاؤ نہوگا۔

اب ہم اس دور کے مشہور شعراء کا حال لکھتے ہین۔

اس موقع پر اسقدر لکھدینا ضرور ہے کہ اس دور کے ایک بڑے رکن شاعری یعنی **مولانا روم** کا تذکرہ ہم کو قلم انداز کرنا پڑا ہی جس کی وجہ یہ ہو کہ ہم ان کے حالات ا ان کی شاعری پر ایک مستقل کتاب، **سوانح مولانا روم** کے نام سے لکھ چکے ہین اور وہ گھر گھر پھیل چکی ہے۔

در رکھ ربستن مضمون رنگین لطف نیست ۔۔۔ کم دہد رنگ ارکسی بند د حنائے بستہ را

خواجہ فرید الدین عطار

ولادت شعبان ۵۱۳ھ، وفات ۶۲۷ھ

اصلی نام محمد تھا، فرید الدین لقب ہی، نیشاپور کے اضلاع مین کدگن ایک گانون ہی وہان کے رہنے والے تھے، انکے والد ابراہیم بن اسحاق، عطاری کا پیشہ کرتے تھے، اور کاروبار خوب پھیلا ہوا تہا، باپ کے مرنے کے بعد انہون نے کارخانہ کو اور زیادہ رونق دی، ریاض العارفین مین لکھا ہی کہ نیشاپور کے تمام کارخانے خواجہ صاحب کے اہتمام مین تھے ارباب تذکرہ متفقاً لکھتے ہین کہ خواجہ صاحب ایکدن دکان مین بیٹھے ہوے تھے، کسی طرف سے ایک فقیر آنکلا اور اُن کی دُکان کے ساز و سامان اور آرایش کو دیر تک غور سے دیکھا کیا، خواجہ صاحب نے ناراض ہوکر کہا کیون بیفائدہ، اوقات ضائع کرتے ہو اپنا رستہ لو اُسنے کہا تم اپنی فکر کرو، میرا جانا کیا مشکل ہی مین یہ چلا، یہ کہکر وہین لیٹ گیا، خواجہ صاحب نے اٹھکر دیکھا تو تمام ہوچکا تہا، سخت متاثر ہوے، کھڑے کھڑے، دکان لٹوادی اور سارا کاروبار چھوڑ کر فقیر ہوگئے،

لیکن افسوس ہی کہ ہمارے تذکرہ نویسون نے خود خواجہ صاحب کی تصنیفات نہین پڑہین اُن کی کتابون سے ثابت ہوتا ہی کہ تصوف اور فقر کے کوچہ مین آنے کے بعد بھی وہ اپنے قدیم پیشہ مین مشغول رہے اور اسی حالت مین اسرار اور عرفان کے حقائق بیان

کتابین لکھتے رہے، مصیبت نامہ اور الٰہی نامہ جو ان کی قابل قدر تصنیفین ہین، اسی زمانہ کی تصنیف ہین، چنانچہ خود لکھتے ہین،

مصیبت نامہ کاندوہ جہان است | الٰہی نامہ کاسرار عیان است
به دارو خانہ ہردو کردم آغاز | چہ گویم، زود رستم زین آن باز

خواجہ صاحب کی تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ وہ صرف عطار نہین، بلکہ طبیب بھی تھے، اور بڑے زور شور کا مطب تہا، روزانہ پانسو آدمی ان کے مطب مین آتے تھے، خسرو نامہ مین لکھتے ہین،

به دارو خانہ پانصد شخص بودند | کہ در ہر روز نبضم می نمودند
میان آن ہمہ گفت و شنیدم | سخن را بہ ازین روے ندیدم

ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

بمن گفت اے بمعنی عالم افروز | چنین مشغول طب گشتی شب و روز
سہ سال است این زمان تا لب بہ بستی | بہ زہد خشک در کنجے نشستی

حقیقت یہ ہی کہ خواجہ صاحب بچپن سے، درد آشنا تھے، انکے والد قطب الدین حیدر کے مرید تھے جو مشہور مجذوب گزرے ہین اور ۵۹۶ھ تک زندہ تھے، جب کہ خواجہ صاحب کی عمر ۸۲ برس کی تھی، خواجہ صاحب نے بچپن ہی مین انسے فیض حاصل کیا تہا[1]، لیکن چونکہ اسلام رہبانیت کو گوارا نہین کرتا اور اسی وجہ سے حضرات صوفیہ کو انکے

---

[1] دولت شاہ،

مجاہدات اور ریاضتین مشاغل دنیوی سے مانع نہین آتین، اسلیے خواجہ صاحب نے باوجود فقر اور تصوف کے عطارخانہ اور مطب کا تعلق قائم رکھا، اور متعدد کتابین اسی حالت مین تصنیف کین، یہ ممکن ہی کہ اخیر مین جب جذبہ محبت زیادہ بڑھا تو خود بخود ادھر چیزون سے دل اُچاٹ ہوگیا، اسی حالت مین فقیر کا واقعہ گزرا، اور اس نے آگ پر روغن کا کام دیا خواجہ صاحب کی تحریرون سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس عالم مین اُنھون نے مدت تک سیاحی بھی کی، لسان الغیب مین لکھتے ہین،

چار اقلیم جہان گردیدہ ام

سر برآوردہ بہ محبوب عشق | سیر کردہ مکہ و مصر و دمشق

کوفہ و رے تا خراسان گشتہ ام | یخن و جیحونش را بریدہ ام

ملک ہندوستان و ترکستان زمین | رفتہ چون اہل خطا از سوے چین

عاقبت کردم بہ نیشاپور جاے | اوفتادہ من بعالم این صدا ے

در نشاپورم بہ کنج خلوتے | باخداے خویش کردم وحدتے

خواجہ صاحب نے اگرچہ بہت سے بزرگون سے فیض اٹھایا تھا، لیکن جیسا کہ دولت شاہ نے لکھا ہی خرقہ فقر مجدالدین بغدادی سے حاصل کیا تھا،

مجدالدین بغدادی، قطب الدین خوارزم شاہ کے طبیب خاص تھے جس زمانہ مین[1] چنگیز خان دنیا کے مرقع کو زیروزبر کر رہا تھا، خواجہ صاحب نیشاپور مین تھے، نیشاپور کی

---

[1] ریاض العارفین،

غارتگری مین ایک مغل نے خواجہ صاحب کو پکڑکر قتل کردینا چاہا، برابر سی ایک مغل بولا کہ ہزار روپے پر میرے ہات بیچڈالو، خواجہ صاحب نے مغل سی کہا کہ اتنی قیمت پر کبھی نہ بیچنا میرے دام بہت زیادہ ہین، ایک اور مغل آنکلا، اُسنے کہا اس غلام کو میرے ہات ایک توبڑہ گھانس کے معاوضہ مین فروخت کردو. خواجہ صاحب نے گرفتار کرنیوالے سی کہا ضرور بیچڈالو میری قیمت اس سے کہین کم ہی، خواجہصاحب کی اس اختلاف بیانی کو وہ تمسخر سمجھا اور اُن کو قتل کرڈالا، وہ اس نکتہ کو کیا سمجھ سکتا تھا، کہ واقعی انسان سی بڑہکر کوئی چیز گران نہین، اور نہ اُس سی بڑھکر کوئی چیز ارزان ہی، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین ۵

مغل نے خواجہ صاحب کو قتل کردیا، لیکن خواجہ صاحب کا خون خالی نہین جاسکتا تھا مغل کو انکی عظمت کا حال علوم ہوا تو توبہ کرکے انکے مزار کا مجاور ہوگیا اور مرتے دم تک جدا نہ ہوا[۱]،

تصنیفات

خواجہ صاحب کی تصنیفات کی یہ تفصیل ہی، اسرار نامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، جوہر الذات، وصیت نامہ، منطق الطیر، بلبل نامہ، حیدر نامہ، گل دہرمز، سیاہ نامہ، شتر نامہ، مختار نامہ، ان کے علاوہ غزلون اور رباعیونکا دیوان ہی، کل اشعار ایک لاکھ سے زیادہ ہین، فقرا کا ایک تذکرہ لکھا ہی جو تذکرۃ الاولیا کے نام سے مشہور ہی، اور حال مین مسٹر براون نے اسکو شائع کیا ہی، عبدلوہاب قزوینی نے

---

[۱] ریاض العارفین،

جو مسٹر براؤن کے شاگرد ہین ایک محققانہ دیباچہ لکھا ہی،

کلام پر رائے | صوفیانہ شاعری کے چار ارکان ہین، سنائی، اوحدی، مولٰنا روم، اور خواجہ فریدالدین عطار، خود مولٰنا روم با وجود ہم رتبگی کے فرماتے ہین، ع

ما از پس سنائی و عطار آمدیم.

ہفت شہر عشق را عطار گشت   ما ہمان اندر خم یک کوچہ ایم

خواجہ صاحب نے تصوف کے جو خیالات ادا کیے ہین وہ حکیم سنائی سے زیادہ دقیق نہین لیکن زبان اس قدر صاف ہے کہ اس وصف کا گویا انپر خاتمہ ہو گیا، ہر قسم کے خیالات اس بے تکلفی، روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہین کہ نثر مین بھی اس سے زیادہ صاف ادا نہین ہو سکتے،

اسکے ساتھ قوت تخئیل بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، بہت سے نئے مضامین پیدا کیے ہین، اور جو پہلے بندھ چکے تھے ان کو ایسے نئے پہلو سے ادا کرتے ہین کہ بالکل نیا مضمون معلوم ہوتا ہی، مثلاً یہ مضمون کہ، معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد،

سقراط، فارابی، بوعلی سینا، الگ الگ طریقہ سے ادا کر چکے ہین، تاہم خواجہ صاحب نے اس کی بالکل صورت بدل دی، فرماتے ہین،

کاملے گفتہ است می باید بسے   عقل و حکمت تا شود گویا کسے

باز باید عقل بے حد و قیاس   تا شود خاموش یک حکمت شناس

یعنی ایک کامل کا قول ہی کہ بولنے اور تقریر کرنے کے لیے بہت عقل اور حکمت درکار ہی،

لیکن چپ رہنے کے لیے اس سے بھی کہین زیادہ عقل درکار ہی، مطلب یہ ہی کہ جب انسان انتہائے درجۂ کمال تک پہنچتا ہے، تب جاکر یہ سمجھتا ہی کہ مین نے کچھ نہین سمجھا اور اس بناپر چپ ہو جاتا ہی، اسی خیال کو ایک رباعی مین ادا کیا ہے،

می پنداری کہ جان توانی دیدن | اسرار ہمہ جہان توانی دیدن
ہرگاہ کہ بینش تو گردد بکمال | کورتی خود آن زمان توانی دیدن

وحدت وجود کا مضمون، حد سے زیادہ پامال ہوچکا تھا، تاہم خواجہ صاحب کے پیرایے نئے ہین،

پُر شد از دست ہر دو کون لیک | سوی او ز ہرہ اشارت نیست

فغانی نے اسی مضمون کو اڑایا ہی،

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست | اتانمی توان کہ اشارت باد کنند

خواجہ صاحب کے اور مختلف طرز ادا دیکھو،

از برای غریب خود خود گشت | جلوہ در قد و در قدم رفتار
تاب در زلف، و وسمہ برابرو | سرمہ در چشم، و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت | بوی در مشک و مشک در تاتار
قم باذنی و قم باذن اللہ | ہر دو یک نغمہ آمد از لب یار
تو از دریا جدائی دین عجب بین | زتو یک لحظہ این دریا جدا نیست
در عشق چو من توام تو من باش | یک پیرہن است گو دو تن باش

خواجہ صاحب کا جو فلسفہ ہے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا،

عبادت اور وحی کی حقیقت،

روزہ حفظ دل ست از خطرات | پس بود با مشاہدہ افطار
حج چہ باشد ز خود سفر کردن | بہ کجا؟ جانب ہدایت کار
وحی چہ بود ہر انچہ در دل تو | سر زند از نتائج اسرار

انسان اصل حقیقت تک نہین پہونچ سکتا،

قرب سی سال بود تا کہ ہمی کندم جان | کہ بجانان راہ بدم راہ نبردم بتنم
گرچہ بسیاری سن ہا ز پی فکرت کردہ ام | بیش ازین چیزے نمی دانم کہ ز سر بیخبرم
وصل تو گنجی است ہم نہان ز خود | ہر کہ گوید یافتم دیوانہ ایست
بیگانہ شدم ز ہر دو عالم | وا گہ نہ کہ آشنای من کیست
چندین در بستہ بی کلید است چہ سود | کس نام کشادن نشنید است چہ سود
پیراہن یوسف ست یک یک ذرات | یوسف ز میانہ ناپدید است چہ سود
نقش تو در خیال و خیال از تو بے بصر | نام تو بر زبان و زبان از تو بے خبر
در حقیقت گر قدم خواہی زدن | محو گردی تا کہ دم خواہی زدن
ہر آن مستے کہ بشناسد سر از پا | از دعوی مستی ناپسند است
گر در عشق از عشقت خبر نیست | ترا این عشق عشق سود مند است
عشق بتان و خویشتن بفروش | کہ نکوتر ازین تجارت نیست

درین دریا که من هستم نه من هستم نه دریا هم
نداند هیچ کس این سر مگر آن کو چنین باشد

ترا در راه یک یکدم چو معراجیست سوی حق
زیک یک پایه برتر می گزر چندانکه بتوانی

گرفتم در بهشت نسیه نتوانی رسیدن تو
ولے خود را ازین دوزخ که نقد تست برهانی

اخیر شعر مین ان لوگونکے خیال کو رد کیا ہی جو یہ کہتے ہین کہ بہشت کوئی چیز نہین اُسکو اُدہار سمجھنا چاہیے، خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ مانا کہ بہشت اُدہار ہی لیکن یہ تو کرنا چاہیے کہ اس نقد دوزخ (تفکرات دنیوی) سے نجات ہات آئے،

تو چون در بند صد چیزی خدا را بندہ چون گردی
کہ تو در بند ہر چیزے کہ ہستی بندۂ آنی

عالمِ حقیقت کفر و اسلام دونون سے بالاتر ہے،

لب دریا ہمہ کفرست و دریا جملہ دینداری
ولیکن گوہر دریا ورائے کفر و دین باشد

انسان ہی ہین سب کچھ ہے،

انچہ می جویند بیرون دو عالم سالکان
خویش را یابند چون این پردہ از ہم بردرند

بہمین دیدہ بنگری ظاہر
صورت خویش را بصورت یار

ہر کہ این جا ندیدہ محروم ست
در قیامت ز لذتِ دیدار

انا لیلے بگو اگر مردے
ورنہ چون ابلہان سری می خوار

وحدت وجود،

جہان از تو پُر و تو در جہان نہ
ہمہ در تو گم و تو در میان نہ

خموشی تو از گویائی تست
نہانی تو از پیدائی تست

ترا با ذره ذره راه بینم — دو عالم ثم وجه الله بینم
دوئی را نیست ره در حضرت تو — همه عالم توئی و قدرت تو
نکو گوئی نکو گفته است در ذات — که التوحید اسقاط الاضافات
خدارا جز خدا یک دوست کس نیست — که در خود و خدا هم اوست کس نیست
درین معنی که من گفتم شکی نیست — تو بی چشمی و عالم جز یکی نیست

کمال اسمٰعیل خلاق المعانی اصفہانی

وفات ۶۳۵ھ ہجری

اسمٰعیل نام، اور کمال تخلص تھا، ان کے والد جمال الدین عبدالرزاق مشہور شاعر تھے انکا پورا دیوان آج موجود ہے، آتشکدہ مین انکے بہت سے اشعار نقل کیے ہین، انکے دو بیٹے تھے، عبدالکریم، اور اسمٰعیل، عبدالکریم فقیہ تھے، اسمٰعیل نے بھی مذہبی علوم حاصل کیے تھے، لیکن شاعری کا مذاق خاندانی تھا، اس لیے اسی طرف توجہ کی اور اسی مین کمال پیدا کیا، خاندان صاعدیہ[۱] کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، جلال الدین خوارزم شاہ کی مدح مین بھی قصیدہ کہا ہے جو دیوان مین موجود ہے، لیکن دربارون مین چندان قدر نہین ہوئی، ایکدفعہ لوگون نے پوچھا کہ آپ خاندان صاعدیہ کی مدح کرتے ہین اور سلاطین سے اعراض کرتے ہین، بولے کہ صاعدیہ سخن فہم ہین اُن سے داد سخن ملتی ہے اور مین اسکو صلہ سے بڑھکر سمجھتا ہون[۲] تاہم چار ناچار، سلاطین کی مدح بھی کرتے تھے، بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ جب سلطان سنجر سلجوقی، گرجستان کو فتح کرکے اصفہان مین آیا تو کمال نے

---

[۱] یہ کوئی شاہی خاندان نہ تھا بلکہ اصفہان کے قضاۃ مین سے تھے،

[۲] بہارستان سخن از شاہ نواز خان مصنف ماثر الامراء

اس کی مدح مین قصیدہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہی،

حجاب ظلم تو برداشتی زچہرۂ عدل　　نقاب کفر تو بکشادی از رخ ایمان

بالآخر افسردہ ہوکر ترک تعلقات کیا اور حضرت **شہاب الدین** سہروردی کے ہات پر بیعت کی، دیوان مین ایک قصیدہ بھی ان کی مدح مین موجود ہی، ایک دفعہ کسی بات پر اہل وطن سے ناراض ہوے، اور نظم مین بد دعا کی،

اے خداوند ہفت سیارہ　　بادشاہے فرست خونخوارہ
تا در دکوہ را چو دشت کند　　جوے خون آورد ز جوبارہ[۱]
عدد مردمان بیفزاید　　ہر یکے را کند بصد پارہ

۶۳۵ھ ہجری مین جب اوکتاے قاآن، اصفہان مین پہونچا تو قتل عام کا حکم دیا، اس زمانہ مین یہ گوشہ نشین ہو چکے تھے، اور شہر کے باہر ایک زاویہ مین رہتے تھے، چونکہ لوگ ان کا ادب کرتے تھے، اور ان سے کوئی تعرض نہین کرتا تھا اس لیے اکثر لوگ نقدی وغیرہ ان کے گھر مین لاکر امانت کے طور پر رکھدیتے تھے، گھر مین ایک کنوان تھا وہ ان امانتون کا خزانہ بنگیا تھا، شہر کی غارتگری مین ایک ترک اس طرف نکل آیا، اور ایک پرند کو غلیل سے مارنا چاہا، اتفاق سے زہ گیر اڑکر کنوئین مین جا پڑی، ترک کنوئین مین اترا، زر و جواہر کا انبار دیکھکر آنکھین کھل گئین، سمجھا کہ اور بھی خزانے گڑے ہونگے، **کمال اسمٰعیل** کو پکڑا کہ پتہ بتاؤ، اُنھون نے لاعلمی ظاہر کی، اُس نے غصہ مین آکر ان کا خاتمہ کردیا، مرتے وقت یہ

۱؎ اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

رباعی کہی اور اپنے خون سے دیوار پر لکھی،

دل خون شد و شرط جانگدازی این است | در حضرت تو کمینہ بازی این است
با این ہمہ ہیچ دم نمی باید زد | شاید کہ ترا بندہ نوازی این است

ریاض الشعرا مین ایک اور رباعی لکھی ہی، جو کمال نے اس حالت مین لکھی تھی، وہ یہ ہے،

این کشتہ نگر، کمال اسمعیل است | قربان شدنش نہ از رہ تعجیل است
قربان تو شد کمال اندر رہ عشق | قربان شدن از کمال اسمعیل است

ید بیضا مین لکھا ہی کہ ترک کی انگوٹھی گر گئی تھی، اسکے نکالنے کے لیے وہ کنوئین مین اُترا تھا، ید بیضا مین اس واقعہ کا سن ۶۲۶ لکھا ہے،

شاعری کمال کی شاعری، قدما اور متاخرین کی مشترک سرحد ہی، یعنی اسکا ایک سرا قدما اور دوسرا متاخرین سے ملا ہوا ہی، قدما کی متانت، پختگی، استواری اور متاخرین کی مضمون بندی، خیال آفرینی، نزاکت مضمون، دونون یکجا جمع ہوگئے ہین، یہی وجہ ہے کہ متوسطین اور متاخرین دونون اُنکے معترف ہین، خواجہ حافظ فرماتے ہین،

گر با دگرت نمی شنواز بندہ این حدیث | از گفتۂ کمال دلیلے بیاورم
گر بر کنم دل از تو و بردارم از تو مہر | آن مہر بر کہ افگنم و دل کجا برم

۱؎ یہ تمام حالات آتشکدہ، اور دولت شاہ سے ماخوذ ہین،

عرفی کہتا ہے

مرا ز نسبت ہمدردی کمال غم است
وگرنہ شعر چہ غم دارد از غلط خوانی

حزین کے زمانہ مین بحث پیدا ہوئی کہ کمال اور جمال مین کسکو ترجیح ہے، لوگون نے حزین سے استفتا کیا، اس نے یہ جواب لکھا،

در شعر جمال ارچہ جاے کمال است
اما نہ بہ زیبائی افکار کمال است

لفظش بہ صفا آئینۂ شاہد معنی است
یعنی بہ شکوہے ست کہ طغرای ہلال است

صد بار، ز سر تا سر دیوانش گزشتم
لیلی ست کہ سر تا بقدم غنج و دلا است

دریوزہ گر رشحۂ او یند حریفان
الحق رگ ابر قلمش بحر نوال است

کمال اور محقق طوسی ہمعصر ہین، کمال کی بلند پائگی کی اس سے بڑھکر کیا دلیل ہوگی کہ محقق طوسی نے عظمت کے لہجہ مین کمال کا ذکر اپنی کتاب معیار الاشعار مین کیا ہے،

کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

۱۔ بہت سے نئے نئے مضامین پیدا کیے جنسے متاخرین کی مضمون آفرینیون کی بنیاد قائم ہوتی ہے، مثلاً،

چون صبح باز کرد دہن را بوصف او
چرخش درست مغربی اندر دہان نہاد

(اشرفی)

جب صبح نے بادشاہ کی تعریف مین منہ کھولا تو آسمان نے اسکے صلہ مین اسکے منہ مین اشرفی ڈالدی

افگند چار نعل ہلال، آسمان دو بار
تا بار کاب خواجہ عنان بر عنان نہاد

بیرون فگند حرم ترا زد زبان زکام
از بسکہ بار جود بر دبیگران نہاد

۲- نہایت مشکل طرحین کرتے ہین اور ان مین نئے نئے مضمون پیدا کرتے ہین، مثلاً

در گرد عزم او نہ رسد برق گرم رو — ور ز آتشش بود بہ مثل چون شرر پاے
از بین ہمت تو برآرم چو مور پر — از فرط عجز، اگرچہ ندارم چو مار پاے
ترسم کہ چون دراز شد این شعر ہیچکس — در گوش خویش جا نہ دہد چون ہزار پاے
کنکھجورا

ایک بڑا سیر حاصل قصیدہ لکھا ہے، جس کی ردیف برف ہے،

ہرگز کسے ندید بہ نیسان نشان برف — گوئی کہ لقمہ ایست زمین در دہان برف
مانند پنبہ دانہ کہ در پنبہ تعبیہ است — اجرام کوہ گشتہ نہان درمیان برف
پوشیدہ

۳- زبان کی صفائی اور سلاست کی حد جو ظہیر فاریابی پر ختم ہو چکی تھی، کمال نے اس سرحد کو اور آگے بڑھایا، مثلاً،

سپیدہ دم کہ نسیم بہارے آید — نگاہ کردم و دیدم کہ یارے آید
شراب در سر و چہرہ ز شرم رنگ آمیز — چنین میانۂ شرم و عقارے آید
رخش چو شاخ درخت بہشت ہر گل از ان — کہ می بچیدم، دیگر بہارے آید

اُسکا چہرہ، بہشت کا درخت تہا کہ جو پھول مین چنتا تھا، اُس کی جگہ دوسرا نکل آتا تھا،

زبسکہ وحشت دل خستہ بستہ در فتراک — چنان نمود مرا کز شکارے آید
گرفتمش ہمرہ و در حدیث واو گہ گہ — بقدر حاجت پاسخ گزارے آید

مین نے اسے باتون مین لگایا اور وہ بھی کبھی کبھی بقدر ضرورت جواب دیتا جاتا تہا،

ہر آن فریب کہ از عشوہ بست در کارم — مرا ز سادہ دلی، استوار مے آید
(یقین)

مراغ ورکہ تشریف می دہد، او خود — برائے خدمت صدر کبار مے آید

(عزت)
ایک قصیدہ مین ممدوح کی لیت و لعل کرنے کی شکایت ہی، ردیف ہیچ ہی اور کس روانی سے ہر جگہہ ادا ہوتی ہے،

صدرا روا مدار کز انعام خود مرا، — محروم ماندہ داری و آن را بہانہ ہیچ

ہر روز بامداد کنم رو بہ درگہت — یک دل پر از امید و پس آنگہ شبانہ ہیچ

چندین ہزار تیر معانی و شست طبع — کردم گشاد، و ماند از و بر نشانہ ہیچ

پنجاہ سال خدمت این خانہ کردہ ام — وامروز نیست بہرہ من جز فسانہ ہیچ

گر مستحق ہیچ نیم من، بدین ہنر — پس نیست مستحق عطا، در زمانہ ہیچ

از طالعست اینکہ من و آفتاب چرخ — مشہور عالمیم و بر آن آستانہ ہیچ

زانم نمیدہی کہ ترا در خزانہ نیست — یعنی کریم را نبود در خزانہ ہیچ

بر منہج امید من، از وعدہائے تو — دامے است بس شگرف و در دام دانہ ہیچ

آگے اور عنوانون کے نیچے جو اشعار آئین گے، ان مین صفائی زبان کی خصوصیت پر بھی لحاظ رکھنا چاہیے،

۴۔ شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یہ ہی کہ شاعری کی ایک صنف یعنی ہجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی وغیرہ کی وجہ سے لچون کی زبان بن گئی تھی، کمال نے اسکو نہایت لطیف اور پر مزہ کر دیا، اگرچہ بہتر تو یہی تھا کہ یہ بیہودہ صنف سرے سے اڑا دیجاتی لیکن ہجو شعرا کا

ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کو تعلق تھا، اس لیے وہ اس سے بالکل دست بردار نہین ہو سکتے تھے، امرا، اور سلاطین، جب صلہ کے دینے مین لیت ولعل کرتے تھے تو کمال ہجو اور ظرافت سے کام لیتا تھا لیکن اس طرح کہ خود اُس شخص کو مزہ آئے جس کی ہجو لکھی گئی ہے، ایک دفعہ گھوڑے کے زین ولگام، اور دانہ گھاس کے لیے ممدوح سے درخواست کی، دیکھو کس ظریفانہ پیرایے مین اس مطلب کو ادا کیا ہے،

دوش خربندہ کرد پیشم یاد　　کاسپک خواجہ، زندگی بتو داد
سائیس
تنگ دل گشتم از رہ خبرش　　کہ جوان بود و زیرک واستاد
گرچہ غمگین شدم ز واقعہ اش　　گشتم الحق ازان یکے دلشاد
کہ شنیدم کہ او بہ وقت وفات　　بہ وصیت لب و دہان بکشاد
از جو و کاہ و از جل وافسار　　ہرچہ بُد، در وجوہ خیر نہاد
گھاس　زین　لگام　　یعنی خیرات کیا
درچنان وقت این چنین توفیق　　ہمہ جا نور خدا بدہاد
واجبم گشت تعزیت نامہ　　بتو اے سرور کریم نہاد
برتو فرض است حق گزاری او　　زانکہ در خدمتت بسے استاد
مستحق تر ز اسپ من نبود　　گر وصیت ہمی کنی انفاذ
جاری کرنا
ہیچ تاخیر بر نتابد خیر　　زود تعجیل کن کہ خیرت باد

یعنی کل سائیس نے مجھ سے یہ خبر بیان کی کہ حضور کا گھوڑا، مرگیا، مجکو سخت رنج ہوا لیکن اس خیال سے خوشی بھی ہوئی کہ اسنے مرتے وقت وصیت کی اور جو کچھ اس کے

پاس ساز و سامان تھا، سب خیرات کر دیا، ایسی توفیق خدا سب کو دے، بہر حال آپ پر اُسکا بڑا حق ہی، اور آپ کو اس کی وصیت پوری کرنی چاہیے، لیکن اس وصیت کا مستحق، میرے گھوڑے سے بڑھکر کوئی نہین،

ایک بخیل کی ہجو کی ہی،

دے مرا گفت دوستے کہ مرا	با فلان خواجہ از پے دوسہ کار
سخنے چند ہست واز پے آن،	خلوتے مے بباید م ناچار
خلوتے آن چنان کہ اندر وے	ہیچ مخلوق را نباشد بار
گفتم این فرصت ار توانی یافت	وقت نان خوردنش نگہ مے دار

یعنی مجھ سے کل ایک دوست نے کہا کہ فلان رئیس سے مجکو کچھ مخفی کام ہے، اس لیے مین ایسی تنہائی کا موقع چاہتا ہون، کہ اسوقت اُنکے پاس کوئی نہو، مین نے کہا ایسا موقع صرف اُن کے کھانے کے وقت ملسکتا ہے

ایک اور بخیل کی ہجو مین لکھتے ہین،

ز مرد فانی باور کنم اگر گوید،	کہ من بخانہ خود مے خورم طعام حلال
نہ آنکہ مال حلالست مرد فانی را	کدام مال کہ او دارد و کدام حلال
دے ز مسکی آنگاہ مال خویش خورد	کز اضطرار مر او را شود حرام حلال

یعنی فلان شخص اگر کہے کہ مین اکل حلال کھاتا ہون تو مین یقین کرونگا، لیکن اس بنا پر کہ درحقیقت اسکا مال پاک اور حلال ہی، بلکہ اسوجہ سے کہ وہ کھانا اتنی دیر کے بعد کھاتا ہے،

جبکہ مردار بھی حلال ہو جاتا ہے (کم سے کم تین دن کے بعد)

ایک اور بخیل کی ہجو،

بدہن نان خواجہ چون بردم | خواجہ گفتا کہ آہ من مردم
گفتمش خواہ میر و خواہ ممیر | کہ من این لقمہ را فرو بردم

کسی نے کمال کو بُرا کہا تھا، اسکے جواب مین کہتے ہین،

شخصے بد ما بہ خلق مے گفت | ما از بداو نمے خراشیم
ما نیکی او بخلق گفتیم | تا ہر دو، دروغ گفتہ باشیم

محقق طوسی کا یہ مشہور قطعہ،

نظام بے نظام ار کافرم خواند | چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمان خوانمش زیرا کہ نبود | سزا دارِ دروغے جز دروغے

اسی قطعہ سے ماخوذ ہی،

ایک رئیس سے صلہ کا تقاضا کیا ہی، اور کس قدر لطیف پیرایہ اختیار کیا ہی،

سہ شعرؔ رسم بُوَد، شاعران طامع را | یکے مدیح، دوم قطعۂ تقاضائی
اگر بداد، سوم شکر، ورندا د ہجا | ازین سہ بیت، دو گفتم، دگر چہ فرمائی

یعنی شعرا پہلے مدح کہتے ہین پھر صلہ کی یا دہانی کے لیے ایک نظم لکھتے ہین اب اگر ممدوح نے صلہ عنایت کیا تو شکریہ لکھتے ہین ورنہ ہجو، مین ان تینون نظمون سے

لہ یہ اشعار انوری کی طرف بھی منسوب ہین،

دو لکھ چکا ہون، تیسری کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہی،

غزل کی نسبت یہ مسلم ہی کہ سب سے پہلا خاکہ کمال ہی نے قائم کیا ہے، جسکو شیخ سعدی نے اسقدر ترقی دی کہ موجد بن گئے، خان آرزو مجمع النفائس مین فغانی کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

قدما، را در غزل طرزے بود بسیار سادہ، چون نوبت بہ کمال الدین اسمٰعیل رسید، او رنگے دیگر داد، بعد از و شیخ سعدی و خواجو نمکِ دیگر ریختند

کمال نے غزل مین سادگی اور صفائی کے ساتھ رنگینی اور جدت مضمون بھی پیدا کی جسکا اندازہ ان مثالون سے ہوگا،

دوش بگذشتم و دشنام همیداد مرا | خدمتش کردم و پنداشت کہ من نشنیدم

کل مین اُدھر سے گذرا تو وہ مجکو گالیان دے رہا تھا، مینے اُسکو سلام کیا اور وہ سمجھا کہ مینے گالیان نہین سنین

گرچہ لعلش بہ سزا ناخوشی آنہا میگفت | من ازان خوشتر ازو ہیچ سخن نشنیدم

اسکے ہونٹھ اگرچہ بُری طرح گالیان دے رہے تھے لیکن مینے اس سے زیادہ خوشنما کوئی بات آجتک نہین سنی،

زمستان است اندازی ندارد چشم کس ہرگز | مگر چشمش کہ چون شد مست ناوک بہتر اندازد

مست آدمی اچھی طرح تیراندازی نہین کرسکتا، لیکن اسکی آنکھین مستی مین اور زیادہ ٹھیک نشانہ لگاتی ہین،

چو اندازد بمن تیرے، کنم در سینہ پنہانش | بدان تا از پئے ہر تیر تیرے دیگر اندازد

از چشم نیم خواب تو امروز روشن است | آن نالہ ہا کہ در غمِ تو دوش کردہ ایم

بود ہمیشہ جان من رسم تو بے گنہ کشتی، | ہیچ نمی کشی مرا، من چہ گناہ کردہ ام!

زبان کی سادگی دیکھو،

روے زان خوبتر تواند بود؟ | ہان بگوئید اگر تواند بود
آنچنان نازک و چنان شیرین، | لب نہا شند، شکر تواند بود
دل خود طلب چو کردم بر نرگس تو، گفتا | بر و اے فلان و بہمان م بر من چہ کار دارد
چو بسے بگفتم او را بکرشمہ گفت با من | سر گفتگو ندارم، کہ مرا خمار دارد
چہ دہی صداع مستان چہ کنی حدیث چیزے | کہ کمینہ ہندوے من بہ ازین ہزار دارد

مجھے خمار ہے — تکلیف — غلام

نخستم دل بدام اندر کشیدی | پس آنگاہم قلم بر سر کشیدی
بقصد جان چون من، ناتوانے | ز ردم و ہند و چین لشکر کشیدی
پراگندہ ہمہ غمہاے عالم | ز بہر من، بہ یک دیگر کشیدی
اگرچہ آستین بر من فشاندی | و گرچہ دامن از من در کشیدی
نخواہد رفت از یادم کہ با من | ق شبے تا صبحدم ساغر کشیدی

رباعی کو جسقدر کمال نے ترقی دی، قدما اور متوسطین مین اُسکی نظیر نہین رباعی مل سکتی،

گل خواست کہ چون رخش نکو باشد و نیست | چون لب من برنگ و بو باشد و نیست
صد روے فراہم آورد در ساے | باشد کہ یکے چو روے او باشد و نیست

شاید

گر لاف زنم کہ یار خوشخوست نۂ
باما بہ وفا و عہد نیکوست، نۂ

زین نادرہ تر کہ از برائے تو مرا
شہرے ہمہ دشمن اند و تو دوست، نۂ

در دیدہ روزگار نم بایستے،
یا با غم او صبر بہم بایستے

یا مایۂ غم چو عمر کم بایستے
یا عمر بہ اندازۂ غم بایستے

یار آمد و دوش کرد مش مہمانے
ہر چش گفتم نہ کرد، نافرمانے

مے خورد و بخفت، دست در را بستم
وانگاہ بہ او، چہ کردہ باشم دانے

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

مصلح الدین لقب اور سعدی تخلص تھا، انکے والد اتابک سعد بن زنگی بادشاہ شیراز کے ملازم تھے اس تعلق سے شیخ نے سعدی تخلص اختیار کیا،[1]

سال ولادت معلوم نہین، وفات کی نسبت سب متفق ہین کہ ۶۹۱ھ مین ہوئی عمر کی مدت عام تذکرون مین ۱۰۲ برس کی لکھی ہی لیکن اس حساب سے سال ولادت ۵۸۹ھ ہوگا شیخ نے تصریح کی ہے کہ وہ ابوالفرح ابن جوزی کے شاگرد ہین اور غالبًا یہ وہ زمانہ ہوگا جب شیخ بغداد مین تحصیل علم کے لیے آئے ہین، ابن جوزی نے ۵۹۷ھ مین وفات پائی، شیخ کی ولادت اگر ۵۸۹ھ مین مانی جائے تو ابن جوزی کی وفات تک انکی عمر کل ۹ برس کی ہوگی اور یہ کسی طرح صحیح نہین، بعض تذکرون مین شیخ کی عمر ۱۲۰ برس لکھی ہی اگرچہ یہ خارج از قیاس عمر تسلیم کرلی جائے تو اور واقعات کی کڑیان ملجائینگی، لیکن ایک سخت دقت پھر باقی رہتی ہی وہ یہ کہ شیخ نے گلستان مین لکھا ہی کہ جس زمانہ مین سلطان محمود خوارزم شاہ نے

---

[1] مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے حیات سعدی مین سعدی کے حالات اور شاعری پر جو کچھ لکھدیا اسکے بعد کچھ لکھنا بے فائدہ ہی، لیکن بعض تعلیم یافتہ دوستون نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور آخر مجبورًا لکھنا پڑا، [2] تذکرہ دولت شاہی،

خطا سے صلح کی مین کاشغر مین آیا،،

سلطان محمود ۵۸۹ھ مین مرا ہے اس لیے اس زمانہ مین اُنکی عمر ۲ ابرس کی ہو گی لیکن واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہی کہ شیخ کی شاعری اور کمالات نے کم از کم ۳۰، ۴۰ برس کی عمر مین شہرت پائی ہی، اسلیے یا تو شیخ نے غلطی سے علاء الدین تکش خوارزم شاہ کے بجاے محمود خوارزم شاہ کا نام لکھدیا ہی، یا اُن کی شاعری کی شہرت اُن کے شباب ہی مین ہوچکی ہوگی،

شیخ کے بچپن کے حالات اگرچہ کسی تذکرہ نویس نے قلمبند نہین کئے لیکن خود شیخ کے بیانات سے بہت سی دلچسپ باتین معلوم ہوتی ہین،

شیخ کے والد نے شیخ کو جب پڑھنے کیلیے بٹھایا تو لکھنے کی تختی، کاغذ، اور ایک طلائی انگوٹھی خرید کردی، یہ اُسوقت اسقدر کمسن تھے کہ کسی نے مٹھائی دیکر انسے انگوٹھی اُڑالی، چنانچہ خود فرماتے ہین،

زعہد پدر یاد دارم ہمے، | کہ باران رحمت برو ہر دمے
کہ در طفلیم لوح و دفتر خرید | ز بہرم یکے خاتم زر خرید
بدر کرد ناگہ یکے مشتری | بشیرینی از دستم انگشتری

شیخ کے والد شیخ کو مزید محبت اور تربیت کے خیال سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے ایک دفعہ عید گاہ مین ان کو ساتھ لیکر چلے، ہات مین دامن پکڑا دیا تھا کہ ساتھ سے الگ نہو جائین، راستہ مین بچے کھیل رہے تھے یہ دامن چھوڑ کر اُن مین جا ملے اور باپ کا ساتھ

چھوٹ گیا، کشمکش اور ہجوم مین باپ کی صورت نظر نہ آئی تو گھبرا کر رونے لگے، اتفاق سے
باپ نے دیکھ لیا، کان پکڑ کر کہا احمق! تجھ سے کہا نہ تھا کہ دامن نہ چھوڑنا، اس قسم کے
واقعات ہر بچہ کو پیش آتے ہین، لیکن اس سے یہ پاکیزہ نتیجہ نکالنا کہ

توہم طفل راہی بہ سعی اے فقیر — برو دامن پیر دانا بگیر

شیخ کا کام ہے،

ان کے باپ ان کی تربیت اس طرح کرتے تھے جس طرح ایک عارف سالک مرید کو
تزکیہ نفس کی منزلین طے کراتا ہے، وہ بات بات پر انکو ٹوکتے تھے اور ان کی غلطیون پر
تنبیہ کرتے تھے، ان کے اثر سے شیخ کو بچپن ہی مین زہد وعبادت کا چسکا پڑ گیا تھا،
ایک دفعہ حسب معمول باپ کی صحبت مین رات بھر جاگے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے
رہے، گھر کے اور آدمی غافل سو رہے تھے، ان کو خیال آیا۔ باپ سے کہا کہ آپ دیکھتے
ہین کہ یہ لوگ کیسے بیخبر سو رہے ہین کسی کو اتنی توفیق نہین ہوتی کہ اُٹھکر دو رکعت
نماز پڑھلے، باپ نے کہا جان پدر! اگر تم بھی سو رہتے تو اس سے بہتر تھا کہ لوگون کی
غیبت کر رہے ہو،

بچپن مین جب انکو وضو کرنا نہین آتا تھا، محلہ کے ایک مولوی صاحب سے روزہ
اور نماز سیکھنی شروع کی، مولوی صاحب نے وضو کے سب آداب و سُنن سکھا کر یہ بھی بتایا کہ روزہ
مین دوپہر ڈھلنے کے بعد مسواک کرنا منع ہے، پھر کہا کہ ان فرائض کو مجھ سے بڑھکر کوئی شخص
نہین جانتا ہوگا، گاؤن کا رئیس بالکل بڈھا پھوس ہو گیا ہے، رئیس نے سُنا تو کہلا بھیجا کہ

نہ مسواک در روزہ گفتی خطا است | بنی آدم مردہ خوردن روا است

یعنی تم نے خود بتایا کہ روزہ مین مسواک کرنا منع ہے لیکن کیا مردہ کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) جائز ہے،

شیخ کے باپ نے انکے بچپن ہی مین وفات پائی اور جس ناز و نعم سے پل رہے تھے وہ سامان جاتے رہے، خود کہتے ہین،

من آنگہ سر تاجور داشتم | کہ سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس | پریشان شدی خاطر چند کس
کنون دشمنان گر برندم اسیر | نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلان خبر | کہ در طفلی از سر برفتم پدر

لیکن انکی والدہ ان کی جوانی تک زندہ رہین اور ان سے بھی انکو اخلاقی سبق ملتے رہتے تھے، **گلستان** مین لکھا ہے،

دقتے از جہل جوانی بانگ بر مادر زدم، دل آزردہ بہ کنجے نشست وگریان ہمیگفت مگر خوردی را فراموش کردی کہ درشتی میکنی (باب ششم)

طالب علمی

شیراز مین اگرچہ تحصیل علم کا ہر قسم کا سامان مہیا تھا، سیکڑون علما و فضلا درس و تدریس مین مشغول تھے، اسکے علاوہ اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی المتوفی ۵۹۱ھ کا مدرسہ موجود تھا، لیکن اس زمانہ مین تحصیل کمال کے لیے ممالک دور دراز کا سفر اور مشہور درسگاہون مین حاضر ہونا لازمی امر خیال کیا جاتا تھا، اس زمانہ مین سب سے بڑا مدرسہ جسکو یونیورسٹی

کہہ سکتے ہین نظامیہ بغداد تھا، شیخ نے نظامیہ مین تحصیل علم شروع کی اور جیسا کہ عام طریقہ تھا مدرسہ سے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا، یہ پتہ نہین چلتا کہ نظامیہ مین انھون نے کس سے تحصیل علم کی، ان قرائن سے کہ شیخ نے ابن جوزی کی شاگردی کی، ابن جوزی بغداد مین رہتے تھے، شیخ نظامیہ مین حدیث پڑھتے تھے، لوگون نے نتیجہ نکالا ہے کہ شیخ نے نظامیہ مین ابن جوزی ہی کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا، لیکن مدرسین نظامیہ کی فہرست مین ہم ابن جوزی کا نام نہین پاتے، بے شبہہ ابن جوزی بغداد مین حدیث کا درس دیتے تھے، لیکن اپنے مکان پر دیتے ہون گے، نظامیہ سے[1] کا تعلق ثابت نہین ہوتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابن جوزی کا اثر شیخ کی تعلیم پر نہین پڑا، ابن جوزی ان محدثین مین شمار کیے جاتے ہین جو حدیث اور روایت مین نہایت سخت احتیاط سے کام لیتے تھے اور مشتبہ اور ضعیف روایتون کو بالکل ترک کر دیتے تھے، لیکن شیخ اتفاق سے کہین کوئی حدیث ذکر کرتے ہین تو عموماً ضعیف بلکہ مصنوعی ہوتی ہے، مثلاً

نزد گہ بدورش بنازم چنان — کہ سید بہ دوران نوشیروان

یا مثلاً لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب الخ

یا مثلاً حضرت ابوہریرہ کی حدیث زرنی غبّا الخ

یا مثلاً طبیب فارس کی حدیث وغیرہ وغیرہ،

---

[1] جامع التواریخ صفحہ ۲۰۰

شیخ کی تحصیل علمی کا وہ زمانہ ہے جب اتابکانِ فارس کے سلسلہ مین سے سعد زنگی تخت حکومت پر متمکن تھا، وہ نہایت عادل اور صاحب جبروت حکمران تھا، لیکن معلوم نہین کیا اسباب تھے کہ شیخ کو شیراز مین امن و آسایش سے رہنا نہین نصیب ہوسکتا تھا، چنانچہ خود کہتے ہین،

سعدیا! حُبِّ وطن گرچہ حدیثے است صحیح　　　نتوان مرد بسختی کہ من آن جا زادم

غرض شیخ نے تحصیل علم سے فارغ ہوکر، سیر و سیاحت شروع کی اور ایک مدت دراز تک سفر کرتے رہے جس کی مدت عام تذکرہ نویس ۳۰ برس لکھتے ہین،

سیر و سیاحت کی غرض مختلف ہوتی ہی اور جو غرض پیش نظر ہوتی ہی سیاح اُسی حیثیت سے تمام چیزون کو دیکھتا ہی بلکہ تمام چیزین اُسی حیثیت سی خود اس کی نظر مین جلوہ گر ہوتی ہین، شیخ مین کثرت سی مختلف حیثیتین جمع تھین، وہ شاعر تھے، صوفی تھے، فقیہ تھے، واعظ تھے، حسن پرست تھے، رند تھے، شوخ طبع تھے، اس لیے اُنھون نے تماشا گاہ عالم کو ہر ہر پہلو سے دیکھا، سفر و سیاحت

وہ کبھی زہد و ریاضت کے عالم مین حج و زیارت کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے ہین، نہایت دشوار گذار اور چٹیل صحراؤن مین پیادہ پا سیکڑون کوس چلے جاتے ہین، رات رات بھر کی متصل پیادہ روی سے تھک کر چور ہو جاتے ہین اور عین راستہ مین پتھریلی زمین پر پڑ کر سو جاتے ہین، کبھی نفس کشی کے لیے بیت المقدس مین کاندھے پر مشک رکھکر سقائی کرتے ہین، لوگون کو پانی پلاتے پھرتے ہین، کبھی کسی صاحبدل درویش کا تذکرہ

سنکر اس کی زیارت کے لیے روم پہونچتے ہین کبھی انبیا کے مزارات پر اعتکاف کرتے

ہین، جمعہ کا دن ہے نماز کو جانا چاہتے ہین لیکن پاؤن مین جوتی نہین دل مین شکایت

پیدا ہوتی ہی، دفعتہ ایک شخص پر نظر پڑتی ہے جسکے سرے سے پاؤن ہی نہین صبر آجاتا ہی

اور سمجھ جاتے ہین، کہ صبر و رضا کی تعلیم ہے،

ایک دفعہ لوگون کی صحبت سے تنگ آکر بیت المقدس کے صحرا مین بادیہ نوردی

شروع کی، اتفاق سے عیسائیون نے پکڑ لیا اور طرابلس (ٹرپولی) مین خندق کھودنے کی

کام پر لگا یا، بہت پریشان ہوے لیکن مجبور تھے، اتفاق سے ایک قدیم دوست کا

اُدھر گزر ہوا، پوچھا خیر ہے؟ فرمایا،

ہمے گریختم از مردمان بکوہ و بہ دشت	کہ از خدای نبودم بہ دیگرے پرداخت
قیاس کن کہ چہ حالت بود درین ساعت	کہ با طویلۂ نامردمم بباید ساخت

یعنی جو شخص آدمیون سے بھاگتا پھرتا تھا جب جانورون مین پھنس جاے تو اس کی

کیا حالت ہوگی، دوست کو رحم آیا، فدیہ دیکر اُن کو چھڑایا، اور اپنے ساتھ حلب مین لائے،

مزید عنایت سے سو اشرفی مہر پر اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کردی، لیکن صاحبزادی نہایت

شوخ اور زبان دراز تھین شیخ سے ہمیشہ ان بن رہتی تھی، ایک دن کہنے لگین تم اپنی

ہستی بھول گئے، تم وہی تو ہو کہ میرے باپ نے دس دینار دیکر تمکو چھڑایا، شیخ نے کہا

ہان دس دینار دیکر چھڑایا، لیکن سو دینار کے عوض پھر گرفتار کرادیا،

شیخ نے تصوف وسلوک کی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۰ھ

سے حاصل کی، اسی سیاحت کی بدولت سفر دریا مین انکا ساتھ ہوا اور انکی فیض صحبت سے
شیخ نے تزکیہ نفس کے مراتب طے کیے، چنانچہ خود فرماتے ہین،

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روے آب
(نصیحت) (دریا)
یکے آنکہ بر خویش خودبین مباش — دگر آنکہ بر غیر بدبین مباش

ایک دفعہ بعلبک کی جامع مسجد مین وعظ کہہ رہے تھے اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید کا نکتہ بیان فرما رہے تھے، کسی پر کچھ اثر نہین ہوتا تھا تاہم یہ اپنے عالم مین مست تھے اور یہ شعر زبان پر تھا،

دوست نزدیک تر از من بمن است — وین عجب تر کہ من از وے دورم
چکنم با کہ توان گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

اتفاق سے کوئی صاحبدل آنکلے، اُنھون نے بیساختہ نعرہ مارا، اُنکی اثر سے مجلس کی مجلس گرما گئی، شیخ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "دوران با بصر نزدیک و نزدیکان بے بصر دور"، ایک دفعہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے قاضی کے دربار مین گئے اور اونچی صف مین جا کر بیٹھے، قاضی صاحب نے تیز نگاہون سے دیکھا، اور میر دربار نے جو لوگونکو حسب مدارج بٹھانے پر مامور تھا ان کے پاس آکر کہا،

ندانی کہ برتر مقام تو نیست — فروتر نشین، یا برو، یا بایست

بیچارے وہان سے اُٹھکر صف پائین مین آ کر بیٹھے، تھوڑی دیر کے بعد حسب معمول کسی فقہی مسئلہ پر بحث چھڑی اور ہر طرف سے شور وغل کی آوازین بلند ہوئین، لیکن کوئی شخص

کوئی فیصلہ کن بات نہین کہتا تھا کہ سب اسکے سامنے سر جھکا دین، شیخ کو اظہار کمال کا موقع ملا، صف پائین سے للکار کر کہا،

کہ برہان قوی باید و معنوی نہ رگہاے گردن بہ حجت قوی

لوگون نے انکی طرف توجہ کی، انھون نے اس خوبی سے اس مسئلہ کو سلجھا کر ادا کیا کہ سب مان گئے، یہانتک کہ خود قاضی صاحب صدر مجلس سے اٹھے اور اپنی پگڑی اُتار کر ان کے سر پر رکھدی،

اُس زمانہ مین اتنا انصاف بھی تھا آج کا دن ہوتا تو کوئی م انکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا،

اسکندریہ کے مشہور قحط مین جس مین لوگ بھوک کے مارے آدمی کو زندہ بھون کر کھا جاتے تھے، ایک دولتمند مخنث نے اپنا خوان کرم اس قدر وسیع کر رکھا تھا کہ کسی شخص کے لیے روک نہ تھی شیخ اس زمانہ مین اسکندریہ ہی مین تھے، ان کے دوستون نے ان سے کہا کہ مخنث کی دعوت مین چلنا چاہیے، ان کی خودداری نے گوارا نہ کیا، اور کہا،

نہ خورد شیر نیم خوردہ سگ ور بسختی بمیرد اندر غار

شیخ کی آزادہ روی اور تجربہ کے لحاظ سے بظاہر قیاس ہوتا ہے کہ انھون نے اہل وعیال کا جھگڑا نہین خریدا ہوگا لیکن تاریخی شہادتین موجود ہین کہ انھون نے اس تجربہ گاہ کی بھی سیر کی، ایکدفعہ تو وہی مجبوری کا تعلق اختیار کرنا پڑا تھا جسکا ذکر اوپر گذر چکا، دوسری دفعہ

صنعاء (یمن کا صدر مقام) مین نکاح کا اتفاق ہوا، اور اس سے اولاد ہوئی، لیکن بچپن ہی مین جاتی رہی، باوجود آزادی کے شیخ کو اسکا بہت صدمہ ہوا چنانچہ خود بوستان مین فرماتے ہین،

چہ گویم کزانم چہ بر سر گذشت   بہ صنعا درم طفلے اندر گذشت

یہانتک حواس باختہ ہوئے کہ قبر کا ایک تختہ اکھاڑ کر لخت جگر کو دیکھنا چاہا، لیکن ہولناک منظر دیکھکر کانپ اُٹھے، اور غشی سی طاری ہوگئی، ہوش مین آئے تو فرزند دلبند نے زبان حال سے کہا،

شب گور خواہی منور چو روز   ازینجا چراغ عمل بر فروز

جس زمانہ مین سلطان خوارزم شاہ نے خطا والون سے صلح کرلی، شیخ کاشغر مین آئے جامع مسجد مین ایک مدرسہ تھا جس مین حسب دستور درسیات کی ابتدائی کتابین پڑھائی جاتی تھین سیر کرتے کرتے مدرسہ مین آئے، ایک خوش جمال لڑکا زمخشری کی کتاب (غالباً مفصل ہوگی) پڑھ رہا تھا اور یہ فقرہ زبان پر تھا ضرب زید عمرا شیخ نے کہا خوارزم و خطا مین صلح ہوگئی اور زید اور عمر کا جھگڑا ابتک ختم نہین ہوچکا، لڑکا ہنس پڑا اور انکا نام و نشان پوچھا، انھون نے کہا شیراز، شیخ کا شہرہ عالم گیر ہوچکا تھا، شیراز کا نام سُنکر اُسنے کہا سعدی کے شعر بھی کچھ آپ کو یاد ہین؟ انھون نے عربی کے دو شعر اسی وقت موزون کرکے پڑھے، لڑکا سمجھ نہ سکا، بولا کہ ہمارے ملک مین تو اُنکے فارسی شعر مشہور ہین، آپ فارسی شعر پڑھتے تو مین سمجھ بھی سکتا شیخ نے برجستہ کہا،

ای دل عشاق بدام تو صید | ما بتو مشغول و تو با عمر و زید

دوسرے دن کسی نے لڑکے سے کہدیا کہ یہی سعدی ہین، وہ دوڑا ہوا شیخ کے پاس گیا اور نہایت اخلاص و عقیدت ظاہر کی، اور کہا کہ آپنے نام کیون نہین ظاہر فرمایا کہ مین خدمتگذاری کی سعادت حاصل کرسکتا، شیخ نے جواب دیا ع با وجودت زمن آواز نیامد کہ منم (تیرے سامنے مین یہ کہہ نہ سکا کہ مین ہون) لڑکے نے عرض کی کہ چندروز آپکا قیام ہوتا تو سب آپسے مستفید ہوتے، شیخ نے کہا نہین مین نہین ٹھہر سکتا پھر یہ اشعار پڑھے،

بزرگے دیدم اندر کوہسارے | قناعت کردہ از دنیا بہ غارے
بدو گفتم بہ شہر اندر نیائی ؟ | کہ بارے بندے از دل برکشائی
بگفت آنجا پری رویان نغزند | چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

وقت کی تہذیب دیکھو! شیخ جیسا مقدس اور صوفی منش، ایک امرد کو گلے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے منھ چومتا ہے اور پھر دیدہ دلیری سے کہتا ہے،

این بگفتیم و بوسۂ چند بر سر و روی یکدیگر دادیم و وداع کردیم،

بوسہ دادن بروی یار چہ سود | ہم دران لحظہ کردنش پدرود

اسی عالم سیاحت مین شیخ ہندوستان مین بھی آئے، عام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ شیخ امیر خسرو سے ملے تھے، لیکن مستند تاریخون مین اسیقدر ہے کہ امیر خسرو کے ممدوح خان شہید[1] نے دودفعہ شیخ کو شیراز سے طلب کیا، لیکن شیخ نے بڑھاپے اور ضعف کا عذر کیا

[1] خان شہید نے ۶۸۳ھ مین شہادت پائی اور شیخ سعدی کے بلانے کا واقعہ اسی سنہ کے دو چار برس قبل کا واقعہ ہے

اور گلستان و بوستان اپنے ہات سے لکھکر تحفہ مین بھیجی،

خان شہید نے امیر خسرو کا کلام بھی بھیجا تھا، شیخ نے اس کی بہت تحسین کی اور

لکھا کہ یہ جوہر قابل قدردانی کے قابل ہی،

ہندوستان کے سفر کا ایک واقعہ شیخ نے بوستان مین لکھا ہی لیکن بیان واقعہ مین اس قدر غلطیان ہین کہ سرے سے اصل واقعہ مشتبہ ہو جاتا ہی، اُنکا بیان ہی کہ وہ سومنات مین آئے، یہان ایک عظیم الشان بت خانہ تھا، پوجاریون سے راہ و رسم پیدا کی، ایکدن ایک برہمن سے کہا کہ مجکو سخت تعجب ہے کہ ایک پتھر کو لوگ کیون پوجتے ہین وہ نہایت برہم ہوا اور تمام بت خانہ مین یہ چرچا پھیل گیا، سب ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، انھون نے کہا بت کے ظاہری حسن و خوبی کا مین بھی معترف ہون لیکن جاننا چاہتا ہون کہ معنوی کمال کیا ہی؟ برہمن نے کہا ہان یہ پوچھنے کی بات ہی، مین نے بھی بہت سفر کیے اور ہزارون بت دیکھے لیکن جو معجزہ اس مین ہی کسی مین نہین، یہ ہر روز صبح کو دعا کے لیے خود ہات اٹھاتا ہی، چنانچہ دوسرے دن شیخ نے یہ شعبدہ خود اپنی آنکھون سے دیکھا، شیخ کو نہایت حیرت ہوئی اور اس فکر مین ہوے کہ اصل راز کیا ہی؟ تقیۃً بت کے ہات چومے اور بہت خشوع و خضوع ظاہر کیا اور بت خانہ مین اس عقیدت کے ساتھ رہنے لگے جیسے پوجاری مندر مین رہا کرتے ہین برہمنون کو جب ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ایکدن بت خانہ کا پھاٹک بند کرکے چارون طرف نظر دوڑائی، دیکھا تو بت کی پشت کی طرف ایک مغرق پردہ ہے پردہ کی اوٹ

مین ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جسکے ہاتھ مین ایک رسی ہی، رسی مین بت کے ہات بندھے
ہوے، ہین اندازسے یہ شخص رسی کو کھینچتا ہے تو ہات اُٹھ جاتے ہین، انکو دیکھکر وہ شخص
بھاگا، انھون نے تعاقب کرکے اسکو کوئین مین ڈھکیل دیا اور خود بھاگ نکلے،

ان واقعات کے بیان مین عام غلطیان تو یہ ہین کہ بت کو ہاتھی دانت کا بتایا ہی
حالانکہ ہاتھی دانت کو ہندو پاک نہین سمجھتے اسلیے اُسکا بت نہین بنا سکتے، برہمنون کو
لکھا ہے کہ وہ پاژند پڑھتے تھے،

فتادند گبران پاژند خوان　　　چو سگ با من از بہر آن استخوان

حالانکہ پاژند ہندوؤن کی کتاب نہین بلکہ پارسیون کا صحیفہ ہے،
برہمنون کو کہین گبر اور کہین مطران کہتے ہین،

بس پرده مطران آذر پرست،

حالانکہ مطران عیسائیون کے پادری کو کہتے ہین، پھر مطران کو آذر پرست کہنا اور بھی لغویت
ہے ان جزئیات کے سوا اصلی واقعہ بھی نہایت دور از قیاس ہی شیخ کتنی ہی بت پرستی کرتے
لیکن یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسی عظیم الشان بتخانہ مین تمام برہمن اور پجاری اکیلے انکے
ہات مین بت خانہ چھوڑ کر باہر نکلجاتے اور انکو یہ موقع ملتا کہ چارون طرف کے دروازے
بند کرکے جو چاہتے کرتے،

حقیقت یہ ہی کہ یہ تازہ ولایت تھے خدا جانے کس چیز کو کیا سمجھے اور کس واقعہ کو کیونکر
لکھ گئے، اکثر انگریز سیاحون کا یہی حال ہی دو چار دن ہندوستان مین رہکر سفر نامے لکھتے

ہین جنکو پڑھکر ہندوستانیون کو غور کرنا پڑتا ہے کہ کس ملک کی داستان ہیں، شیخ نے اس حکایت کے خاتمہ مین لکھا ہو کہ سومنات سے مین ہندوستان مین آیا، غالباً اس زمانہ مین ہندوستان خاص دہلی اور نواح دہلی کو کہتے ہونگے، لیکن شیخ نے کچھ زیادہ تصریح نہین کی اور نہ کہین سے پتہ لگتا ہے کہ کہان تک پہونچے تھے،

شیخ نے جب سیاحت شروع کی تو فارس مین اتابکان سلغری کی حکومت تھی، یہ سلسلہ بھی اور سلسلونکی طرح سلجوقیون کا دست پرورد تھا، اس سلسلہ کا پانچوان حکمران **سعد زنگی** شیخ سعدی کا ہمعصر تھا، لیکن اسکے اخیر زمانہ تک سعدی وطن مین نہین آئے صاف نہین کھلتا کہ اسکے اسباب کیا تھے، لیکن شیخ کی بعض تلمیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو اس زمانہ مین امن وامان کی طرف سے اطمینان نہ تھا، سعد زنگی نے ۶۲۳ھ مین وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا اتابک ابوبکر بن سعد زنگی تخت نشین ہوا، وہ نہایت شان وشوکت کا بادشاہ تھا، فارس کی حکومت جو دو سو برس سے تاراج گاہ بن رہی تھی اسکے زمانہ مین عروس رعنا بن گئی، ہر طرف نظم ونسق قائم ہوگیا، جا بجا مدرسے اور درسگاہین کھل گئین، علماء وفضلا وشعراء دور دور سے کھنچ آئے، شیخ ہمیشہ وطن کے شوق مین بیتاب رہتے تھے، اور وطن پہونچنے کی دعائین مانگا کرتے تھے، چنانچہ ایک قصیدہ مین لکھتے ہین،

چہ خوش سپیدہ دمے باشد آنکہ بینم باز — رسیدہ بر سر اللہ اکبر[1] شیراز

---

[1] اللہ اکبر، شیراز کے ایک چشمہ کا نام ہو،

نہ لائق ظلمات ست باللہ این اقلیم | کہ تختگاہ سلیمان بدست و حضرت راز

اب جو امن و امان کی طرف سے اطمینان ہوا تو شام سے عراق عجم ہو کر شیراز مین آے چنانچہ ایک قطعہ مین غریب الوطنی اور مراجعت کی وجہ بتصریح لکھی ہے،

ایک قطعہ مین اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے،

ندانی کہ من در اقالیم غربت | چرا روزگارے بکردم درنگی
برون رفتم از تنگ ترکان کہ دیدم | جہان درہم افتاد چون موے زنگی
ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن | چو گرگان بہ خونخوارگی تیز چنگی
چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم | پلنگان رہا کردہ خوے پلنگی
چنان بود در عہد اول کہ دیدم | جہان پر ز آشوب و تشویش و تنگی
چنین شد در ایام سلطان عادل | اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

شیراز پہونچکر شاہی تعلقات سے بالکل آزاد رہنا تو ممکن نہ تھا۔ ابوبکر بن سعد زنگی کے درباریون مین داخل ہوے، مدحیہ قصائد لکھے، گلستان اور بوستان اسی کے نام سے معنون کی، غالباً صلے بھی (بلا طلب) ملے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آزاد مزاجی کی وجہ سے دربار کے قابل نہ تھے، اور ابوبکر بن سعد نے اس وجہ سے انکی چندان قدردانی نہین کی، چنانچہ ایک قصیدہ مین ہلکی سی شکایت بھی کی ہے،

بہ دولتت ہمہ افتادگان بلند شدند | چو آفتاب کہ بر آسمان برد شبنم
مگر کمینہ آحاد بندگان سعدی | کہ عیش از ہمہ بیش است جنبش از ہمہ کم

انکیانو جوا باقاآن خان دلپسر ہلاکو خان اکیطرف سے خاندان آتابک کے انقراض کے بعد شیراز کا گورنر مقرر ہوا تھا، اس کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا ہی جسکے دو شعر یہ ہین،

سعدیا چندانکہ میدانی بگو — حق نباید گفتن الا آشکار
ہر کرا خوف و طمع دربار نیست — از خطا باکش نباشد و زتتار

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ وہ ایشیائی دربارون مین کیونکر فروغ پا سکتے تھے غرض ابوبکر بن سعد نے تو انکے رتبہ کے موافق ان کا احترام نہ کیا، لیکن جو امرا خود صاحب علم و فضل تھے وہ شیخ کی پرستش کرتے تھے،

اس زمانہ مین علم و فضل کے اصلی پشت و پناہ شمس الدین صاحب دیوان اور علاء الدین تھے،

خواجہ شمس الدین ہلاکو خان کا وزیر اعظم تھا، اور ہلاکو خان کے زمانہ مین باوجود اختلاف مذہب اور تاتاریون کی سفاکی کے اسلام کا جو نام و نشان رہگیا وہ صرف خواجہ شمس الدین کا صدقہ تھا تاتاریون مین جو اسلام پھیلا وہ بھی خواجہ شمس الدین ہی کی بدولت تھا سب سے پہلے اس سلسلہ مین نکودار (ہلاکو خان کا بیٹا) اسلام لایا اور سلطان احمد کے لقب سے ملقب ہوا، نکودار نے خواجہ شمس الدین ہی کی ہدایت اور ترغیب کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا،

خواجہ شمس الدین کا دوسرا بھائی علاء الدین ہلاکو خان کی طرف سے بغداد کا حاکم تھا

اور نہایت صاحب فضل و کمال تھا، تاتاریون کی سب سے مفصل ور مستند تاریخ جہانکشا اسی کی تصنیف ہے،

یہ دونون بھائی شیخ سعدی کے مرید اور معتقد خاص تھے، شیخ ایک دفعہ جب حج سے واپس آکر تبریز مین آئے جو ہلاکو خان کا پایہ تخت تھا تو خواجہ شمس الدین سے ملنے گئے، اتفاق یہ کہ اُدہر سے اباقاآن خان (پسر ہلاکو خان)، کی سواری آرہی تھی، خواجہ شمس الدین اور علاء الدین بھی ساتھ تھے، شیخ نے اس خیال سے کہ تعارف کا یہ موقع نہین، چاہا کہ نظر بچاکر نکلجائین اتفاق سے دونون بھائیون نے ان کو دیکھ لیا، گھوڑون سے اتر پڑے، اور جاکر شیخ کے ہات پاؤن چومے، اباقاآن خان دیکھ رہا تھا، اس کو سخت حیرت ہوئی کہ برسون سے یہ میرے دربار مین ہین اور نمک خوار ہین تاہم جو تعظیم انھون نے اس بوڑھے کی کی میری بھی کبھی نہین کی، جب دونون بھائی شیخ سے رخصت ہوکر جلوس مین شامل ہوے تو اباقاآن نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ جس کی تمنے اسقدر تعظیم و تکریم کی! انھون نے کہا یہ ہمارا باپ تھا، اباقاآن نے کہا تمھارا باپ تو مرچکا ہی، بولے کہ پدر طریقت ہی، حضور نے سعدی کا نام سُنا ہوگا جنکی نظم و نثر آج تمام عالم مین پھیلی ہوئی ہی وہ یہی بزرگ ہین اباقاآن ملنے کا مشتاق ہوا، دوسرے دن دونون بھائی شیخ کی خدمت مین حاضر ہوے اور بادشاہ کا پیغام کہا، شیخ نے انکار کیا لیکن ان لوگون نے اسقدر اصرار کیا کہ شیخ کو چارناچار جانا پڑا، اباقاآن سے دیر تک صحبت رہی، چلتے چلتے اسنے کہا کہ مجکو کچھ نصیحت فرماتے جائیے، شیخ نے کہا مرنے کے بعد صرف اعمال ساتھ جائینگے، اب تم کو اختیار ہی کہ

اپنے اعمال ساتھ لیجائیگا برے، اباقاآن نے کہا اس مضمون کو نظم کر دیجیے، شیخ نے برجستہ کہا،

شہے کہ حفظ رعیت نگاہ می دارد — حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی است
وگرنہ راعی خلق است زہر مارش باد — کہ ہرچہ میخورد از جزیت مسلمانی است

اباقاآن کے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں راعی ہوں یا نہیں؟ شیخ نے کہا اگر راعی ہو تو پہلا شعر حسب حال ہے ورنہ دوسرا، اباقاآن بار بار پوچھتا تھا کہ میں راعی ہوں یا نہیں؟ لیکن شیخ ہر بار وہی شرطیہ جواب دیتے رہے، چلتے ہوے شیخ نے یہ اشعار پڑھے

بادشہ سایۂ خدا باشد — سایہ با ذات آشنا باشد
نشود نفس عامہ قابل خیر — گر نہ شمشیر بادشا باشد
ملکت اوصلاح بپذیرد — گرہمہ راے او خطا باشد
ہر صلاحے کہ در جہان آید — اثرِ عدلِ بادشا باشد

اباقاآن پر ان اشعار کا نہایت اثر ہوا،

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے چند سوالات لکھکر شیخ کے پاس بھیجے اسکے ساتھ ایک عمامہ اور پانچسو اشرفیاں بھی بھیجیں، لیکن قاصد نے ڈیڑھ سو اشرفیاں خود اڑالیں شیخ نے سوالات کے جواب کے ساتھ اشرفیوں کی رسید بھی لکھی اور عجیب لطیف طریقہ سے نوکر کی خیانت ظاہر کی،

چونکہ تشریفم فرستادی و مال — سالت افزون باد و خصمت پائمال

ہر بہ دینارے ت سالے عمر باد تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

یعنی آپ کو خدا ہر اشرفی کے بدلے ایک برس عمر دے تاکہ آپ ۳۵۰ برس زندہ رہیں خواجہ شمس الدین نے نوکر سی باز پرس کی، خواجہ علاء الدین برادر خواجہ شمس الدین نے جلال الدین ختنی کو جو شیراز مین ایک معزز عہدہ پر مامور تھے خط لکھا کہ دس ہزار اشرفیان شیخ کی خدمت مین پہونچا دینا، سو اتفاق یہ کہ جب نوکر شیراز مین پہونچا تو اس سے کچھ دن پہلے جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا، نوکر نے جلال الدین کے نام کا خط شیخ کو لیجا کر دیا، شیخ نے علاء الدین کو جواب مین یہ قطعہ لکھا،

پیام صاحب دولت علاء دولت و دین کہ دین و دہر بہ ایام او ہمے نازد

رسید پایۂ دولت فزود سعدی را بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد

مثال داد کہ صدر ختن جلال الدین قبول خدمت او را تعہدے سازد

فرمان[۱۲]

ولیک بر سر او خیل مرگ تاختہ بود چنانکہ بر سر ابنائے دہر می تازد

جلال زندہ نخواہد شدن درین دنیا کہ بندگان خداوندگار بنوازد

طمع ندارم از و در سرائے عقبے نیز کہ از مظالم مردم بہ ما بپردازد

یعنی اسکا تو چندان رنج نہین کہ جلال الدین اب زندہ نہین ہو سکتا کہ میری حق رسی کر سکے، رونا یہ ہی کہ قیامت مین بھی اسکو اورون کی دادرسی سے اتنی فرصت کہان ہو گی کہ ہم غریبون کی طرف متوجہ ہو،

خواجہ شمس الدین نے قطعہ پڑھکر حکم دیا کہ فوراً پچاس ہزار اشرفیان شیخ کیخدمت مین

بھیجدی جائین شیخ قبول نہین کرتے تھے لیکن چونکہ خواجہ موصوف نے قسمین دلائی تھین شیخ نے اس رقم سے ایک کاروان سرا تعمیر کرادی۔

خواجہ شمس الدین کو ارغون خان (ہلاکو خان کا پوتا) نے ۶۸۳ھ مین قتل کرادیا، انکے بعد بھی شیراز کے تمام حکام اور امرا شیخ کی اسی طرح عزت اور تعظیم کرتے رہے ملک عادل شمس الدین تازی کے زمانہ مین عمال نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ سرکاری باغون کے پھل نہایت گران قیمت پر زبردستی دوکاندارون کی ہات بیچتے تھے اور بیچارون کو خواہ مخواہ مول لینا پڑتا تھا، شیخ کے بھائی بقالی کا پیشہ کرتے تھے، ان کی دوکان اتابک کے محل کے سامنے تھی، انپر بھی چند بار یہ آفت آئی آخر مجبور ہوکر بھائی کے پاس آئے شیخ نے یہ قطعہ لکھکر ملک عادل کے پاس بھیجا،

زاحوال برادرم بہ تحقیق | دانم کہ ترا خبر نہ باشد
خرمای بہ طرح مے دہندش | بخت بد از ین تبر نہ باشد
اطفال پراندو مرد درویش | خرما بخورند و زر نہ باشد
آنکہ تو محصلے فرستے (بھیجتے ہین ۱۲) | شخصے کہ از و تبر نہ باشد
چندان بزنندش اے خداوند | کز خانہ رہش بدر نہ باشد
اے صاحب من بغور او رس | لطفے بہ از ین دگر نہ باشد

ملک شمس الدین نے قطعہ پڑھنے کے ساتھ منادی کرادی کہ جن لوگون سے ایسا معاملہ

۱۔ یہ تمام حالات احمد بن بیستون نے کلیات شیخ کے دیباچہ مین لکھے ہین،

کیا گیا ہی، سب دربار مین حاضر ہون، چنانچہ سب کی دادرسی کی، پھر شیخ کی خدمت مین آیا اور نہایت معذرت کی، ساتھ ہی ہزار اشرفیون کی تھیلی پیش کی کہ آپکے بھائی کے نقصان کا تاوان[1] ہی،

شیخ نے آخر زندگی مین شہر سے باہر ایک زاویہ بنوالیا تھا، رات دن وہین رہتے تھے اور عبادت کرتے تھے، سلاطین اور امرا، اسی آستانہ پر حاضر ہوتے اور مراتب اخلاص بجالاتے، کھانے کا یہ انتظام تھا کہ امرا خود کھانے لیجاتے یا بھجوادیتے شیخ جسقدر کھاسکتے کھالیتے باقی ایک زنبیل مین رکھکر دیوار سے لٹکادیتے کہ ع برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

شیخ جب شیراز مین واپس آئے تو ابوبکر بن سعد کی حکومت کا زمانہ تھا اسکے بعد اس کا پوتا محمد بن سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ وہ نہایت صغیر سن تھا حکومت کے سب کام اس کی مان انجام دیتی تھی، دو برس ۷ مہینے کے بعد وہ مرگیا اسکے بعد محمد شاہ بن سلغر بن اتابک سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ سفاک اور خونریز تھا اسلیے آٹھ مہینے کے بعد ارکان دولت نے اسکو گرفتار کرکے ہلاکو خان کے پاس بھیجدیا پھر اسکے بھائی نے برائے نام حکومت کی اور سنہ ۶۶۳ھ مین قتل کردیا گیا اب اس خاندان مین کوئی مرد باقی نہین رہا تھا، آبش خاتون دختر اتابک سعد مسند حکومت پر بیٹھی اسنے ہلاکو خان کے بیٹے منکو تیمور سے شادی کرلی سنہ ۶۸۶ھ مین وہ بھی مرگئی اور اب شیراز و فارس براہ راست تاتاریون کی زیر حکومت آگیا،

[1] دیباچہ کلیات،

یا ارغون خان بن اباقا آن خان بن ہلاکو خان کا زمانہ ہی شیخ نے اسکی عہد حکومت
مین ۶۹۱ھ مین وفات پائی، تاریخ وفات "خاص" کے لفظ سے نکلتی ہے، کسی نے اسکو
موزون کر دیا ہے، ع زخاصان بود زان تاریخ شد خاص،

شیخ کا مزار مقام دلکشا سے کچھ فاصلہ پر پہاڑ کی تہی مین ہے، اور اب
سعدیہ کے نام سے مشہور ہی، ہفتہ مین ایک دن مقرر ہے، لوگ زیارت کو جاتے ہین،
دن بھر وہین رہتے ہین، چائین پیتے ہین، لطف اٹھاتے ہین اور شام کو چلے آتے ہین،

عام حالات اور اخلاق وعادات

شیخ نے گو اپنی سوانح نہین لکھی لیکن گلستان اور بوستان مین
جستہ جستہ ضمنی موقعون پر اسقدر حالات لکھدیے ہین کہ اُن کی
اخلاق اور عادات کی پوری تصویر آنکھون مین پھر جاتی ہے،

شیخ کا شمار صوفیہ کبار مین ہی اور بے شبہ وہ پاکیزہ باطن اور صاحب حال تھے
لیکن اُن کی مخصوص حالت یہ ہی کہ وہ اس رتبہ پر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد پہونچے تھے
اُن کی اصلی سرشت یہ تھی، بچپن سے شباب بلکہ ادھیڑپن کے زمانہ تک اُنمین وہ اوصاف
نظر آتے ہین جو مولویون کا خاصہ ہین یعنی خود بینی، حرفگیری، مشاجرت ومخاصمت،
باپ کی صحبت کے اثر سے بچپن مین عبادت کا ذوق شوق پیدا ہو گیا ہی، شب بیداری
اور درود وظائف مین مصروف ہین لیکن ساتھ ہی اورون پر حرفگیری بھی کرتے جاتے
ہین کہ دیکھیے کسی کو نماز پڑھنے کی توفیق نہین ہوتی،

نظامیہ مین حدیث پڑھتے ہین، کسی نے انکے خلاف کچھ کہدیا ہی، امیر آپے سے باہر

ہوجاتے ہین اور کہتے ہین

چومن داد مستی وہم درحدیث　　　بر آید ہمہ اندر دلِ خبیث

ایک درویش سے دولتمندی اور درویشی کے متعلق بحث کرتے کرتے دست

وگریبان ہوجاتے ہین اور دھول دھپے تک نوبت پہونچا دیتے ہین،

دشنامم داد سقطش گفتم گریبانم درید زنخدانش شکستم،

حج کا سفر ہے، ذوق وشوق مین احرام باندھے پاپیادہ جارہے ہین اس حالت

مین بھی زبان سے ناسزا کلمات نکل رہے ہین، چنانچہ خود فرماتے ہین،

در سر دردی ہمدیگر فتادیم وداد فسق وجدال دادیم،

حسن پسندی، امردپرستی تک پہونچ گئی ہی، اور ایسے کھیل کھیلتے ہین کہ اسکا ذکر

تک نہین کیا جاسکتا،

بےشبہہ یہ باتین اُنکے عارض کمال کے داغ ہین لیکن ایک فارمر اور مصلح کیلیے

ان تمام مراحل سے گزرنا ضرور تھا،

مولٰنا روم سے کسی نے ایک بزرگ کی نسبت کہا کہ "شاہد باز بود اما پاکباز بود"

مولٰنا نے کہا، "کاوش کردی وگزاشتی"،

شیخ نے چونکہ بیماریان اُٹھاکر صحت پائی تھی، اسلیے وہ امراض اخلاقی کی حقیقت

ماہیت، علامات اور طریق علاج سے جسقدر واقف ہوسکے دوسرا نہین ہوسکتا تھا،

اخلاقی بیماریون مین اکثرون کو دھوکا ہوتا ہی اور مرض کو مرض نہین سمجھتے، مثلاً ایک فقیہہ

فطری بدنفسی کی وجہ سے اپنے مخالف کو بُرا کہتا ہی اور اسکو ضرر پہونچاتا ہی لیکن اسکا نفس اسکو یہ دہوکا دیتا ہی کہ چونکہ یہ شخص فلان مسئلہ کا قائل ہی بدعتی اور کافر ہے اسلیے اسکو بُرا کہنا اور اسکی تکفیر کرنا غیرت مذہب کا اقتضا ہی، یا مثلاً ایک صوفی صاحب امرد پرستی کرتے ہین اور سمجھتے ہین کہ یہ مجاز حقیقت کا زینہ ہے، شیخ ان غلطیون مین نہین پڑسکتا، چنانچہ امرد پرستی کی نسبت، نظر باز صوفیون کی اس طرح پردہ دری کرتا ہی،

گردِ ہے نشینند باخوش پسر | کہ ما پاکبازیم و اہل نظر
زمن پرس فرسودۂ روزگار | کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار
چرا طفل یکروزہ ہوشت نبرد | کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خورد

شیخ کے مزاج مین ظرافت حد سے زیادہ تھی، ایک دفعہ ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے، ایک یہودی پڑوس مین رہتا تھا اس نے کہا ضرور خریدیے مین اس مکان کی حالت سے خوب واقف ہون، اس مین کوئی عیب نہین، شیخ نے کہا بجز اس کے کہ آپ اسکے ہمسایہ ہین،

خواجہ ہمام ایک مشہور شاعر تھے اور محقق طوسی کے شاگرد تھے، شیخ سے اور ان سے تبریز مین ایک حمام مین ملاقات ہوئی، شیخ نے دانستہ ہمام سے چھیڑ چھاڑ شروع کی، ہمام ان سے واقف نہ تھے نام اور نشان پوچھا، شیخ نے کہا شیراز مین رہتا ہون، ہمام نے کہا عجیب بات ہے ہمارے شہر مین شیرازی کتون سے بھی زیادہ ہین، شیخ نے کہا ہان، لیکن شیراز مین تو تبریزی کتے سے بھی کم رتبہ ہین،

اتفاق یہ کہ ایک خوشرو جوان ہمام کو پنکھا جھل رہا تھا، شیخ اس سے لطف نظر اٹھانا چاہتا تھا، لیکن ہمام بیچ مین حائل تھے، ہمام نے سلسلہ سخن مین کہا کہ شیراز مین ہمام کے شعر کا بھی چرچا ہے؟ شیخ نے کہا ہان یہ شعر اکثر زبانون پر ہے،

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام ۔۔۔ وقت آن است کہ این پردہ بیکسو فگنم

ہمام کو گمان ہوا کہ یہ سعدی ہین قسم دلا کر پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے شیخ نے مجبوراً بتایا ہمام نے اٹھکر شیخ کے پاؤن پر سر رکھدیا، گھر لے گئے اور بڑی گرمجوشی سے مہمانیان کین[1]

مجد الدین ہمگر شیخ کے معاصر اور اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے جس سے شیخ کو تعلق تھا، آج تو کوئی ان کا نام بھی نہین جانتا لیکن اس زمانہ مین فارس کے ملک الشعرائی کا منصب جو شیخ کا حق تھا قسمت نے ان کو عنایت کیا تھا،

سعد بن ابو بکر سعد زنگی ان کی تعظیم اور تکریم شیخ سے زیادہ کرتا تھا، اسی زمانہ مین امامی ایک شاعر تھا، زمانہ کی بے بصری نے ان کو بھی شیخ کا حریف بنادیا تھا، نوبت یہان تک پہونچی کہ خواجہ شمس الدین محمد اور ملک معین الدین پروانہ اور نور الدین اور افتخار الدین نے یہ قطعہ لکھکر مجد الدین ہمگر کے پاس بھیجا،

زشمع فارس، مجد ملت و دین ۔۔۔ سواے می کند پروانہ روم

زشاگردان تو ہستند حاضر ۔۔۔ رہی وافتخار و نور مظلوم

تو از اشعار سعدی و امامی، ۔۔۔ کدامی بہ پسندی اندرین بوم

---

[1] دولت شاہ ذکر سعدی،

مجد الدین نے جواب مین لکھا،

ماگرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم
بر شکر گفتہ ہای سعدی مگسیم

در شیوۂ شاعری بہ اجماع امم
ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

شیخ کو بھی اس بے امتیازی کا رنج ہوا، چنانچہ یہ رباعی لکھی،

ہر کس کہ بہ بارگاہ سامی نرسد
از بخت سیاہ و بد کلامی نرسد

ہمگر کہ بہ عمر خود نکردہ است نماز
شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد[۱]

شیخ کے سیر و سفر کے ذکر مین جو واقعات ہم اوپر لکھ آئے ہین اُنکو اس موقع پر دوبارہ پڑھنا چاہیے، جن سے شیخ کے اخلاق و عادات کی تصویر پوری نظر مین آجائیگی،

شیخ کی تصانیف کلیاتِ شیخ[۲] کا قدیم ترین قلمی نسخہ کتب خانہ دیوان ہند India office مین موجود ہی، جسکا نمبر ۱۱۷ ہی، تاریخ استنساخ اول رجب ۷۲۸ھ یعنی شیخ کی وفات کے بعد قریب ۳۶ سال ہی، کاتب کا نام ابو بکر بن علی بن محمد ہے جس نے شیخ کے اصلی نسخہ سے نقل لی ہی، چنانچہ وہ لکھتا ہے "منقول من خط الشیخ العارف السعدی" اس نسخہ سے شیخ کا نام شرف الدین بن مصلح الدین پایا جاتا ہی اور اس مین حسب ذیل کتابین ہین (۱) عربی قصیدہ قافیہ میم (۲) دوسرا رسالہ (۳) بوستان جسکا نام یہان سعدی نامہ لکھا ہوا ہے (۴) گلستان (۵) طیبات (۶) بدائع (۷) خواتیم (۸)

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ تذکرہ امامی مروی،

[۲] یہ تمام مضمون شیخ عبد القادر صاحب ایم اے پروفیسر دکن کالج پونا نے ترجمہ کرکے ہم کو عنایت کیا ہے،

قصائد فارسیہ (۹) مراثی (۱۰) لمعات (۱۱) مثلثات (تین زبانون مین عربی، فارسی، اور ترکی)

(۱۲) قصائد عربیہ (۱۳) ترجیعات (۱۴) مقطعات (۱۵) مجلس ہزل، ہزلیات،

(۱۶) مطائبات (۱۷) رباعیات (۱۸) مفردات،

جو کتابین کہ اس نسخہ مین داخل نہین وہ یہ ہین رسائل ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، غزلیات قدیم،

صاحبیہ، مضحکات،

اہل یورپ نے شیخ کے کلام کے جو چھپے شائع اور ترجمے کیے اسکا مختصر حال یہ ہے

(ماخوذ از فہرست کتب قلمی فارسی موجودہ دیوان ہند مرتبہ ڈاکٹر ایتھ Dr. Ethe)

رسالہ دوم، پانچ مجلسون مین سے تیسری اور چوتھی مجلسین ایم گوڈیمان M. Gurdeman

صاحب نے معہ ترجمہ اور شرح کے شائع کین، بمقام بریسلا Bresla ۱۸۹۸ء

بوستان، نہایت نفیس اڈیشن معہ شرح فارسی کے، ایچ گراف صاحب K. H. Graff

کے اہتمام سے چھپا ہی بمقام وینیا Vienna ۱۸۵۰ء

متن مع نوٹس مرتبہ اے راجرس A. Rodgers بمقام لندن ۱۸۹۱ء

تراجم، درزبان جرمن کے ایچ گراف K. H. Graff صاحب کا ترجمہ، جینا

" Jena ۱۸۵۰ء

" درزبان جرمن شیلختا ویسر ڈ schleeha wesschrd وینا Vienna. ۱۸۵۲ء

" روکرٹ Ruckert صاحب کا ترجمہ لیپزیگ Liepzig ۱۸۸۲ء

" فرنچ، باربیر ڈی مینارڈ Barbier de meynard گایارس ۱۸۸۰ء

تراجم، انگریزی، اتچ۔ ولبرفورس کلارک H. Wilberforce Clark. صاحب

کا ترجمہ، بمقام لندن ۱۸۷۹ء

" " جی۔ ایس۔ ڈیوی C. S. Davie صاحب کا ترجمہ،

بمقام لندن ۱۸۸۲ء

منتخبات مترجمہ رابنس Robinson لندن ۱۸۸۳ء

ایک ترکی مین بمقام قسطنطنیہ ۱۲۸۸ھ مین شائع ہوا ہے،

گلستان، اڈیشنس، گلیاڈون Gladwin صاحب کی متن مع انگریزی

کلکتہ ۱۸۰۶ء

" " ای۔ بی۔ ایسٹورک E. B. Eastwick صاحب کی مع فرہنگ

بمقام ہرٹ فرڈ Hertford ۱۸۵۰ء

" " جانسن Johnson کی مع فرہنگ، ہرٹ فرڈ ۱۸۶۳ء

" " جے۔ ٹی۔ پلاٹس J. T. Platts لندن ۱۸۷۴ء

تراجم، در فرنچ۔ اے۔ ڈیو رائر A. Du Ryer کا ترجمہ ۱۶۳۴ء

ڈالیگر Dalegre کا " ۱۷۰۴ء

گاندان Gaundin کا " ۱۷۸۹ء

سیملٹ Semelet کا " ۱۸۵۸ء پارس

لاطینی جنٹش Gentius کا " ۱۶۵۱ء اڈیشن دوم ۱۶۵۵ء

تراجم، درجرمن، ادم اولیاری اس (Adam olearius) کا بمقام

شلیسوگ Schleswing ۱۶۵۴ء

بی۔ڈارن (B. Dorn) صاحب کا، ہامبرگ

۱۸۲۲ء

وولف Wolff کا، سٹگارٹ Stuthgart ۱۸۴۱ء

کے، ایچ، گراف K. H. Graff کا، لیپزگ ۱۸۴۶ء

در انگریزی، گلیاڈون صاحب Gladwin کا، کلکتہ ۱۸۰۶ء

لندن ۱۸۳۳ء

ڈیومولن Dumoulin کا ۱۸۰۶ء

جیمس راس James Ross کا، لندن ۱۸۲۳ء

نئی ایڈیشن ۱۸۹۰ء

ای، بی، ایسٹوک E. B. Eastwick ہرت فرڈ ۱۸۵۲ء

نئے ایڈیشن، لندن ۱۸۸۰ء

جی، ٹی، پلاٹس J. T. Platts کا، لندن ۱۸۷۳ء

در روسی، اس، نسرنیز S. Nusariang کا، ماسکو ۱۸۵۷ء

در پولش، آٹونوسکی Otwinowski کا، وارسا ۱۸۷۹ء

در ترکی، قسطنطنیہ مین ۱۲۸۸ء ۱۸۷۶ء مین شائع ہوا اور مع شرح سودی کے

تراجم ۱۲۸۶ھ اور ۱۲۹۳ھ میں،

عربی مین بمقام بولاق ۱۲۶۳ھ ہندوستانی مین میر شیر علی افسوس کا کلکتہ ۱۸۵۲ء

جو زیر نگرانی جان گلگرسٹ John Gilchrist صاحب کے شائع کیا گیا

طیبات، کی چودہ غزلین گراف K. H. Graff صاحب نے ترجمہ کر کے جرمن مین شائع کین

بدائع، دس " " " " " " "

خواتیم سات " " " " " " "

قصائد فارسیہ کی انیس قصائد " " " " " "

مراثی، چند مراثی " " " " " "

رباعیات، چند رباعیات " " " " " "

مفردات، کو لاٹوش Latouche صاحب نے اڈیٹ اور شائع کیا ہی،

صاحبیہ، کو باخر Bacher صاحب نے مع ترجمہ شائع کیا ہے، اسٹراسبرگ

Strassburg ۱۸۷۹ء

شیخ کی شاعری	شریعت شعر کے تین پیغمبر ہین ان مین ایک شیخ بھی ہین،

در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

ہر پیغمبر جداگانہ شریعت کا پیغمبر ہے، شیخ کی پیغمبری کا صحیفہ غزل ہی، خواجہ حافظ نے غزل کو معجزہ بنا دیا تاہم کہتے ہین،

ع استاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما،

حضرت امیر خسرو غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ غزل مین سعدی کا پیرو ہون، مثنوی نہ سپہر مین لکھتے ہین،

تا بجائے کہ حد پارسیان | اندرین عہد دو تن گشت عیان
زان یکے سعدی ستانیش ہمام | ہر دو را در غزل آئین تمام

لیکن اور اصناف سخن مین شیخ کی شاعری اس درجہ پر تسلیم نہین کی گئی امیر خسرو شیخ کی غزل گوئی کی تعریف کر کے لکھتے ہین،

لیک اگر سوی دگر یازی دست | شعر شان ہست بدان گونہ کہ ہست

خود شیخ کے زمانہ مین بھی اکثر لوگون کا یہی خیال تھا، اور اسکا چرچا شیخ تک بھی پہونچا، چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ شیخ اخلاق اور وعظ کے مضامین اچھے لکھ سکتے ہین لیکن رزم کے مرد میدان نہین،

کہ فکرش بلیغ است و رایش بلند | درین شیوہ زہد و طامات و پند
نہ در خشت و گوپال و گرز گران | کہ این کار ختم است بر دیگران

شیخ کو یہ رای ناگوار گزری، ایک رزمیہ داستان لکھکر بوستان مین شامل کی، جس مین بہت کچھ زور طبع دکھایا، نظامی کے خاص خاص مشہور مضامین اور اشعار کا جواب بھی لکھا اور اُن سے بڑھا دینا چاہا مثلاً نظامی کا شعر تھا،

کمند اژدہاے مسلسل شکنج | دہن باز کردہ بہ تاراج گنج

شیخ اس تشبیہ کو زیادہ صاف اور صورت نما کرتے ہین،

بہ صید ہژبران پرخاش ساز　　کمند اژدہاے دہن کردہ باز

لیکن انصاف یہ ہو کہ شیخ سے یہ کمان زہ نہین ہو سکی، دو چار قدم تن کر اور اکڑ کر چلتے ہین، لیکن پھر طبعی بڑھاپے کے ضعف سے دفعۃً جھک جاتے ہین، رزم کا آغاز کس زور و شور سے کیا ہی

ع برانگیختم گرد ہیجا چو دود،

لیکن دوسرے ہی قدم مین لڑکھڑا کر گرتے ہین،

ع چو دولت نہ باشد تہور چہ سود،

با اینہمہ چونکہ شیخ کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے، ہم اس رزمیہ کی چند اشعار نقل کرتے ہین،

ہماندم کہ دیدیم گرد سپاہ　　زرہ جامہ کردیم و مغفر کلاہ
چو ابر اسپ تازی بر انگیختم　　چو باران پلالک فرو ریختم
دو لشکر بہم بر زدند از کمین　　تو گفتی زدند آسمان بر زمین
ز باریدن تیر ہمچون تگرگ　　ز ہر گوشہ برخاست طوفان مرگ
بہ صید ہژبران پرخاش ساز　　کمند اژدہاے دہن کردہ باز
زمین آسمان شد ز گرد کبود　　چو انجم درو برق شمشیر و خود

غرض نظم نگار دعوی اسلم ہے کہ وہ رزم مین فردوسی اور نظامی کے دوش بدوش

چل سکتے ہین، نہ امیر خسرو وغیرہ کی یہ رائے صحیح ہی کہ وہ غزل کے سوا اور کچھ نہین لکھ سکتے قصائد اور مثنوی مین اُن کی بلند پایگی سے کون انکار کر سکتا ہے،

ایران مین شاعری کو تین سو برس گذر چکے تھے لیکن شاعری ابتک اصلی جادہ پر نہین آئی تھی، شاعری کی اصلی حقیقت یہ ہی کہ شاعر کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوا اور وہ اس جذبہ کو اُسی جوش وخروش سے ادا کرے جس جوش سے وہ پیدا ہوا تھا، فردوسی نظامی، فرخی، انوری کی کمال شاعری مین کسکو کلام ہے لیکن ان مین سے اپنے دل کے جذبات کسنے لکھے؟ فردوسی قدرتی شاعر ہے، اسلیے وہ غیر دل کے جذبات بھی اُسی طرح ادا کرتا ہے کہ گویا خود اسکے دل سے اُٹھے ہین، عرب کی تحقیر اور طعن کے وقت وہ خود یزدگرد بنجاتا ہے، سہراب کی مان کا نوحہ اس درد سے لکھا ہی کہ گویا اُسکو سہراب کی مان کی زبان ہات آگئی ہی، لیکن فرض کرو یہ واقعات خود فردوسی پر پیش آتے تو کیا ان شعلون کی شررفشانی اور نہ بڑھجاتی، مدحیہ قصائد تو بالکل ہی تصنع اور آورد تھی غزل بھی اسوقت تک گویا قصیدہ ہی کی ایک دوسری صورت تھی، محبت عشق کے جذبات اس مین ادا نہین کیے جاتے تھے، بلکہ جس طرح مدحیہ قصائد مین ممدوح کی شجاعت وقدرت، جود وسخا، تلوار اور گھوڑے کی مدح کرتے تھے، غزل مین معشوق کے حسن اور اعضا کے اوصاف بیان کرتے تھے،

شیخ پہلا شخص ہے جس نے شاعری کا صحیح استعمال کیا، تفصیل اس کی حسب ذیل ہے،

سب سے بڑی چیز جو شیخ کی خصوصیات شاعری مین ہے آزادی ہے، عرب کی شاعری
کی اصلی روح یہی تھی، جو عجم مین آکر گم ہو گئی تھی، عرب کے شعرا سلاطین اور امرار کے متعلق
ہر قسم کے خیالات نہایت آزادی سے ادا کرتے تھے متنبی سیف الدولہ کی مدح لکھکر
لے جاتا ہے اور ساتھ ہی نہایت گستاخی اور بیباکی سے اسکو صلواتین سُناتا جاتا ہے
فردوسی نے بھی محمود کی جان خراش ہجو لکھی، لیکن رو در رو نہین بلکہ چوری سے اور
پھر تمام عمر بھاگتا پھرا، شیخ کو کئی دربارون سے تعلق رہا، ابو بکر سعد زنگی اسکا خاص ممدوح
اور آقا تھا انکیانو جو خاندان اتابک کے خاتمہ کے بعد ہلاکو خان کے جانشین کی طرف سے
شیراز کا گورنر تھا اُس سے بھی شیخ کو تعلق رکھنا پڑتا تھا ان سب کے مقابلہ مین اُس نے
اپنی آزادی قائم رکھی، ابو بکر بن سعد نے ہلاکو خان کی اطاعت قبول کر لی تھی یہانتک
کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر چڑہائی کی تو ابو بکر نے اپنے بیٹے سعد کو فوج دیکر اعانت کے
لیے بھیجا اور جب بغداد تاراج ہوا تو ابو بکر نے مبارکباد کے لیے سفارت بھیجی، با اینہمہ
شیخ نے بغداد کی تباہی اور خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کا مرثیہ لکھا اور اس قدر پر اثر
لکھا کہ لوگون کے دل ہل گئے، یہ مرثیہ درحقیقت ابو بکر بن سعد زنگی کی ہجو تھی کہ اسنے اسلام
کی تباہی اور بربادی مین ہلاکو خان کا ساتھ دیا، شیخ نے اس مرثیہ مین ابو بکر کا بھی ذکر کیا اور
ہجو ملیح کے طور پر مدح کے پیرایہ مین چوٹ کی،

خسرو صاحبقران غوث زمان بوبکر سعد — آنکہ اخلاقش پسندیدہ ست واوصافش گزین

مصلحت بود اختیار ای روشن بین او — زیر دستان را سخن گفتن نشاید جز چنین

یعنی ابوبکر نے جو ہلاکو کو مدد دی تو اس مین کچھ مصلحت ہو گی۔

انکیانو کی مدح مین شیخ کے متعدد قصیدے ہین، لیکن ہر قصیدہ مین نہایت دلیری سے اُسکو نصیحت کی ہے اور صاف کہدیا کہ جسکو دربار کی طمع نہین وہ دنیا مین کسی سے نہین ڈرسکتا۔

سعدیا چندانکہ میدانی بگو ... حق نباید گفتن الا آشکار

ہر کہ را خوف وطمع در کار نیست ... از خطا باکش نباشد وز تتار

خسرو عادل امیر نامور ... انکیانو خسرو عالی تبار

ایک اور قصیدہ مین لکھتے ہین،

حرامش باد ملک پادشاہی ... کہ پیشش مدح گویند از قفا ذم

جہان سالار عادل انکیانو ... سپہدار عراق و ترک و دیلم

چنین پند از پدر نشنیدہ باشی ... الا گر ہوشیاری بشنو از عم

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ ... سخن ملکے است سعدی را مسلم

بوستان مین لکھتے ہین،

دلیر آمدی سعدیا در سخن ... چو تیغت بدست است فتحے بکن

بگو انچہ دانی کہ حق گفتہ بہ ... نہ رشوت ستانی و نہ رشوہ دہ

طمع بند و دفتر ز حکمت بشوے ... طمع بگسل و ہر چہ خواہی بگوے

اس زمانہ مین شاعری کا بڑا حصہ مدح تھی اور شعرا اسی کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے

شاعری کی بڑی اصلاح یہ تھی کہ شاعری کے چہرہ سے یہ داغ مٹا دیا جاے **شیخ** نے یہ فرض نہایت نفس کشی کے ساتھ ادا کیا، وہ تنگ حال اور مفلس تھا، لوگ اسکو ترغیب دیتے تھے کہ مدحیہ قصائد لکھو تو اچھی طرح بسر ہوگی، وہ جواب دیتا تھا کہ آزاد گردن کسی کے آگے جھک نہین سکتی،

گویند سعدیا بچہ بطال ماندہ	سختی مبر کہ وجہ کفافت معین است
یکچند اگر مدیح کنی کامران شوی	صاحب ہنر کہ مال ندارد تغابن است
بی زر میسرت نشود کام دوستان	چون کام دوستان ندہی کام دشمن است
آرے مثل بہ کرگس مُردار خور دہند	سیمرغ را کہ قاف قناعت نشیمن است
از من نیاید این کہ بدہقان و کدخدا	حاجت برم کہ فعل گدایان خرمن است

عرب مین مدح کے یہ معنی تھے کہ شاعر جس شخص کا ممنون ہوتا تھا یا جو شخص قوم مین قابل مدح کام کرتا تھا، شاعر اُسکا اظہار کرتا تھا، لیکن صلہ اور انعام سے اُسکو کچھ واسطہ نہوتا تھا زہیر بن ابی سلمے جب ہرم بن سنان کے دربار مین گیا اور ہرم کو سلام کیا تو ہرم نے حکم دیا کہ زہیر جب دربار مین آئے اور سلام کرے تو اسکو صلہ دیا جائے اسکے بعد سے زہیر کا معمول ہو گیا کہ جب دربار مین جاتا تو کہتا کہ تمام مجمع کو سلام کرتا ہون لیکن ہرم کو نہین، عرب مین سب سے پہلے جس شاعر نے قصیدہ پر صلہ لیا وہ نابغۂ ذبیانی تھا، عرب نے اسکو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا،

شیخ نے مدحیہ قصائد کو عرب کے قدیم انداز پر لانا چاہا اسنے سلاطین و امرا کی

مدح مین بہت سے قصیدے لکھے ہین لیکن اُنکے صحیح اوصاف بیان کرتا ہے اور مبالغہ آمیز خیالات جو مدحیہ قصائد کے عنصر مین داخل ہو گئے تھے اُن کو لغو بتاتا ہے، مثلاً قصیدہ کے خاتمہ مین ممدوح کو یون دعا دیتے تھے کہ لاکھون کروڑون برس زندہ رہے، یہان تک کہ مرزا غالب نے قصہ ہی فیصل کر دیا، ع تا خدا باشد بہادر شاہ باد

شیخ ہزار برس کی دعا دینے پر بھی راضی نہین۔

ہزار سال نگویم بقاے عمر تو باد — کہ این مبالغہ دانم ز عقل نشماری

ہمین سعادت توفیق بر مزیدت باد — کہ حق گزاری و ناحق کسے نیازاری

نہ کاہد انچہ نوشتہ است عمر و نفزاید — پس اینچہ فائدہ گفتن کہ تا بہ حشر بپاے

ممدوح کو عموماً ابر گہر فشان اور دریای بیکران کہا کرتے تھے، شیخ کہتا ہے،

نہ گویمت چو زبان آوران رنگ آمیز — کہ ابر مشک فشانی و بحر گوہر زاے

ایک اور قصیدہ مین لکھتے ہین،

من این غلط نہ پسندم ز رای روشن خویش — کہ دست و طبع تو گویم بہ بحر و کان ماند

یہ انوری کے اس شعر پر تعریض ہے،

گر دل بحر و دست کان باشد — دل و دست خدایگان باشد

مجد الدین رومی کی مدح مین کہتے ہین،

نگویمت بہ تکلف فلان دولت و دین — سپہر مجد و معالے جہان دانش و داد

خواجہ شمس الدین محمد اور علاء الدین کا تمام دنیاے اسلام پر احسان تھا تاتاریونکے

آشوب ناک زمانہ مین اسلام کی جوکچھ حالت قائم رہگئی وہ انہی بھائیونکی بدولت تھی اس لیے شیخ ان دونون بھائیونکی مدح نہایت اخلاص سے کرتا ہے، لیکن بالکل اسی طرح جس طرح آج کسی گورنر یا حاکم صوبہ کو سپاسنامہ پیش کیا جاتا ہے، مثلاً خواجہ علاء الدین کی مدح مین کہتا ہے،

خدای خواست کہ اسلام در حمایت و | زشیر حادثہ در بارۂ امان ماند
وگرنہ فتنہ چنان کردہ بود دندان تیز | کزین دیار نہ مرغ ونہ آشیان ماند
تو آن جواد زمانی کز ازدحام زمان | درت بہ مشرب شیرین کاروان ماند

(۲) شیخ کی شاعری عموماً **جذبات** سے لبریز ہے، وہ شاعری کی کسی صنف کو رسم اور تقلید کی حیثیت سے نہین برتتا، وہ جانتا ہے کہ شاعری کا اصلی عنصر جذبات ہین اسلیے وہ اُسی وقت شعر کہتا ہے، جب اسکے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے، غزل اسوقت تک محض معشوق کی مداحی تھی شیخ نے اس مین عشق کے اصلی جذبات ادا کیے، جن لوگون کا اس نے مرثیہ لکھا وہ لوگ تھے جنکے مرنے سے اسکو سخت صدمہ پہونچا تھا، اخلاقی مضامین بھی وہ اسی وقت ادا کرتا ہے جب کسی موثر واقعہ کے پیش آجانے سے خود اسکے دلپر سخت اثر پڑتا ہے مثلاً

تنم مے بلرزد چو یاد آورم | مناجات شوریدۂ در حرم
یکم روز بر بندۂ دل بسوخت | کہ می گفت وفرماندہش می فروخت
مرا رقتے در دل آمد برین | کہ پاک است وخرم بہشت برین
دران جاے پاکان اُمیدوار | بگل آلودۂ معصیت راچہ کار

جذبات

امرا مین سے اُسکو سبسے زیادہ محمد بن ابی بکر بن سعد زنگی سی محبت تھی، وہ نہایت ہنر در اور شوکت و شان کا شہزادہ تھا، وہ سفر مین تھا کہ باپ کی مرض الموت کی خبر سُنی اضطراب اور سراسیمگی کی حالت مین شیراز کو روانہ ہوا، لیکن راہ مین قضا کر گیا، چونکہ وہ ولیعہد تھا سب لوگ منتظر تھے کہ وہ آکر تخت و تاج کا مالک ہوگا، اس بنا پر اسکے مرنے کا عام ماتم ہوا شیخ کو بھی سخت صدمہ ہوا، اسی حالت مین مرثیہ لکھا جس کے ہر شعر سے خون جگر کی بو آتی ہے،

بزرگان چشم و دل در انتظارند — عزیزان وقت و ساعت می شمارند

غلامان دُرّ و گوہر می فشانند — کنیزان دست و ساعد مے نگارند

ملک خان و سیاق و بدر و ترخان — برہواران تازی برسوارند

کہ شاہنشاہ عادل سعد بوبکر — بہ ایوانِ شہنشاہی در آرند

حرم شادی کنان بر طاق و ایوان بیبیان — کہ مروارید بر تاجش ببارند

امید تاج و تخت خسروی بود — ازین غافل کہ تابوتش در آرند

چہ شد پاکیزہ رویان حرم را — کہ بر سر کاہ و بر زیور غبارند

نمی دانم حدیث نامہ چون است — ہمی دانم کہ عنوانش بخون است

مرثیہ کی اصلاح

(۳) اسوقت تک مرثیہ کا عام انداز یہ تھا کہ اشخاص کا مرثیہ لکھتے تھے قومی یا ملکی مرثیہ کا مطلق رواج نہ تھا، شیخ پہلا شخص ہے جس نے قوم اور ملک کا مرثیہ لکھا۔ عباسیون کی سلطنت گو اب برائے نام رہگئی تھی پھر بھی پانچسو برس کی اسلامی یادگار تھی اور بغداد تمام

اسلامی دنیا کا مرکز تھا، اسلیے اُسکا مٹنا قوم کا مٹنا تھا، شیخ نے اس بنا پر خلیفہ اور بغداد اور سلطنت کا مرثیہ لکھا اور جس دل سے لکھا اس کا اندازہ ان اشعار سے خود کر سکتے ہو،

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین | بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین[1]

اے محمد اگر قیامت سر برون آری زخاک | سر برون آر و قیامت در میان خلق بین

نازنینان حرم را موج خونِ بیدریغ | زاستان بگذشت و ما را خون دل از آستین

دیدہ بر دار اے کہ دیدی شوکت بیت الحرام | قیصران روم سر برخاک و خاقان بر زمین

خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ | ہم بر آن جاے کہ سلطانان نہادندی جبین

باش تا فردا ببینی روز داد و رُستخیز | کز لحد با زخم خون آلودہ برخیزد دفین

ان اجمالی اور سرسری خصوصیات کے بعد ہم ان انواع شاعری سے مفصل بحث کرتے ہین جنکو شیخ نے ترقی دی یا اُسکا رنگ بدل دیا،

اخلاقی شاعری

(۴) **اخلاقی شاعری** شیخ سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، حکیم سنائی خیام، اوحدی، عطار، نے اس زمین کو آسمان تک پہونچا دیا تھا تاہم شیخ نے اس آسمان کو اور بلند کر دیا، اخلاقی شاعری پر دو حیثیتون سے نظر ڈالی جا سکتی ہے،

(۱) کس قسم کے اخلاق کی تعلیم کی، اور ان مین کس حد تک فلسفیت اور نکتہ سنجی پائی جاتی ہے،

---

[1] دیکھو مستعصم کے مرنے کا رنج نہین کرتا بلکہ ملک کے زوال کا رنج کرتا ہے اور انھین باتون کا ذکر کرتا ہے جن سے عام قوم کو تعلق ہے،

(۲) فلسفۂ اخلاق کو کس طرح شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخلاقی مسائل اگر محض سادہ طریقہ پر نظم مین ادا کردیے جائین تو وہ فلسفہ ہوگا شاعری نہوگی،

شیخ نے اخلاقی عنوان جو اختیار کیے وہ حسب ذیل ہین،

عدل وتدبیر، احسان عام، عشق ومحبت، تواضع، رضا بالقضا، قناعت، تربیت شکر، توبہ، مناجات،

عدل وتدبیر اصل مین پالیٹکس اور سیاست سے تعلق رکھتے ہین لیکن چونکہ ان کو اخلاق سے نہایت قومی تعلق ہی، شیخ نے اسکو بھی اخلاق مین شامل کرلیا، ایشیائی ملکون مین سلطنت کی بنیاد بادشاہ پرستی پر قائم ہوتی ہے اور وہ حاکم علی الاطلاق سمجھا جاتا ہی، اگر وہ عدل وانصاف کرے تو اُس کی عنایت ہی اور نہ کرے تو اُسکو کوئی ٹوک نہین سکتا،

اگر شہ روز را گوید شب است این   بباید گفت اینک ماہ وپرین

لیکن شیخ نے مختلف حکایتون کے پیرایہ مین بتایا کہ ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ بادشاہ پر نکتہ چینی کا حق ہی، شیخ نے آزادانہ اعتراض کو جس پیرایہ مین ادا کیا، آزادی بیباکی اور جانبازی کی اس سے بڑھکر تعلیم نہین ہوسکتی،

ایک ظالم بادشاہ کی حکایت لکھی ہی کہ لوگونکے جانور زبردستی پکڑ کر ان سے کام لیتا تھا اتفاق سے ایکدن شکار کے پیچھے فوج کا ساتھ چھوٹ گیا اور ایک گاؤن مین رات بسر کرنی پڑی ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے گدھے کو اس طرح مار رہا ہی کہ اسکے ہات پاؤن بیکار ہوے جاتے ہین، بادشاہ نے روکا، اسنے کہا مین اسلیے اسکو بیکار کیے دیتا ہون کہ ہمارے ملک کا بادشاہ

بیگار مین نہ پکڑے، یہ کہکر بادشاہ کو خوب بُرا بھلا کہا، صبح کو اہل فوج ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے گاؤن مین پہونچے اور بادشاہ تخت گاہ مین واپس آیا، یہان پہونچکر اسنے اس شخص کو پکڑ بلایا اور رات کی گستاخی کی سزا دینی چاہی، اُسنے کہا،

نہ تنہا منت گفتم اے شہریار — کہ برگشتہ بختی و بد روزگار

چرا خشم بر من گرفتی و بس — منت پیش گفتم ہمہ خلق پس

یعنی مجھی پر کیون غصہ ہی، تجکو تو سب بُرا کہتے ہین، فرق یہ ہی، کہ لوگ پیچھے بُرا کہتے ہین، مینے سامنے کہا،

چو بیداد کردی توقع مدار — کہ نامت بہ نیکی رود در دیار

ترا چارہ از ظلم برگشتن است — نہ بیچارہ بے گنہ کشتن است

یعنی تجکو یہ مناسب ہی کہ ظلم سے باز آئے یہ نہین کہ ایک بیگناہ کو قتل کردے،

زنا مہربانی کہ در دور تست — ہمہ عالم آوازہ جور تست

عجب کز منت بر دل آمد درشت — بکُش گر توانی ہمہ خلق کشت

بدان کے ستودہ شود بادشاہ — کہ خلقش ستایند در بارگاہ

چہ سود آفرین بر سر انجمن — پس پردہ نفرین کنان مرد و زن

ہمی گفت و شمشیر بالاے سر — سپر کردہ جان پیش تیر قدر

ایک اور حکایت لکھی ہی کہ ایک درویش کی حق گوئی سے بادشاہ ناراض ہوا اور اسکو قید کردیا، اُسکے دوستون نے سمجھایا کہ بادشاہ کے سامنے یہ آزادی خلاف مصلحت تھی، درویش

نے جواب دیا،

رسانیدنِ امرِ حق طاعت است | ز زندان نہ ترسم کہ یک ساعت است

کسی نے یہ خبر بادشاہ کو پہونچائی، بولا کہ یہ اس کی حماقت ہی ایک ساعت نہین تمام عمر اُسکو قید خانہ مین رہنا ہوگا، درویش نے کہا،

کہ دنیا ہمی ساعتے بیش نیست | غم و خورمی پیش درویش نیست

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زبان گدّی سے کھینچ لیجائے، درویش نے کہا مجکو اس کی بھی پروا نہین، مجکو جس سے کہنا سننا ہے وہ بولے بغیر میری بات سمجھ سکتا ہے،

من از بےزبانی ندارم غمے | کہ دانم کہ ناگفتہ داند ہمے

اس قسم کی متعدد حکایتین نہایت پراثر طریقہ سے لکھی ہین جن سے اسنے اپنے تمام ابنائے زمانہ کے خلاف لوگونکو آزادی اور بیباکانہ حق گوئی کی تعلیم دی ہے اور جب یہ ثابت ہوتا ہی کہ شیخ کا یہ قول نہ تھا بلکہ عمل بھی تھا تو اس کی تعلیم کا دل پر نہایت قوی اثر ہوتا ہے، شیخ نے یہ بھی بتایا کہ ملک کی آمدنی مین بادشاہ کا صرف اسقدر حق ہی کہ بقدر ضرورت اس سے تمتع اُٹھاے، اس سے زیادہ اسکو کوئی حق نہین، ایک سادہ وضع بادشاہ کی حکایت لکھی ہی کہ کسی نے اس سے کہا کہ حضور اگر دیبای چینی کی قبا زیب تن فرماتے تو زیادہ موزون تھا، بادشاہ نے کہا،

نہ از بہر آن می ستانم خراج | کہ زینت کنم بر خود و تخت و تاج

مرا ہم ز صد گونہ آز و ہوا است | ولیکن نہ تنہا خزینہ مرا است

خزائن پر از بہر لشکر بود | نہ از بہر آئین و زیور بود
چو دشمن خرِ روستائی برد | ملک باج و دہ یک چرا می خورد

یہ خود شیخ کے خیالات ہین لیکن بلاغت کے اصول کے لحاظ سے بادشاہ کی زبان سے ادا کیا ہے کہ بادشاہون پر اسکا اثر زیادہ ہوگا،

احسان عام | احسان کا مضمون ایشیا کا مرغوب عام مضمون ہے اور شیخ نے اس مضمون کو اُسی عام طریقہ پر لکھا ہی جو ایشیائی طبائع کا عام انداز ہی، حاتم طائی کی فیاضیون کی چھوٹی حکایتین بڑی آب وتاب سے لکھی ہین اور یہ نہ سمجھے،

بیا بہ ملک قناعت کہ در دسر نہ کشی | ز قصہ ہا کہ بہ ہمت فروش طے بستند

یہ بھی ہدایت کی ہی کہ مستحق اور غیر مستحق کی تمیز کی کوئی ضرورت نہین،

گرہ بر سر بند احسان مزن | کہ این مکر و شید است آن زرق و فن

اخیر مین بڑا دل کرکے یہ تفریق کی ہے کہ ظالمون کے ساتھ احسان نہ کرنا چاہیے، تاہم اس باب مین بھی شیخ نے بعض نکتے اپنے زمانہ کے عام سطح سے بالاتر لکھے ہین، مثلاً دیندارون کے نزدیک محاسن اخلاق جس قدر ہین مثلاً عفو حلم، مروت، جود و کرم سب مسلمانونکے ساتھ مخصوص ہین، غیر مذہب والونکے ساتھ عموماً اشداء علی الکفار کا برتاؤ کرنا چاہیے، لیکن شیخ کے احسان عام کا بادل، ویرانہ و چمن دونون پر یکسان برستا ہی،

اُسنے ایک حکایت لکھی ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک گبر کو مومن سمجھکر

لہ وہ محصول جسکو عربی مین عشر کہتے ہین، یعنی آمدنی کا دسوان حصہ،

مہمان کیا، جب اسکا گبر ہونا ظاہر ہوا تو دسترخوان پر سے اٹھا دیا اسپر وحی آئی کہ

ترا نفرت آمد از یک زمان — منش دادہ صد سال روزی و جان

یعنی مینے تو اسکو سو برس تک کھلایا پلایا، تم دم بھر بھی اسکے ساتھ بسر نہ کر سکے،

عشق — عشق شیخ کے زمانہ مین مسلمانون کی قوتون مین یک لخت زوال آچکا تھا، اسلیے عشق و محبت کے سوا اور کیا کام باقی رہا تھا، شیخ نے عام مذاق کے لحاظ سے اس راگ کا چھیڑنا بھی ضروری سمجھا اور اپنے دانست مین اسمین بھی اصلاح کی یعنی عشق مجازی کو برا کہا اور عشق حقیقی کے محاسن بیان کیے، لیکن سچ یہ ہے کہ اگر ایک اخلاقی کتاب سرے سے اس فتنہ انگیز مضمون سے پاک رہتی تو بہت اچھا ہوتا

ع اہل زکام را مدہ این گل کہ بو کنند،

قناعت — قناعت تواضع اور رضا وغیرہ کو جادو اثر طریقہ سے بیان کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان مضامین کے بار بار اعادہ کرنے سے قوم مین افسردگی، بیکاری، پست ہمتی پیدا ہوتی ہے اسلیے یہ مضامین ہمارے اخلاقی دفتر سے چندروز کے لیے نکال دینے کے قابل ہین،

قناعت بظاہر پست ہمتی کا دوسرا نام ہے، اور اس مین شک نہین کہ قناعت کے جو غلط معنی عموماً علما اور زہاد نے دلون مین بٹھا دیے ہین انھون نے قوم کے اپاہج بنانے مین بہت مدد دی ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ شیخ نے قناعت کے جو معنی قرار دیے وہ انسان کی خودداری، اور عزت نفس کا سب سے ضروری مرحلہ ہے، ایشیائی حکومتون مین ہر قسم کی بیہودہ

اخلاق مثلاً خوشامد، ذلت نفس، نفاق، ریا، زمانہ سازی صرف اسوجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ان باتون کے بغیر کوئی شخص دولت اور عزت نہین حاصل کرسکتا، اسلیے دولت وعزت کی پروا نہ کرنا ان عیوب سے بچنے کا سب سے پہلا مرحلہ ہے، شیخ اسی بنا پر قناعت کی تعلیم دیتا ہے،

قناعت کن اے نفس بر اندکے | کہ سلطان ودرویش بینی یکے
چرا پیش سلطان بخواہش روی | چو یکسو نہادی طمع، خسروی
وگر خود پرستی شکم طبلہ کن | در خانۂ این وآن قبلہ کن
قناعت سر افرازد ای مرد ہوش | سر پر طمع بر نیاید ز دوش
کسے را کہ درج طمع در نوشت | نباید بکس عبد وچاکر نوشت
کند مرد را نفس امارہ خوار | اگر ہوشمندی، عزیزش بدار
گر آزادہ بر زمین خسپ وبس | مکن بہر قالی، زمین بوس کس
چو بینی کہ از سعی بازو خورم | بہ از میدہ بر خوان اہل کرم

یعنی اگر تم قناعت اختیار کروگے تو تمکو بادشاہ اور فقیر یکسان نظر آئینگے، تم بادشاہ کے آگے کیون سر جھکاتے ہو، طمع چھوڑ دو تم خود بادشاہ ہو، جو شخص طمع چھوڑ دیگا وہ اپنے آپکو غلام اور خانہ زاد نہین لکھ سکتا، نفس امارہ انسان کو ذلیل کرتا ہے، اگر تمکو عقل ہے تو تم نفس کی عزت کرو، تم کو زمین پر پڑکر سو رہنا چاہیے، لیکن قالین کے لیے کسی کے آگے زمین نہین چومنی چاہیے، اس سے بڑھکر کیا شریفانہ تعلیم ہوسکتی ہے،

اس سے ظاہر ہے کہ اگر عزت نفس کے قائم رہنے کی ساتھ دولت وثروت، نام ونمود، جاہ واعزاز حاصل ہوسکتا ہو تو شیخ اس سے باز رہنے کی تعلیم نہین دیتا،

ایک حکایت مین شیخ نے اس نکتہ کو صاف اور واضح کردیا ہے اور بتایا ہی کہ کسب اور جہد کو توکل پر ترجیح ہے، حکایت یہ ہی، کہ ایک شخص نے ایک لومڑی کو دیکھا جسکے ہات پاؤن کٹے ہوے تھے، اسکو تعجب ہوا کہ یہ کھاتی پیتی کہان سے ہی؟ اتفاق سے ایک شیر آنکلا اسکے مُنھ مین شکار تھا، جب وہ کھاکر چلا گیا تو لومڑی نے اسکا بچا ہوا جھوٹا کھالیا، یہ دیکھکر اس شخص کو خیال ہوا کہ ہات پاؤن ہلانے کی ضرورت نہین، مین بھی اسی طرح پا شکستہ بنکر بیٹھ رہون، خدا کہین سے روزی بھیجدیگا، لیکن کئی دن گزر گئے یہ یون ہی فاقے کیا کیے، آخر ہاتف غیب پکارا،

برو شیر غرندہ باش اے دغل | مپندار خودرا چو روباہ شل

یعنی شیر ہوکر لومڑی کیون بنتے ہو،

بہ چنگ آر و با دیگران نوش کن | نہ بر فضلۂ دیگران گوش کن

چو مردان ببر رنج و راحت رسان | مخنث خورد دست رنج کسان

بگیر اے جوان دست درویش پیر | نہ خودرا بیفگن کہ دستم بگیر

تربیت، تربیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہی، اور بہت سے نکتے ایسے لکھے ہین جو اس زمانہ کی سطح سے بالاتر ہین، مثلاً قدیم تربیت مین لڑکون کو زجر و توبیخ بلکہ جسمانی سزا دینی ایک

ضروری چیز تھی، اور آجتک وہ خیال قائم ہے، خود شیخ نے ایک معلم کی زبان سے کہا ہے

ع جور استاد بہ ز مہر پدر،

لیکن شیخ کی خود تعلیم یہ ہے،

نوآموز را ذکر و تحسین وزہ | ز توبیخ و تہدید استاد بہ

صنعت و حرفت کی تعلیم امرا کے بچون کے لیے بھی لازمی قرار دی ہے حالانکہ آج یورپ کی مثالین دیکھکر بھی ہم اُن چیزون کو ہات نہین لگاتے،

بیاموز پرورده را دست رنج | وگر دست داری چو قارون گنج

بپایان رسد کیسۂ سیم و زر | نگردد تہی کیسۂ پیشہ ور

چہ دانی کہ گردیدن روزگار | بہ غربت بگرداندش در دیار

چو بر پیشۂ باشدش دسترس | کجا دستِ حاجت برد پیش کس

عام خیال یہ ہے کہ بچون کو کم درجہ کی خوراک اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننا چاہیے تاکہ آرام طلب اور عیش پسند نہو جائین، لیکن شیخ فرماتے ہین،

پسر را نکو دار و راحت رسان | کہ چشمش نماند بہ دست کسان

یعنی بچے کو سر و سامان سے رکھنا چاہیے تاکہ اسمین بلند نظری پیدا ہو اور لوگون کی طرف اس کی نگاہین حسرت سے نہ اٹھین،

اس زمانہ مین امرد پرستی کا عام مرض پھیلا ہوا تھا، صوفیہ و اہل نظر اسکو عشق حقیقی کی منزل اولین قرار دیتے تھے، اور ارباب ذوق کے لیے تفریح خاطر کا اسکے سوا کوئی سامان

نہ تھا شیخ چونکہ اس سانپ کو کھلا چکا تھا، اس کی مضرتون سے خوب واقف تھا، اسلیے اسنے نہایت سختی سے اس کی برائیان بیان کین،

سراز مغز و دست از درم کن تہی | چو خاطر بہ فرزند مردم نہی
مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ | کہ فرزند خویشت برآید تباہ

صوفیہ کا پردہ کھولتے ہین،

گروہے نشینند با خوش پسر | کہ ما پاک بازیم و اہل نظر
ز من پرس فرسودۂ روزگار | کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار
ازان برگ خرما خورد گوسفند | کہ قفل است بر تنگ خرما و بند

صوفیون کے اس دعوی کو کہ جمال سے ہمکو صنعت ایزدی کا مطالعہ مقصود ہوتا ہے اسطرح رد کرتے ہین

چرا طفل یک روزہ ہوشش نہ برد | کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہمان بیند اندر ابل | کہ در خوبرویان چین و چگل

یعنی اگر صنعت ایزدی کا مطالعہ مقصود ہے تو وہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ مین نظر آتی ہے، خوش جمال اور پریجمال کی کیا تخصیص ہے، ایک باریک بین کو اونٹ کے ناموزون ڈیل ڈول مین بھی وہی صنعت کاریان اور نکتہ آفرینیان نظر آتی ہین جو چین اور چگل کے معشوقون مین ہین،

شیخ حسن پرستی سے منع نہین کرتا لیکن بتاتا ہے کہ اسکا صحیح مصرف کیا ہے،

زن خوب و خوشخوے آراستہ | چہ ماند بہ نادان نوخاستہ
در و دم چو غنچہ دمے از وفا | کہ از خندہ افتد چو گل بر قفا

خرابت کند شاہد خانہ کن   برو خانہ آباد گردان بہ زن

افسوس ہی کہ عورتون کا رتبہ شیخ کے زمانہ مین مردون سی بہت کم سمجھا جاتا تھا، اسلیے جو لوگ اپنی بیوی سے زیادہ محبت رکھتے تھے زن پرست کہلاتے تھے اور لوگ ان کو طعنہ دیتے تھے، شیخ نے اگرچہ ان لوگون کی طرف سے یہ معذرت کی ہی،

کسے را کہ بینی گرفتار زن   مکن سعدیا طعنہ بروی مزن

تو ہم جور بینی و بارش کشی   اگر یک شبے در کنارش کشی

زنان شوخ و فرماندہ و سرکش اند   ولیکن بدیدم کہ در بر خوش اند

لیکن افسوس ہی کہ اس قدسی پیکر کی غرض و غایت لوگون نے صرف نفس پرستی سمجھی یہ نہ سمجھے کہ یہ جنس لطیف چہرۂ کائنات کا آب و رنگ ہی،

شیخ نے عورتون کے متعلق ایک اور ہدایت کی ہی جس سے ثابت ہوتا ہی کہ اس زمانہ کا معیار اخلاق کسقدر پست ہو گیا تھا،

زن نو کن اے دوست در ہر بہار   کہ تقویم پارینہ ناید بکار

لیکن اگر عورت بھی اس فلسفہ پر عمل کرے تو کیا جواب ہو گا؟

شیخ ہمہ تن مذہبی آدمی تھا، اسلیے اُسنے تعلیم و اخلاق کی بنیاد بھی مذہب پر رکھی ہی مذہبی غلو مین حقیقت شناسی بہت کم قائم رہتی ہی، فرض کرو ایک شہر مین ہزارون مسجدین ہین اور نمازیون کی ضرورت سے زیادہ ہین، باوجود اسکے ایک شخص پھر نئی مسجد بنائے تو مذہبی آدمی کبھی اس کام کو عبث اور بیفائدہ نہین کہہ سکتا، حالانکہ قرون اولی مین ایسے کام سے

علانیہ روک دیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے حکم بھیجدیا تھا کہ کسی شہر مین (بجز کوفہ و بصرہ کے) ایک سے زیادہ مسجد نہ بننے پائے، ولید نے جامع مسجد کی تعمیر مین شاہانہ حوصلہ مندی کی تو قوم نے علانیہ کہدیا کہ بیت المال کا روپیہ اس طرح ضائع نہین کیا جا سکتا،

فرض کرو ایک شہر مین بہت سی مسجدین موجود ہین لیکن انگریزی تعلیم (جو تحصیل معاش کا ذریعہ ہی) اسکا سامان بالکل نہو، اب ایک شخص ایک مسجد اور دوسرا شخص انگریزی مدرسہ بنائے تو تم کس کام کو ترجیح دوگے؟

شیخ کی نکتہ سنجی پر حیرت ہوتی ہی جب نظر آتا ہے کہ وہ مذہبی جوش اور غلو کے ساتھ حقیقت شناسی سے کبھی الگ نہین ہوتا، ایک حکایت لکھی ہی کہ ایک بادشاہ نے روزہ رکھا باورچی کی بیوی نے کہا سلطان کو اس روزہ سے کیا ثواب ہوگا کہ ہم سب بھوکے مرینگے،

کہ سلطان ازین روزہ گوئی چہ خواست	کہ افطار او عید طفلان ماست

شیخ اس مسئلہ کو زیادہ روشن کرنے کے لیے خود اپنی زبان سے کہتا ہے،

خورندہ کہ خیرش بر آید ز دست	بہ از صائم الدہر (روزہ دار) دنیا پرست
مُسلّم کسے را بود روزہ داشت	کہ درماندہ را دہد نان چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری	ز خود باز داری وہم خود خوری
خیالات نادان خلوت نشین،	بہم بر کند عاقبت کفر و دین

اخیر شعر مین کہتا ہی کہ سادہ دل خلوت نشین مذہب کو خراب کر دیتا ہے،

ایک حکایت لکھی ہی کہ ایک درویش نے حج کا سفر کیا اور ہر ہر قدم پر دو دو رکعتین نماز

پڑھتا جاتا تھا، اس ریاضت شاقہ پر اسکو دل مین غرور پیدا ہوا، ہاتف غیب نے آواز دی کہ ایک دل کو خوش کرنا ہزار رکعت سے بہتر ہی،

به احسانے آسوده کردن دلے | به از الف رکعت بهر منزلے

ریا کار عالمون کی قلعی سب نے کھولی ہی لیکن صوفیہ کا گروہ کثیر جو ہمہ تن ریا کار ہی انکی نسبت کسیکو ریا کاری کا گمان بھی نہین ہوتا اور ہو بھی تو عوام کے ڈر سی ظاہر نہین کر سکتا شیخ اس راز سے خوب واقف تھا، اسلیے اسنے نہایت دلیری سے اس طلسم کو توڑا، غزلون مین نہایت لطیف پیرایون مین اس مضمون کو ادا کیا ہی،

برون نمیرود از خانقه یکے هشیار | که پیش شحنه بگوید که صوفیان مستند
محتسب در قفائے رندان است | غافل از صوفیان شاهد باز

بوستان مین ایک شخص کی زبان سے ان لوگون کی پوری تصویر کھینچی ہی،

که زنهار ازین مردمان خموش | پلنگان درندهٔ صوف پوش
که چون گربه زانو بهم برزنند | وگر صیدے افتد چو سگ در رهجند
سوے مسجد آورده دکان شید | که در خانه کمتر توان یافت صید
سپید و سیه پاره بر دوخته | به سالوس پنهان زر اندوخته
زهے جو فروشان گندم نمائے | جهان گرد و سالوس و خرمن گدائے
مبین در عبادت که پیرند و سست | که در رقص و حالت جوانند و چست
عصای کلیم اند بسیار خوار | به ظاهر چنین زرد روے و نزار

زسنت نہ بینی در ایشان اثر　　　بجز خواب پیشین و نان سحر

سب سے بڑی بات یہ ہی کہ شیخ نے اخلاق کی بنیاد بے تعصبی پر قائم کی، اُسنے مختلف طریقون سے بے تعصبی کی تعلیم دی ہی اور جتایا ہے کہ تعصب کے ساتھ اخلاق کا لطیف اور نازک حاسہ قائم نہین رہ سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک گبر سے جو برتاؤ کیا تھا اس کی نسبت وحی کے ذریعہ سے انکو خدا نے تنبیہ کی کہ ہمارا یہ طریقہ نہین، اس حکایت سے شیخ کو یہ جتانا تھا کہ معاشرت اور حسن اخلاق مین کافر و مسلم کی تمیز نہین، شیخ عموماً ہر مذہب و ملت کے بڑے لوگون کا نام جب لیتا ہے تو ادب سے لیتا ہی، دارا آتش پرست تھا تاہم شیخ کہتا ہی،

شنیدم کہ دارای فرخ تبار　　　ز لشکر جدا ماند روز شکار

نوشیروان کے زمانہ مین پیدا ہونے پر رسول اللہ کا ناز کرنا ثابت کرتا ہی،

سزد گر بدورش بنازم چنان　　　کہ سید بدوران نوشیروان

خود سنی اور پکا سنی تھا (علی رغم انف قاضی نوراللہ) لیکن فردوسی کا نام (جو قطعاً شیعہ تھا) اسطرح لیتا ہے،

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد　　　کہ رحمت بر آن تربت پاک باد

کیا آج کوئی روشن خیال سے روشنخیال سنی عالم، کسی شیعہ کی تربت کو پاک اور اُس کی نسبت رحمت کی دعا کر سکتا ہی

شیخ نے اگرچہ فلسفۂ اخلاق، کو شاعرانہ انداز مین لکھا لیکن مسائل اخلاق کے متعلق بہت سے ایسے نازک، دقیق، اور لطیف دلائل اور وجوہ بیان کیے کہ اخلاق کی فلسفیانہ

تصنیفات مین بھی نہین مل سکتے، کبر، حسد، غیبت وغیرہ خبائث نفسانی کی برائیون کے وجوہ تمام کتابون مین مذکور ہین، لیکن شیخ ان سب سے الگ دقیق باتین پیدا کرتا ہی، بدگوئی کی برائی کی نسبت کہتا ہے،

بر اندر حق مردم نیک و بد | مگو اے جوان مرد صاحب خرد
کہ بد مرد را خصم خود میکنی | وگر نیک مرد است بدی کنی

یعنی بدگوئی نہین کرنی چاہیے کیونکہ جس کی بدگوئی کروگے دو صورت سے خالی نہین، اگر وہ اچھا آدمی ہی، تو اچھے آدمی کو برا کہنا مناسب نہین، اور برا ہے تو برے آدمی کو اپنا دشمن بنا لینا اچھا نہین، یہ ظاہر ہی کہ برا آدمی کسی کی دشمنی کرتا ہی تو جائز ناجائز کی پروا نہین کرتا اسلیے برے آدمی کو اپنا دشمن بنانا اپنے آپ کو بلا مین پھنسانا ہی، یہ تقسیم اور استدلال جسقدر فلسفیانہ ہی اُسی قدر واقعی اور عملی ہے،

یا مثلاً خاموشی کی خوبیان تمام اخلاقی کتابون مین مختلف طریقون سے بیان کی ہین لیکن شیخ سب سے الگ فلسفیانہ طریقہ سے اسکو ثابت کرتا ہی،

ترا خامشی اے خداوند ہوش | وقار است و نا اہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبتِ خود مبر | وگر جاہلی پردۂ خود مدر

یعنی خاموشی، عالم و جاہل دونون کے لیے مفید ہی، عالم کا تو وقار بڑھتا ہے اور جاہل کا پردہ ڈھکا رہتا ہے،

یا مثلاً دوسرونکے اعتراض اور نکتہ چینی کا برا نہ ماننا اور اسکو گوارا کرنا اسکو شیخ اسطرح

دلنشین کرتا ہی،

گر آنی کہ دشمنت گوید مرنج　　　در آن نیستی گو، برو باد سنج

یعنی دو حال سے خالی نہین، یا جو اعتراض دشمن کرتا ہی واقعی ہی تو واقعی اور سچی بات کا
بُرا ماننا کیا ؟ اور جھوٹ اور غلط کہتا ہی تو جھوٹ بات کا کیا رنج، اسکو بکنے دو،
یا مثلاً بدمزاج اور بداخلاق زہاد کی نسبت لکھتا ہی،

نہ خورد از عبادت بر آن بیخرد　　　کہ با حق نکو بود و با خلق بد

یعنی اس شخص نے عبادت کا پھل نہین چکھا جو خدا کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا اور
مخلوقات کے ساتھ بُرائی سے، یہان یہ دقیق نکتہ بتایا ہی کہ کج خلق عابد جو عبادت کرتے ہین،
انکی عبادت، اصلی نیکی اور دل کے اقتضا سے نہین ہوتی، بلکہ سزا و رعقاب کے ڈر سے
ہوتی ہی، اسکا ثبوت یہ ہی کہ جس سے ان کو اس قسم کا اندیشہ نہین، (بندگان خدا سے)
اُس سے وہ کج اخلاقی اور بدمزاجی اور دل آزاری کا برتاؤ کرتے ہین،
شیخ نہایت سرسری اور معمولی واقعات سے جو رات دن لوگون کو پیش آتے رہتے
ہین، نہایت دقیق نکتے پیدا کرتا ہی، مثلاً چھوٹے بچون کو لوگ میلے ٹھیلے مین ساتھ لیجاتے ہین
تو اُسکے ہات مین دامن دیدیتے ہین کہ ہجوم ہین کہین بہک نہ جاے، شیخ کو بچپن مین یہ واقعہ
پیش آیا تھا،
شیخ نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا،

ہمے یاد دارم ز عہد صغر　　　کہ عیدے برون آمدم با پدر

بہ بازیچہ مشغولِ مردم شدم
در آشوب خلق از پدر گم شدم

بر آوردم از بیقراری خروش
پدر ناگہانم بمالید گوش

کہ ای شوخ چشم، آخرت چند بار
نگفتم کہ دستت ز دامن مدار

تو ہم طفل راہی بہ سعی اے فقیر
برو دامن نیک مردان بگیر

یعنی جو شخص، راہ سلوک کی ابتدائی منزلون مین ہی وہ بچہ ہے اسلیے اُسکو مرشد کا دامن نہین چھوڑنا چاہیے،

تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنے فضلہ کو خاک مین چھپا دیتی ہی تم کو کچھ خیال بھی نہ آیا ہوگا لیکن شیخ اس بتذل واقعہ سے کس قدر پُراثر اخلاقی نتیجہ استنباط کرتا ہے،

پلیدے کُند گر بہ برجای پاک
چو زشتش نماید بپوشد بہ خاک

تو آزادی از ناپسندیدہ ہا
نترسی کہ بروی فتد دیدہ ہا

یعنی بلّی کو اتنا خیال ہی کہ وہ اپنے فضلہ کو جو بدنما معلوم ہوتا ہی، چھپا دیتی ہی، تم ہزارون برائیان کرتے ہو اور لوگ دیکھتے ہین اور تمکو شرم نہین آتی،

ایک شخص کیچڑ مین لتھڑا ہوا مسجد مین جانے لگا، مؤذن نے ڈانٹا کہ نجاست کے ساتھ ایسی پاک جگہ مین جاتا ہی شیخ پر اسکا اثر جو ہوا وہ یہ تھا،

رگل آلودۂ راہ مسجد گرفت
ز بخت نگون طالع اندر شگفت

یکے زجر کردش کہ تبت یداك
مرو دامن آلودہ در جای پاک

مرا رقتے در دل آمد برین
کہ پاک است و خرم بہشت برین

دران جای پاکان امیدوار | گل آلودۂ معصیت را چہ کار

بچپن مین شیخ کے والد نے شیخ کو انگوٹھی خرید کر دی کسی عیار نے مٹھائی کا لالچ دیا، انکو انگوٹھی کی کیا قدر تھی، مٹھائی لیکر انگوٹھی دیدی، یہ واقعے عموماً پیش آتے ہین شیخ اس سے کسقدر عظیم الشان نتیجہ پیدا کرتا ہی،

پدر کرو ناگہ یکے مشتری | بہ شیرینی از دستم انگشتری
چو نشناسد انگشتری طفل خُرد | بہ شیرینی از وی توانند بُرد
تو ہم قیمت عمر نشناختی | کہ در عیش شیرین براندا ختی

لطف واحسان کا اثر ایک معمولی واقعہ سے اس طرح ثابت کرتے ہین،

بہ رہ بر یکے پیشم آمد جوان | بہ تگ در پیش گوسفندے دوان
بدو گفتم این ریسمان است وبند | کہ می آید اندر پیت گوسفند
سبک طوق وزنجیر ازو باز کرد | چپ و راست پوئیدن آغاز کرد
چو باز آمد از عیش وشادی بجای | مرا دید وگفت اے خداوند رای
نہ این ریسمان می برد با منش | کہ احسان کمند سیت در گردنش

ایک درویش کو کتے نے پاؤن مین کاٹ لیا، زخم کی تکلیف سے رات بھر وہ کراہا کیا اُسکے ایک کمسن لڑکی تھی، اُسنے کہا ابّا! پھر آپ نے کیون نہین کتّے کو کاٹا کہ برابر سرابر ہوجاتے درویش نے کہا جان من! میرے دانت کتے کے قابل نہ تھے، شیخ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ تم کو اگر کوئی نااہل برا کہے اور تم بھی اُسکو برا کہو تو اسکی یہی مثال ہوگی کہ آدمی کُتّے

کو کاٹنا چاہئے،

محال است اگر تیغ بر سر خورم که دندان بپاے سگ اندر برم
توان کرد با ناکسان بدرگی ولیکن نیاید ز مردم سگی

شیخ کی انتہاے قوت تخیل کا اندازہ، اُن فرضی حکایتون سے ہو سکتا ہی جو محض اسکی قوت تخیل کا نتیجہ ہوتی ہین اور جنکو وہ واقعیت اور حسن استدلال کا مجموعہ بنا دیتا ہی مثلاً

یکے قطرہ باران ز ابرے چکید خجل شد چو پہناے دریا بدید
که جائی که دریاست من کیستم گر او ہست، حقا که من نیستم
چو خود را بہ چشم حقارت بدید صدف در کنارش بجان پرورید
سپہرش بہ جاے رسانید کار که شد نامور لولوے شاہوار

یعنی بادل سے ایک قطرہ ٹپکا، دریا کا پاٹ دیکھکر شرمایا کہ اسکے آگے میری کیا حقیقت ہی، چونکہ اُسنے اپنی آپکو حقیر سمجھا، سیپنے اسکو اپنی گود مین لیا، چند روز کے بعد دیکھا تو وہی قطرہ گوہر شاہوار تھا،

یا مثلاً گلے خوشبوے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم که مشکی یا عبیری که از بوی دل آویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرد وگرنہ من ہمان خاکم که ہستم

یا مثلاً زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک بگوش آمدم نالۂ دردناک

کہ زنہار اگر مردی آہستہ تر　　　که چشم و بنا گوش و روی ست و سر

یعنی مین نے ایک دن ایک خاک کے ٹیلہ پر پھاوڑا مارا، اُس سے آواز آئی کہ میان اگر تم مین آدمیت اور غیرت ہی تو ذرا آہستہ، کیونکہ یہ سب آنکھین اور کان اور چہرے اور سر ہین،

(یعنی آج جو خاک ہی یہ پہلے انسان کی اعضا تھے جو بوسیدہ ہوکر خاک ہوگئی)

یا مثلاً　مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ　　بتابد بہ شب کرمکے چون چراغ
یکے گفتش اے مرغک شب فروز　　چہ بودت؟ کہ بیرون نیائی بروز
بہ بین کاتشین کرمک خاک زاد　　جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم　　ولے پیش خورشید پیدا نیم

یا مثلاً

شبے یاد دارم کہ چشمم نہ خفت　　شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت
کہ من عاشقم گر بسوزم رواست　　ترا گریہ و سوز بارے چراست
بگفت اے ہوادار مسکین من　　برفت از برم یار شیرین من
تو بگریزی از پیش یک شعلہ خام　　من استادہ ام تا بسوزم تمام
ترا آتش عشق اگر پر بسوخت　　مرا بین کہ از پاے تا سر بسوخت

پیرایۂ ادا　شیخ کی کمال شاعری کا اصلی معیار، اسکا پیرایہ ادا ہے، اس سی زیادہ کوئی شخص اس بات کا اندازہ نہین کرسکتا کہ کس مضمون کے موثر کرنے کا سب سے بڑھکر، کونسا طریقہ ہے

جن جن مضامین کو اُسنے لیا ہی، ان کو جس پیرایہ مین ادا کیا ہی، متقدمین اور متاخرین مین اسکی نظیر مطلق نہین مل سکتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ اخلاق مین سیکڑون ہزارون کتابین لکھی گئین، صرف ایک مخزن الاسرار نظامی کے طرز پر ۶۵ مثنویان لکھی گئین، اور سب کی سب اخلاق و تصوف مین ہین، لیکن بوستان اور گلستان کے آگے کسی کا چراغ نہ جل سکا چند مثالون سے تم اسکا اندازہ کرسکتے ہو،

مثلاً دولت وحکومت کی تنقیص، ایک پامال مضمون ہی جو سیکڑون دفعہ لوگ مختلف پیرایون مین ادا کرچکے ہین، لیکن شیخ کا صرف ایک شعر سب پر بھاری ہی،

گدا را کند یک درم سیم سیر | فریدون بہ ملک عجم نیم سیر

شیخ نے اسکے ساتھ فلسفیانہ طریقہ سے ثابت کردیا ہے کہ دولتمندی درحقیقت محتاجی ہے،

خبر دہ بدرویش سلطان پرست | کہ سلطان ز درویش مسکین ترست

نگہبانی ملک و دولت بلا است | گدا پادشاہ است و نامش گدا است

بخسپند خوش، روستائی و جفت | بذوقے کہ سلطان در ایوان نخفت

دہقان بیوی

اسی مضمون کو ایک مصرع مین ادا کیا ہی،

ع آنانکہ غنی تراند محتاج تراند،

یہ ظاہر ہی کہ انسان جس قدر دولتمند اور امیر ہوتا جاتا ہی، اُس کی ضرورتین اور حاجتین بڑھتی جاتی ہین، اسلیے زیادہ دولتمندی درحقیقت زیادہ محتاجی ہی،

یا مثلاً یہ تلقین کرنا تھا کہ دولتمندون کو، غریبون پر رحم کرنا چاہیے، اسکو شیخ نے اس حکایت کے پیرایہ مین ادا کیا،

ملک صالح از پادشاہان شام — برون آمدے صبحدم با غلام
بگشتے در اطراف بازار و کوی — برسم عرب نیمہ بربستہ روی
دو درویش در مسجدے خفتہ یافت — پریشان دل و خاطر آشفتہ یافت
یکے زان دو می گفت با دیگرے — کہ ہم روز محشر بود داورے
گر این پادشاہان گردن فراز — کہ با لہو و عیش اند و با کام و ناز
در آیند با عاجزان در بہشت — من از گور سر برنگیرم ز خشت
بہشت برین ملک و ماوای ماست — کہ بند غم امروز بر پای ماست
اگر صالح آن جا بہ دیوار باغ — در آید، بہ کفشش بدرم دماغ

حکایت کا ماحصل یہ ہے کہ ملک صالح (شام کا بادشاہ، اور سلطان صلاح الدین کے خاندان سے تھا) ایک دن، شہر کے گشت کو نکلا، دو فقیر ایک مسجد مین لیٹے تھے، اور جاڑے اور بھوک کی تکلیف سے بیتاب تھے، ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ آخر قیامت مین بھی کوئی حاکم ہوگا، اگر یہ بادشاہ لوگ جو دنیا مین مزے اڑاتے پھرتے ہین، ہم غریبون کے ساتھ بہشت مین داخل ہونگے تو مین قبر سے سر نہ اٹھاؤنگا، بہشت ہمارا حصہ ہے کہ ہم آج مصیبتین بھر رہے ہین، صالح اگر وہان بہشت کی دیوار کے پاس بھی آیا تو اسکا سر توڑ دونگا،

دولتمندون کو غریبون پر رحم دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ تکلیف کی حالت

ہین غریبون کو امیر دن کی ناز و نعمت پر جو رشک، جلن اور غصہ پیدا ہوتا ہی، اسکو دکھایا جائے
شیخ نے اُس کی نہایت صحیح تصویر کھینچی، اخیر کا شعر باوجود اسکے کہ تہذیب کی حد سے
بڑھا ہوا ہے واقعیت اور اصلیت کی اصلی تصویر ہی، لیکن شیخ نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ
بادشاہ کی فیاضانہ طرز عمل کو بھی دکھایا،

روان ہر دو کس را فرستاد و خواند | بہ ہیبت نشست و بہ حرمت نشاند
بر ایشان ببارید باران جود | فرو شست شان گرد ذل از وجود
شہنشہ ز شادی چو گل بر شگفت | بخندید و در روی درویش گفت
من آن کس نیم کز غرور حشم | ز بیچارگان روی در ہم کشم
من امروز کردم، در صلح باز | تو فردا مکن، در بر ویم فراز

یعنی بادشاہ نے اُن فقیرون کی مہمانی اور حاجت روائی کر کے کہا کہ آج مین آپ لوگونکے
ساتھ عاجزی اور دوستی کا برتاؤ کرتا ہون، آپ بھی میرے ساتھ قیامت مین مہربانی کیجیے گا
ور مجکو بہشت مین آنے سے نہ روکیے گا،

سننے والے پر فقیرون کے غم اور غصہ سے جو اثر پیدا ہوا تھا وہ بادشاہ کے شریفانہ
طرز عمل اور حکیمانہ جواب سے کس قدر اور زیادہ قوی ہو گیا، ممکن نہین کہ ایک دردمند دل
اُسکو پڑھے اور اُسکے آنسو نکل نہ آئین،

یا مثلاً غیبت کی بُرائی کو، لوگون نے مختلف پیرایون مین ادا کیا تھا شیخ نے سب سے زیادہ
چھوتے لیکن نہایت موثر طریقہ سے اس حکایت کے پیرایہ مین اس مضمون کو ادا کیا،

طریقت شناسانِ ثابت قدم — بہ خلوت نشستند چندے بہم

یکے زان میان غیبت آغاز کرد — در ذکر بیچارہ باز کرد

کسے گفتش اے یار شوریدہ رنگ — تو ہرگز غزا کردہ در فرنگ

بگفت از پس چار دیوار خویش — ہمہ عمر ننہادہ ام پائے بیش

چنین گفت درویش صادق نفس — ندیدم چنین بخت برگشتہ کس

کہ کافر ز پیکارش ایمن نشست — مسلمان ز جور زبانش نرست

یعنی چند آدمی ایک صحبت مین شریک تھے، ایک شخص نے کسی کی غیبت شروع کی، ایک نیک نفس نے کہا کہ کیون یار! کبھی تم نے کافرون سے لڑائی بھی کی ہی، اسنے کہا مین نے تو کبھی، گھر سے قدم بھی باہر نہین نکالا، نیک نفس نے کہا سبحان اللہ! کافر تو آپ کے حملہ سے محفوظ رہا، لیکن مسلمان، آپ کی تیغ زبان سے نہ بچ سکا، ایک اور طریقہ سے اسی مضمون کو ادا کیا ہے،

زبان کرد شخصے بہ غیبت دراز — بدو گفت دانندہ سرفراز

کہ یاد کسان، پیش من بد مکن — مرا بدگمان در حق خود مکن

زیادہ گوئی کی بُرائی نہایت پامال مضمون ہی شیخ اس مضمون کو کس قدر عجیب اسلوب سے ادا کرتا ہی،

کمال است در نفس انسان سخن — تو خود را بہ گفتار ناقص مکن

یعنی قوت ناطقہ ہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہی، ایسا نہ کرو کہ یہی وصف (زیادہ گوئی کیوجہ سے)

تمھارے نقصان کا سبب قرار پائے،

کم آواز ہرگز نہ بینی خجل　　جوی مشک بہتر کہ یک تودہ گل

حذر کن ز نادان دہ مردہ گوی　　چو دانا یکے گوی و پروردہ گوی

صد انداختی تیر و ہر صد خطاست　　اگر ہوشمندی یک انداز و راست

یعنی سیکڑون تیر تم نے نشانہ پر لگائے اور سب خالی گئے اگر عقلمند ہو تو ایک تیر لگاؤ لیکن ٹھیک نشانہ پر لگاؤ،

مناجات، تضرع، استغفار اور توبہ فی نفسہ ایک موثر مضمون ہی لیکن شیخ نے اسکو ایک حکایت کے پیرایہ مین کس قدر اور زیادہ مؤثر کر دیا ہی،

شنیدم کہ مستی ز تاب نبید　　بہ مقصورۂ عابدے بر دوید

بنالید بر آستان کرم　　کہ یارب بہ فردوس اعلےٰ برم

مؤذن گریبان گرفتش کہ ہین　　سگ و مسجد اے فارغ از عقل و دین

چہ شائستہ کردی کہ خواہی بہشت　　نمی زیبدت ناز با روی زشت

بگفت این سخن پیر و بگریست مست　　کہ مستم بدار از من اے خواجہ دست

عجب داری از لطف پروردگار　　کہ باشد گنہگارے امیدوار

ترا می نگویم کہ عذرم پذیر　　در توبہ باز است و حق دستگیر

ہمی شرم دارم ز لطف کریم　　کہ خوانم گنہ پیش عفوش عظیم

یعنی ایک مست نشہ کے زور مین مسجد مین گھس گیا اور رو کر پکارا کہ اے خدا مجکو بہشت مین لیجانا

موذن نے اسکا گریبان پکڑ کر کہا کہ او سگ نجس! مسجد مین تیرا کیا کام، تونے کون اچھا عمل کیا ہی کہ بہشت کا دعویٰ ہی؟ مست رو پڑا اور بولا کہ کیا آپ کو خدا کے لطف عمیم سے یہ تعجب معلوم ہوتا ہی کہ ایک گنہگار اس کی مغفرت کا امیدوار ہو، مین نے آپ سے تو مغفرت کی خواہش نہین کی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہی، اور خدا دستگیر ہی مجکو تو شرم آتی ہی کہ مین خدا کے عفو کے مقابلہ مین اپنے گناہ کو زیادہ سمجھون،

غور کرو شیخ نے اس مضمون کے مؤثر کرنے کیلیے بلاغت کے کن نکتونکو ملحوظ رکھا ہے، سب سے پہلے یہ کہ مناجات مین براہ راست خدا کو مخاطب نہین کیا، کیونکہ انسان کسی شخص کو جب مخاطب کر کے اس کی مدح، یا اسکی نسبت، حسن ظن ظاہر کرتا ہی تو اس مین ظاہرداری اور خوشامد کے شائبہ کا احتمال ہوتا ہی، یہی نکتہ ہی کہ سورہ الحمد مین خدا کی حمد صیغۂ غائب سے ادا کی ہی، مؤذن کی ڈانٹ بتانیسے، مناجات مانگنے والے کی نسبت دل مین رحم کا اثر پیدا ہوتا ہی کیونکہ اس سے اسکی نہایت مظلومی اور موذن کی بے رحمی ظاہر ہوتی ہی اب اسکا یہ جواب کہ مین آپسے تو رحم کا خواستگار نہین، مجکو جس سے امید ہی، وہ اور ہی کریم النفس ذات ہے مناجات کے قبول کے لیے کس قدر مؤثر ہی، یہ قاعدہ ہی، کہ کوئی شخص، اگر کسی کر پیٹھ پیچھے اس کی مہربانی اور رحم پر اپنا بھروسہ ظاہر کرے تو اس شخص کو خواہ مخواہ اس کی شرم اور اسکا پاس ہوگا، ان باتون کی مجموعی ترتیب نے مناجات اور طلب مغفرت کے مضمون کو نہایت مؤثر کر دیا ہی،

ہم نے اطناب کے ڈر سے صرف چند مثالون پر قناعت کی، عموماً جن مضامین کو

شیخ نے ادا کیا ہی، اُن کا مقابلہ، اور شعرا اور مصنفین سے کرو تو صاف نظر آئیگا کہ شیخ کو اس خصوصیت مین کیا ترجیح حاصل ہی،

مناظر قدرت اس قسم کے مضامین مین بہار کا مضمون سب سے زیادہ پامال ہی اور اب تک پامال ہوتا آتا ہی لیکن شیخ کے قصیدہ کا اب تک جواب نہو سکا،

بامدادان کہ تفاوت نکند لیل و نہار — خوش بود دامن صحرا و تماشای بہار
(gloss: یعنی دن اور رات برابر ہو گئے)

آدمی زادہ اگر در طرب آید چہ عجب — سرو در باغ برقص آمدہ و بید و چنار

باش تا غنچہ سیراب دہن باز کند — بامدادان چو سر نافہ آہوی تتار

باد گیسوی عروسان چمن شانہ کند — بوی نسرین و قرنفل ببرد در اقطار

ژالہ بر لالہ فرود آمدہ ہنگام سحر — راست چون عارض گلبوی عرق کردہ یار
(gloss: شبنم)

ارغوان ریختہ بر درگہ خضرای چمن — ہم چنان است کہ بر تختہ دیبا دینار

این ہنوز اول آذار جہان افروز است — باش تا خیمہ زند دولت نیسان و ایار
(gloss: بہار کے مہینے مین)

شاخہا دختر دوشیزہ باغ اند ہنوز — باش تا حاملہ گردند بالوان ثمار
(gloss: رنگ برنگ کے پھل)

تا نہ تاریک شود سایہ انبوہ درخت — زیر ہر برگ چراغی بنہند از گل نار

سیب را ہر طرفی دادہ طبیعت رنگی — ہم بدان گونہ کہ گلگونہ کند روی نگار

گو نظر باز کن و خلقت نارنج ببین — ایکہ باور نکنی فی الشجر الاخضر نار

آب در پای ترنج و بہ و بادام روان — ہم چو در زیر درختان بہشتی انہار

غزل یہ عموماً مُسلّم ہے کہ شیخ غزل کے ابوالآبا ہین، قدما تو سرے سے غزل کہتے نہ تھے قصائد کے ابتدا مین عرب کے طرز پر جو تشبیب کہتے تھے، یہی اُس زمانہ کی غزل تھی، متاخرین قُدما، مثلاً انوری، ظہیر وغیرہ نے قصیدہ سے الگ کرکے غزلین لکھین، لیکن انمین کسی قسم کا اثر، اور کسی قسم کی خیال بندی اور نکتہ آفرینی نہ تھی، البتہ چونکہ زمانہ کی امتداد سے قدرتی طور پر زبان خود روز بروز سادہ اور صاف ہوتی جاتی تھی اسلیے غزل کی صفائی اور سادگی بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، کمال اسمٰعیل کے غزل کا نمونہ اوپر گذر چکا، اس زمانہ کے اور شعرا کی سادگی کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوگا،

غزل (از محمد بن نصیر)

گل کہ شایان بادہ بود، رسید — آمدن وعدہ دادہ بود، رسید
جنگ لالہ گذشت دلشکر گل — گرچہ پسترفتادہ بود، رسید
سرو آزاد، بہر سوسن راست — منتظر ایستادہ بود، رسید
لالہ رفت، ارچہ پاے در گل بود — گل اگرچہ پیادہ بود، رسید

دیگر (از صفی)

چہ دردست این کہ عشقش نام کردند — ز دردآشوب، خاص و عام کردند
ہر انچہ اندر زمانہ درد دل بود — یکے کردند و عشقش نام کردند
خراباتے است اندر عشق کان جا — ز خون دل می اندر جام کردند
بیک[1] ساغر دران بت خانہ مارا — چنین سرمست و بے آرام کردند

[1] یہ سب غزلین لب الالباب عوفی یزدی مین موجود ہین،

دیگر

فتنہا بر دلم انبار، مکن، گو نہ کنم　　　بارہا کردۂ اینکار، مکن، گو نہ کنم

شیخ کو سادگی اور صفائی کے متعلق کچھ کوشش نہین کرنی پڑی، جو زبان انکے زمانہ مین موجود تھی پہلے ہی منجھ چکی تھی، شیخ نے جو باتین غزل مین پیدا کین، حسب ذیل ہین،

(۱) شیخ کے زمانہ سے پہلے جو شعرا گزرے وہ عشق کے زخم خوردہ نہ تھے، ان مین سے بعضون نے تو سرے سے عشق کو ہات بھی نہین لگایا تھا، بعضون نے حسن سخن کے لیے اُس سے کام لیا، لیکن وہ نرے الفاظ ہی الفاظ تھے، اندر کچھ نہ تھا، شیخ کے زمانہ مین قوم کے شجاعانہ جذبات فنا ہو چکے تھے، اسلیے زندگی کا جو کچھ سہارا رہگیا تہا یہی عشق و عاشقی تھی، حُسن اتفاق سے شیخ مین یہ جذبہ فطری تھا اور چونکہ وہ تمام عمر ہر قسم کے دنیوی تعلقات سے آزاد رہا اسلیے اس جذبہ کی گرمی اور تیزی اسی طرح مشتعل رہی، اسی آگ کے شعلے ہین جو اسکی زبان سے نکلتے ہین، اُسنے معشوقون کے جور وستم اور بے مہری اور بیوفائی کے جان گداز صدمے اُٹھاے ہین، اسلیے اسکا سینہ، درد اور سوز و گداز کا آتشکدہ ہے، اشعار ذیل سے اسکا اندازہ کرو،

خبر با بر سانید بہ مرغانِ چمن　　　کہ ہم آواز شما در قفسے فتادہ است

گر دلے داری بہ دلدارے سپار　　　ضائع آن کشور کہ سلطانیش نیست

ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق　　　گفت معزول است و فرمانیش نیست

گفتم کہ عشق را بہ صبوری دوا کنم　　　ہر روز عشق بیشتر و صبر کمتر است

بہ خشم رفتہ مارا کہ می برد پیغام؟ | بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ است

ہمہ از دست غیر نالہ کنند | سعدی از دست خویشتن فریاد

درسوختہ پنہان نتوان داشتن آتش | ما ہیچ نہ گفتیم و حکایت بدر افتاد

گفتمش سیر ببینم مگر از دل برود | آن چنان جاے گرفت است کہ مشکل برود

دے از سنگ بباید بسر راہ وداع | کہ تحمل کند آن لحظہ کہ محمل برود

ندانمت زکجا آن سپر بدست آری | کہ تیر آہ مرا از آسمان بگردانی

حدیث عشق چہ داند کسے کہ در ہمہ عمر | بہ سر نہ کوفتہ باشد در سرائے را

سعدیا! این ہمہ فریاد تو بے چیزے نیست | آتشے ہست کہ دود از سر آن مے آید

سعدیا! نوبتے امشب دہل صبح نہ کوفت | یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

دو دوست قدر شناسند روز صحبت را | کہ مدتے ببریدند و باز پیوستند

دیکہ گفتی مرد اندر پے خونخوارئ خویش | باکسے گوی کہ در دست عنانے دارد

۲- شیخ سے پہلے، عشق کے واردات اور معاملات نہیں بیان کرتے تھے شیخ پہلا شخص ہی ہے جنے اس کی ابتدا کی، خسرو، شرف جہان قزوینی نے اسکو ترقی دی وردوحشی یزدی پر اس طرز کا خاتمہ ہو گیا،

بوسہ از لب جان بخش بدہ یا بستان | کاین متاعی است کہ بخشند و بہا نیز کنند[1]

امشب مگر بہ وقت نمی خواند این خروس | عشاق بس نہ کردہ ہنوز از کنار و بوس شب وصل

تا نشنوی ز مسجد آدینہ بانگ صبح | یا از در سراے اتابک غریو کوس

[1] بہا کردن، قیمت لینا،

لب از لب چو چشم خروس ابلہی بود — بر داشتن بہ گفتن بیہودہ خروس

مرا راحت از زندگی دوش بود — کہ آن ماہ رویم در آغوش بود

ندانستم از غایت لطف و حسن — کہ سیم و سمن یا بر و دوش بود

بہ دیدار و گفتار جان پرورش — سراپاے من دیدہ و گوش بود

مُؤذن غلط گفت بانگ نماز (اذان ۱۲) — مگر ہمچو من مست و مدہوش بود

سرمست بتے لطیف و سادہ — در دست گرفتہ جام بادہ

در مجلس بزم بادہ نوشان — بستہ کمر و قبا کشادہ

لعلش چو عقیق گوہر آگین — زلفش چو کمند، تاب دادہ

بنشستہ زمین بہ حضرت وے — گردونش بہ خدمت ایستادہ

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست — تا ندانند حریفان کہ تو منظور منی

۳- شیخ کی غزلون کے حسن قبول کی بڑی وجہ یہ ہی کہ وہ جو خیالات ادا کرتا ہی عموماً وہ ہوتے ہین جو عموماً عشاق اور ہوس پیشہ لوگون کے دلون مین پیدا ہوتے ہین، اس بنا پر جب اس مذاق کے لوگ اُن اشعار کو سُنتے ہین تو انکو نظر آتا ہی کہ کوئی شخص اُن ہی کے خیالات کی سفارت کر رہا ہے، اور ایسی دلنشین اور مؤثر طریقہ سے کر رہا ہی کہ وہ خود نہین کر سکتے تھے، مثلاً عشق پر ملامت کرنے کے وقت عاشق کے دل مین عموماً یہ خیال پیدا ہوتا ہی کہ یہ کوئی نئی بدعت نہین سبھی اس مرض مین مبتلا ہین، اور اچھی صورت کیطرف دل کا نہ کھچنا ہو بھی تو نہین ہو سکتا شیخ اسی خیال کو نہایت برجستگی اور صفائی سے ادا کرتا ہی،

عشق بازی نہ من آخر بہ جہان آوردم
یا گناہی است کہ اول من مسکین کردم

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر
کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

رفیق و مہربان و یار ہمدم
ہمہ کس دوست می دارند و من ہم

نظر بر نیکوان رسمے است معہود
نہ این بدعت من آوردم بہ عالم

تو گر دعوی کنی پرہیزگاری
مصدق دانمت واللہ اعلم

وگر گوئی کہ میل خاطرم نیست
من این دعوی نمیدارم مسلم

حدیث عشق، اگر گوئی گناہ است
گناہ اول ز حوا بود و آدم

دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

اس شعر کی بلاغت پر لحاظ کرو، کہنا یہ تھا کہ لوگ مجکو عاشقی سے منع کرتے ہین لیکن یہ نہین دیکھتے کہ معشوق کا حسن ہی ایسا دلفریب ہی کہ دل قابو مین نہین رہ سکتا،

اس بات کو کہ معشوق کا حسن نظر فریب ہی، یون ادا کیا کہ یہ معشوق سی پوچھنا چاہیے کہ وہ اس قدر حسین کیون ہی؟ اس طرز ادا مین پھر یہ جدت کہ خود معشوق کو مخاطب بنایا اور یہ کہا کہ یہ تو تجھ سے پوچھنا چاہیے کہ تو اسقدر حسین کیون ہی؟ معشوق کے حسن کی تعریف، خود اسکے منھ پر، اسکا پہلو اس سے بڑھ کر کیا لطیف اور دلاویز ہو سکتا ہے،

شیخ پہلا شخص ہی جسنے غزل مین، زاہدون اور واعظونکا پردہ فاش کیا ہی اور ریاکاری کی دقیق اور باریک کارسازیون کی قلعی کھولی ہی خیام نے رباعیون مین اس مضمون کو ادا کیا تھا لیکن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظون مین شیخ کی طرح چھپی اور چبھتی ہوئی چوٹین

نہ تھین جن سے ریاکارون کے دل برما جائین،

محتسب در قفاے رندان است   غافل از صوفیان شاہد باز

یعنی محتسب رندون کا تعاقب کرتا پھرتا ہی، لیکن شاہد باز صوفیون کی اس کو خبر تک نہین کہ یہ چھپ چھپ کر کیا کرتے ہین،

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار   کہ پیش شحنہ، بگوید کہ صوفیان مستند

گر کند میل بخوبان دل من خردہ مگیر   کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس مضمون کو خواجہ حافظ نے اسقدر پھیلایا کہ خاص انکا ہو گیا، لیکن اصل بنیاد شیخ نے قائم کی،

اے محتسب از جوان چہ پرسی   من توبہ نمے کنم کہ پیرم

اس شعر مین، اور رندنکے بجاے خود اپنے آپکو ملزم قرار دیا ہے اور یہ بلاغت کا خاص پہلو ہے

ہیچ کس بے دامن تر نیست آنا دیگران   بازی پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

۵- مدح، ذم، رزم، مرثیہ، غرض جسقدر انواع مضامین ہین، اگرچہ ان پر ہزارون بلکہ لاکھون اشعار مل سکتے ہین لیکن اساس مضامین چند ہی ہوتے ہین، اُن ہی کو سو سو طرح الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہین، اسلیے اصلی شاعری کا حقدار وہی ہے جسنے یہ بنیادین قائم کی ہون، شیخ کے بعد، اگرچہ غزل کو بہت ترقی ہوئی اور خواجہ حافظ نے اس عمارت کو اس قدر بلند کر دیا کہ طائر خیال بھی وہان تک نہین پہونچ سکتا لیکن غور سے دیکھو تو اکثر مضامین اور طرز خیال کی داغ بیل شیخ نے ڈالی تھی مثلاً،

سعدی	حافظ
اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم	بنال بلبل، اگر با منت سر یاری است
تو عشق گلے داری من عشق گل اندامے	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است

″	″
فریاد دوستان ہمہ از دست دشمن است	من از بیگانگان ہرگز ننالم
فریاد سعدی از دل نامہربان دوست	کہ با من ہر چہ کرد آن آشنا کرد

″	″
گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر	من ارچہ عاشقم و رند و می کش و قلاش
کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند	ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

خواجہ حافظ نے نہایت لطیف طریقہ سے اس مضمون کو ادا کیا ہے لیکن اصل خیال کی بنیاد وہی شیخ کا شعر ہے،

اے قافلہ سالار چنین تند چہ رانی	تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
آہستہ کہ در کوہ دگر باز پسانند	پیادہ میروم و ہمرہان سوارانند
ع سجدہ کایزد را بود گو سجدۂ بتخانہ باش	ع ہمہ جا جلوۂ یار است چہ مسجد چہ کنشت
اے گنج نوشدارو بر خستگان گذر کن	چہ عذر از بخت خود جویم کہ آن عیار شہر آشوب
مرہم بدست و ما را مجروح می گذاری	بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد
سعدی	حافظ

شبے و جمعے و گویندۂ و زیبائے
دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے

ندارم از ہمہ عالم جز این تمنائے
فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

من این مقام بدنیا و آخرت ندہم
اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

"

اے برادر ما بہ گرداب اندریم
وان کہ شنعت[طعنہ ۱۲] می زند بر ساحل است

"

شب تاریک و بیم موج و گرداب چنین ہائل
کجا دانند حال ما سبکباران ساحل ہا

"

وے از سنگ بباید بسر راہ وداع
کہ تحمل کند آن لحظہ کہ محمل برود

قمی

قمی آن صبر و تحمل کہ با وی نازی
می نمایم بتو چون یک دو سہ منزل برود

"

گر تو خواہی کہ بجوئی دلم، امروز بجوے
ورنہ بسیار بجوئی و نیابی بازم

یہ شعر گویا واسوخت کی بنیاد ہے،

(۱) شیخ سے پہلے غزل میں جو مضامین ادا کیے جاتے تھے صاف صاف سرسری طور پر ادا کر دیتے تھے، شیخ نے طرز ادا میں بہت سی جدتیں کین اور بیان کے نئے نئے اسلوب پیدا کیے، وہ ایک معمولی سی بات کو لیتے ہین اور طرز ادا سے اس مین اعجوبگی پیدا کر دیتے ہین، مثلاً اُن کو کہنا یہ تھا کہ گناہ سب کرتے ہین، فرق یہ ہے کہ اور لوگ پردہ مین کرتے ہین، اور ہم ریاکاری سے چھپاتے نہین، اس مضمون کو شیخ اس طرح

ادا کرتا ہے،

ہیچ کس بے دامن ترنیست اما دیگران | بازمی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

دامن تر گناہ کو کہتے ہین، بر آفتاب افگندن، دھوپ مین ڈالنا، اور کسی کام کے علانیہ کرنے کو بھی کہتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہی کہ گناہ کون نہین کرتا، فرق یہ ہی کہ اور لوگ چھپاتے ہین اور ہم علانیہ کرتے ہین، دامن تر، اور بر آفتاب افگندن کے محاورہ اور اس طرز ادا نے کس قدر خوبی پیدا کر دی ہی، دہوپ مین ڈالدینے سے چیز خشک ہو جاتی ہی اسلیے یہ بھی کنایہ ہی کہ ریاکاری سے بچنا کسی نہ کسی دن ہم کو گناہ سے مجتنب بھی کر دیگا، یا یہ کہ خدا ایسا گناہ معاف بھی کر دیگا، لیکن ریاکاری کا گناہ نہ چھوٹ سکتا ہی نہ معافی کے قابل ہی

کشتہ بینندم و قاتل نشناسند کہ کیست | کین خدنگ از نظر خلق نہان می آید

خواستم تا نظرے افگنم و باز آیم | گفت از ین کوچہ ما راہ بدر می نبرد

جمال در نظر و شوق ہمچنان باقی | گدا اگر ہمہ عالم بہ او دہند گدا است

بعض جگہ معمولی واقعات اور حالات کو اس پیرایہ مین دکھاتے ہین کہ نہایت عجیب ہو جاتا ہے مثلاً معشوق کی بیوفائی کو جو ایک عام بات ہی، اس طریقہ سے بیان کرتے ہین،

فریاد دوستان ہمہ از دست دشمن است | فریاد سعدی از دل نامہربان دوست

یعنی اور لوگ تو دشمن کے ہات سے نالان ہوتے ہین سعدی کی بدقسمتی دیکھو کہ اسکو دوست اور معشوق کے ہات سے فریاد کرنی پڑتی ہے، یا مثلاً یہ شعر،

ہر کس از دست غیر نالہ کند | سعدی از دست خویشتن فریاد

ہر شخص اپنے کیے کو بھگتتا ہی اور یہ ایک معمولی بات ہی شیخ نے اسی بات کو طرز ادا سے

ایک اعجوبہ بنا دیا، یعنی اور لوگ تو غیرون سے فریاد کرتے ہین سعدی خود اپنے آپ سے فریاد

کرتا ہے، یا مثلاً یہ شعر،

مبارزان جہان، قلب دشمنان شکنند ترا چہ شد کہ ہمہ قلب دوستان شکنی

بعض جگہ ایک دعوی کرتے ہین، جو نہایت مستبعد ہوتا ہی پھر اسکو شاعرانہ توجیہ سے

معمولی واقعہ ثابت کر دیتے ہین، مثلاً

یادت نمی کنم ہمہ عمر زان کہ یاد آن کس کند کہ دلبرش از یاد می رود

پہلے مصرع مین دعوی کیا کہ مین کبھی معشوق کو یاد نہین کرتا، یہ امر عاشقی کے منصب سے نہایت

مستبعد تھا، اسکو اسطرح ثابت کیا کہ یاد وہ کرے جو کبھی بھولتا بھی ہو، مین کبھی بھولتا ہی

نہین تو یاد کیا کرون، بعض جگہ ایک ممکن اور معمولی واقعہ کو شاعرانہ تخیل سے، ناممکن یا مستبعد

بنا دیتے ہین، مثلاً

خلق را بیدار باید بود زاب چشم من وین عجب کان دم کہ میگریم کسی بیدار نیست

من از دست تو در عالم نہم روی ولیکن چون تو در عالم نباشد

بلطف دلبر من در جہان نبینی کس کہ دوستی کند، و دشمنی بیفزاید

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

اسی طرح، جدت ادا کے سیکڑون اسلوب پیدا کیے، جن کی الگ الگ تشریح نہین ہو سکتی،

اشعار ذیل سے ایک عام اندازہ ہوگا،

دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست | با غمزہ بگو تا دل مردم نرباید

ز من مپرس کہ از دست او دلم چون است | از او بپرس کہ انگشتهاش پر خون است

توبہ کنند از گناہ خلق بہ شعبان | در رمضان نیز چشم ہای تو مست ست

امیر خسرو کی ایک غزل ہی،

ای مسلمانان کس روزہ بدینسان دارد

یہ خیال یہین سے لیا ہے،

من آن نیم کہ حلال از حرام نشناسم | شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

بہ چشم گفتہ ما را کہ می برد پیغام | بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ است

دی زمانے بر سعدی بہ تکلف بنشست | فتنہ بنشست و چو برخاست قیامت برخاست

ما نامہ بہ او سپردہ بودیم | او نافہ مشک اذفر آورد

ای تماشاگاہ عالم روی تو | تو کجا بہر تماشا میروی

اے مسلمانان بہ فریادم رسید | کان فلانے بیوفائی می کند

یار من او باش و قلاش است و رند | لیک بر من پارسائی می کند

قاضی شہر عاشقان باید | کہ بیک شاہد اختصار کند

شاہد معشوق کو کہتے ہین اور گواہ کو بھی، مقدمات کے ثبوت مین عموماً دو گواہ ضرور ہین، شاعر کہتا ہی کہ گو عام قاعدہ یہی ہے کہ مقدمہ کے ثبوت مین دو گواہ کی ضرورت ہوتی ہی، لیکن عاشقون کے ملک مین قاضی کو ایک ہی شاہد (معشوق) پر اکتفا کرنا چاہیے۔ شاہد کے

دو معنین ہونے نے جو لطف پیدا کیا ہی وہ مخفی نہین،

برخیز کہ چشم ہاے مستت، خفتہ است و ہزار فتنہ بیدار

اے محتسب از جوان چہ پرسی من توبہ نمے کنم کہ پیرم

Thursday 8-30 A.M. 22/8/55

حضرت امیر خسرو دہلوی[۱]

ترکون کا ایک قبیلہ لاچین کے لقب سے مشہور ہی، امیر خسرو اسی قبیلے سے ہین، ان کے والد کا نام سیف الدین محمود ہی، ترکستان مین ایک شہر کش ہی، وہان کے رہنے والے اور اپنے قبیلے کے رئیس تھے، فرشتہ اور دولت شاہ نے لکھا ہی کہ بلخ کے امرا مین سے تھے، چنگیز خان کا فتنہ جب اٹھا تو سیف الدین ہجرت کر کے ہندوستان مین آئے، اور سلطان محمد تغلق کے دربار مین ایک بڑے عہدہ پر مامور ہوئے محمد تغلق انکی نہایت قدر منزلت کرتا تھا، ایک مہم مین کفار سے لڑ کر شہید ہوے،

لیکن صاحب بہارستان سخن، تاریخی استدلال سے اس واقعہ کا ناممکن ہونا ثابت کر کے لکھتے ہین،

پس آنچہ دولت شاہ در تذکرہ خود نوشتہ کہ پدر امیر خسرو در عہد سلطان

---

[۱] امیر خسرو کا حال تمام تذکرون مین کسیقدر تفصیل سے پایا جاتا ہی، تاریخ فرشتہ مین بھی دلچسپ قصے ہین، لیکن خود امیر موصوف نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین جو مختصر حالات لکھے ہین وہ سب سے زیادہ قابل اعتبار ہین اور جہانتک اس مین مذکور ہین مین نے اسی کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے، امیر کی دیگر تصنیفات سے بھی انکے واقعات معلوم ہوتے ہین چنانچہ موقع بموقع انکے حوالے دیے جائینگے، ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم لندن کی قلمی کتابونکی جو فہرست مرتب کی ہی اس مین امیر خسرو کی تصنیفات سے انکے حالات مرتب کیے ہین، کہین کہین اس سے بھی مدد لی گئی ہے،

محمد تغلق شہید شدہ وامیر خسرو را در حق وے قصائد غرا است خلاف صریح محض غلط است غالباً شاہزادہ سلطان محمد شہید را کہ حاکم ملتان بود بہ علت اشتراک اسمی سلطان محمد تغلق خیال کردہ،،

بہر حال سیف الدین کے تین بیٹے تھے اعز الدین علی شاہ، حسام الدین اور امیر خسرو، سیف الدین کے انتقال کے وقت امیر خسرو کی عمر ۷ برس کی تھی امیر خسرو کی والدہ عماد الملک کی بیٹی تھین جو مشہور امراے شاہی مین تھے، اور دس ہزار فوج کے افسر تھے،، امیر خسرو ۶۵۱ھ مین بمقام پٹیالی[۲] پیدا ہوے، قدیم خوش اعتقادی نے یہ روایت پیدا کی کہ جب وہ پیدا ہوے تو امیر سیف الدین ایک خرقہ مین لپیٹ کر ایک مجذوب کے پاس لے گئے، مجذوب نے دور ہی سے دیکھکر کہا کہ وہ شخص آتا ہی جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائیگا، مجذوب صاحب کے کمالات معنوی کا ہم انکار نہین کرتے لیکن ان کے شاعرانہ مذاق کا تسلیم کرنا مشکل ہی خاقانی کو امیر خسرو سے کیا نسبت،

جب انہون نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے ان کو مکتب مین بٹھایا اور خوشنویسی کی مشق کے لیے مولنا سعد الدین خطاط کو مقرر کیا لیکن امیر کو پڑھنے لکھنے کے بجاے شعر گوئی

---

[۱] والہ داغستانی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ امیر خسرو، باپ کے ساتھ غزنین کے اطراف سے ہندوستان مین آئے، پھر لکھتے ہین کہ بعض یہ بھی کہتے ہین کہ امیر خسرو کی مان حاملہ آئی تھین، خسرو، دہلی مین پیدا ہوے لیکن پہلی روایت بظاہر صحیح ہی تمام واقعات تاریخی سے ثابت ہے کہ خسرو ہندستان زادہ ہین لیکن والہ داغستانی کو کیونکر گوارا ہو سکتا ہی کہ ہندوستان کی خاک سے ایسا شخص پیدا ہو [۲] پٹیالی ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ مین چھوٹا سا قصبہ ہی پہلے یہی مقام ضلع کا صدر تھا، اب ایٹہ ہی، کسی زمانہ مین دریاے گنگ اسکے نیچے بہتا تھا لیکن اب ۷ میلون کا فاصلہ ہی، یہان اب اسٹیشن ریل ہی،

کی دھن رہتی تھی، جو کچھ موزون نا موزون کہ سکتے تھے کہتے تھے اور وصلیون پر اُسی کی مشق کیا کرتے تھے، خواجہ اصیل کوتوال کے نائب تھے وہ کبھی کبھی سعد الدین خطاط کو خطوط وغیرہ لکھوانے کے لیے بلا لیا کرتے تھے ایک دن بلایا تو امیر خسرو بھی ساتھ گئے خواجہ اصیل کے مکان پر خواجہ عزیز الدین بھی تشریف رکھتے تھے سعد الدین نے خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ لڑکا ابھی سے کچھ غون غان کرتا ہی معلوم نہین کہ موزون بھی کہتا ہی یا نہین؟ آپ ذرا اسکی کلام کو سُن لیجیے، خواجہ عزیز کے ہات مین اشعار کی بیاض تھی، امیر خسرو کو دی کہ کوئی شعر پڑہو امیر نے نہایت خوش الحانی سے پڑھا، چونکہ آواز مین قدرتی تاثیر تھی لوگون پر اثر ہوا، سب کی آنکھین بھر آئین اور سبنے بے اختیار تحسین کی، انکے استادنے کہا شعر گوئی مین امتحان لیجیے خواجہ عزیز الدین نے چار بے جوڑ چیزون کا نام لیا کہ ان کو ملا کر شعر کہو، مو، بیضہ، تیر، خربزہ امیر نے برجستہ کہا،

ہر موے کہ در دو زلفِ آن صنم است	صد بیضۂ عنبرین بر آن موے ضم است
چون تیر مدان راستِ دلش را زیرا کہ	چون خربوزہ دندانش درون شکم است

خواجہ عزیز الدین کو سخت حیرت ہوئی، پوچھا نام کیا ہی؟ انہون نے کہا خسرو، باپ کا نام پوچھا انہون نے اصل نام کے بجاے قبیلہ کا نام بتایا یعنی لاچین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا، لاچین یعنی "چین نہین" پھر کہا "ترک خطا است" یعنی ان کو ترک کہنا خطا ہی، انہون نے اسی لفظ کو الٹ کر کہا "بے خطا ترک است" یعنی قطعًا وہ ترک ہی، خواجہ صاحب نے کہا چونکہ تم کو

ؔ جس نسخہ سے یہ رباعی نقل کی ہی وہ غلط تھا مینے اسی طرح نقل کر دیا،

دربار سلطانی سے تعلق ہو اس لیے تم کو سلطانی تخلص رکھنا چاہیے چنانچہ تحفۃ الصغر کی اکثر غزلوں مین یہی تخلص ہی،

امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ عربی کی تحصیل تمام تر تہی لیکن تذکرہ نویسون نے اسکے متعلق کچھ تفصیل نہین لکھی، تاہم یہ قطعی ہی کہ ۱۵-۲۰ برس کی عمر مین یہ تمام درسی علوم و فنون سے فارغ ہو چکے تھے،

درباری تعلقات امیر خسرو جب سن رشد کو پہونچے تو دلی کے تخت پر سلطان غیاث الدین بلبن صدر نشین تھا جو ۶۶۴ھ مین تخت حکومت پر بیٹھا تھا، اسکے امراے دربار مین سے کشلو خان معروف بہ چھجو[۲] بہت بڑی رتبہ کا سردار تھا، وہ سلطان کا بھتیجا اور باربکی کے عہدے پر مامور تھا،

[۱] یہ تمام حالات اپنے امیر خسرو نے خود تحفۃ الصغر مین لکھے ہین [۲] چھجو خان کا نام تاریخون مین اسطرح مختلف لقب اور خطاب سے آتا ہے کہ دھوکا ہوتا ہے کہ ایک شخص ہی یا کئی ہین، امیر خسرو غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ مین نانا کی وفات کے بعد سب سے پہلے خان معظم کشلو خان عرف چھجو کے دربار مین پہونچا، اس سے اس قدر ثابت ہوا کہ کشلو اور چھجو ایک ہی شخص ہین، بدایونی (صفحہ ۱۰۵ جلد اول) مین ہے کہ چھجو آخر مین کڑہ مانک پور کے ساتھ سامانہ کا حاکم مقرر ہوا تہا، اور سلطان معز الدین کیقباد نے اسکی بیٹی سے شادی کی تہی،

فرشتہ مین لکھا ہی کہ علاء الدین محمد بن اعز الدین، سلطان غیاث الدین بلبن کا برادرزادہ تہا، سلطان نے اسکو باربک مقرر کر کے خان اعظم کو کشلی خان خطاب دیا، بدایونی (صفحہ ۱۴۶) مین ملک چھجو کو برادرزادہ سلطان غیاث الدین لکھ کر لکھا ہی کہ اس کو کشلو خان خطاب ملا تہا، ان تمام عبارتون کو ملاؤ تو ثابت ہو گا کہ علاء الدین کشلو خان، چھجو ایک ہی شخص ہین،

فرشتہ مین لکھا ہی کہ مجلس آرائی اور جود و کرم کی وجہ سے حاتم کی طرح مشہور ہو گیا تھا اور مصر، شام، روم، بغداد، عراق، خراسان، ترکستان، وغیرہ سے اہل کمال اور شعرا اسکے دربار مین آتے تھے اور کامیاب ہو کر جاتے تھے، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ جو کچھ نقد اسباب سامان تہا سب لٹا دیا، یہانتک کہ خود اسکے بدن پر پیرہن کے سوا کچھ نہ رہا

امیر خسرو کو جیسا کہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھا ہی سب سے پہلے اسکے دربار مین رسائی حاصل ہوئی اور دو برس تک اسکے دربار مین ملازم رہے، چنانچہ اکثر قصیدے اس کی مدح مین لکھے ہین، ایک قصیدہ مین مدح کی تمہید لکھتے ہین،

بود نہان آفتاب آن دم کہ صبح ہمدمی با باد عنبر بو نمود
صبح را گفتم کہ خورشیدت کجا است آسمان روے ملک چھجو نمود

امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر مین لکھا ہی،

زشاہان کسے کاو لم کرد یاد معز الدنا بود شہ کیقباد

لیکن اس سے کشلو خان کی اولیت پر حرف نہین آتا، کشلو خان امرا مین سے تہا، بادشاہ نہ تہا بادشاہون مین سے البتہ سب سے پہلے جس نے امیر کی قدردانی کی وہ معز الدین کیقباد تھا، امیر خسرو اکثر کشلو خان کے دربار مین قصیدے لکھکر لیجاتے اور مجلس گرم کرتے تھے،

ایکدن اتفاق سے بغرا خان (سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا) بھی موجود تہا اور شعر و شاعری کے چرچے ہو رہے تھے، شمس الدین دبیر، اور قاضی اثیر جو مشہور شعرا مین سے تھے وہ بھی حاضر تھے، امیر خسرو نے اپنی زمزمہ سنجی سے یہ سمان باندھا کہ بغرا خان نہایت متاثر

ہوا، اور صلہ کے طور پر لگن بھر کر روپے دیے کتلوخان کو یہ ناگوار ہوا کہ اسکا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے، چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوے امیر خسرو نے اسکے بعد بار بار مختلف موقعون پر اسکی تلافی کرنی چاہی لیکن کتلوخان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی،

بغرا خان سامانہ کا حاکم تھا، امیر خسرو نے ملک چھجو سے مایوس ہو کر سامانہ کا قصد کیا، بغرا خان نے نہایت قدر و عزت کی اور ندیم خاص بنایا، اسی زمانہ نے یعنی ۶۷۶ھ مین لکھنوتی (بنگال) مین طغرل نے بغاوت کی اور شاہی لشکر کو بار بار شکستین دین، بالآخر سلطان غیاث الدین بلبن نے خود اس مہم پر جانے کی تیاریان کین اور بغرا خان کو ساتھ لیا امیر خسرو بھی اس سفر مین ساتھ گئے، سلطان غیاث الدین اس بغاوت کو فرو کر کے دلی واپس آیا اور بنگالہ کی حکومت بغرا خان کو عنایت کی امیر خسرو کو اب زیادہ امن و اطمینان کا موقع حاصل تھا دربار کے شعرا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی ان کے قیام پر مصر تھے، لیکن وہ دلی کو بنگال کے معاوضہ مین نہین دیسکتے تھے، چنانچہ رخصت لیکر دلی مین آئے، اتفاق سے اسی زمانے مین سلطان غیاث الدین کا بڑا بیٹا

لہ یہ تمام حالات خود امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھے ہین، ۲ے تاریخ فرشتہ، ۳ے امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین ان واقعات کو خود لکھا ہے لیکن اسقدر پیچیدہ لکھا ہے کہ بڑی شکل سے اور تاریخون کے باہم مقابلہ کرنے سے اصل حال کا پتہ چلتا ہے ایک اور وقت یہ ہے کہ غرۃ الکمال کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ نہایت غلط اور گویا بالکل مسخ ہے،

ملک محمد قاآن (مشہور بہ خان شہید) دلّی مین آیا تھا، وہ نہایت قابل، صاحب علم، فیاض اور قدردان علم و فن تھا، تہذیب و متانت کا یہ حال تھا کہ جب دربار مین بیٹھتا تو گو کبھی کبھی دن کا دن گزر جاتا تھا، لیکن زانو نہین بدلتا تھا، اس کی مجلس مین ہمیشہ شاہنامہ، دیوان خاقانی انوری، خمسۂ نظامی کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ایک بیاض تیار کی تھی جس مین اپنے مذاق کے موافق بیس ہزار شعر انتخاب کرکے درج کیے تھے، تاریخ فرشتہ مین لکھا ہو کہ ان اشعار کے حسن انتخاب پر امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی داد دیتے تھے،

یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو سلطان غیاث الدین نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہات آئی ارباب ذوق اس کی نقلین لیتے تھے اور بیاضون مین درج کرتے تھے[۱]

امیر خسرو کی شاعری کا شہرہ ہو چکا تھا، سلطان محمد نے ان کو بلا کر شعراے خاص مین داخل کیا، اور جب وہ ملتان کا حاکم مقرر ہو کر گیا تو انکو اور انکے ساتھ حسن دہلوی کو بھی ساتھ لیگیا، پانچ برس تک یہ اسکے دربار مین رہی، اس زمانہ مین ہلاکو خان کا پوتا ارغو خان ایران کا حکمران تھا، اسکے امرا مین سے تیمور خان بیس ہزار سوار لیکر لاہور اور دیبالپور کو فتح اور غارت کرتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا، سلطان محمد قاآن نے ملتان سے نکلکر تیمور خان کو شکست دی، لیکن چونکہ ظہر کی نماز نہین پڑھی تھی ایک تالاب کے کنارے پانچسو آدمیون کے ساتھ نماز مین مشغول ہوا، یہ موقع پاکر تاتاریون نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا

[۱] تاریخ فرشتہ

سلطان محمد نے اپنی نمازیون کے ساتھ نماز سے فارغ ہوکر تاتاریون کا مقابلہ کیا اور گو بار بار ان کو شکستین دین لیکن اتفاق سے ایک تیر آکر لگا اور زخم کھا کر مر گیا، [1]

امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی اس معرکہ مین شریک تھے چنانچہ تاتاری انکو گرفتار کر کے بلخ لے گئے، یہ واقعہ ۶۸۳ھ مین پیش آیا، امیر خسرو نے نہایت پراثر مرثیے لکھے اور دلی بھیجے، مہینون تک لوگ گھر گھر ان مرثیون کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزون پر نوحہ کرتے تھے، چند اشعار ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

واقعہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید — آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را — رخنۂ کا مسال در ہندوستان آمد پدید

مجلس یاران پریشان شد چو برگ گل ز باد — برگ ریزی گوئی اندر بوستان آمد پدید

بسکہ آب چشم خلقے شد روان در چارسو — پنج آبے دیگر اندر مولتان آمد پدید

جمع شد سیارہ در چشم مگر طوفان شود — چون بہ برج آبی انجم را قران آمد پدید

من نخواہم جز ہمان جمعیت این کے شود

خود محال ست این بنات النعش پروین کے شود

تا چہ ساعت بد کہ شاہ از مولتان لشکر کشید — تیغ کافرکش برائے کشتن کافر کشید

انچہ حاضر بود لشکر لشکر دیگر نہ جست — زانکہ رستم را نشاید منت لشکر کشید

چون خبر کردند ش از دشمن ان قوت کرد اشت — بے محابا خشم در سر کرد و رایت بر کشید

---

[1] تاریخ فرشتہ و ۶۸۲ھ بدایونی صفحہ ۱۳۱،

یک شش از مولتانش تا بہ لاہور افتاد | یعنی اندر عہد من کافر تو اند سر کشید
آنچنان رنگین کنم امسال خاک از خون شان | کز زمین باید شفق را گونۂ احمر کشید
او درین تدبیر و آگہ نے کہ تدبیر فلک | صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت در کشید

تا چہ ساعت بُد کہ کافر بر سرِ لشکر کشید
جوق جوق از آب بگزشتند و ناگہ در رسید

بہت بڑا مرثیہ ہی اور لڑائی کی تمام کیفیت لکھی ہی، اخیر کے بند جہان شہزادہ کی شہادت کا ذکر ہی نہایت پر اثر ہین،

دو برس کے بعد امیر نے کسی طرح تاتاریونکے ہات سے رہائی پائی، اور دلّی مین آئے خان شہید کے مرنے پر جو مرثیہ لکھا تھا، غیاث الدین بلبن کے دربار مین جاکر پڑھا دربار مین کہرام پڑ گیا، کسی کو کسیکا ہوش نہ تھا، سلطان اس قدر رویا کہ بخار آگیا اور بالآخر اسی صدمہ مین انتقال کر گیا،

امیر دلّی سے پٹیالی مین آئے اور گنگ کے کنارے قیام پذیر ہوے، ۶۸۶ھ مین سلطان غیاث الدین بلبن نے وفات پائی اور درباریون نے اسکے خلاف وصیت، اسکے پوتے کیقباد کو جو بغرا خان کا بیٹا تھا، تخت نشین کیا،

کیقباد نے امیر خسرو کو دربار مین طلب کیا لیکن چونکہ عنان سلطنت ملک نظام الدین کے ہات مین تہی، اور وہ امیر سے صاف نہ تھا امیر نے تعلق پسند نہ کیا اور خان جہان جو امرا ے شاہی مین تھا اُس کی ملازمت اختیار کی،

خان جہان اودھ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور امیر کو ساتھ لیگیا، چنانچہ خود قران السعدین مین فرماتے ہین،

خان جہان حاتم مفلس نواز　　گشت بہ اقطاع اودہ سرفراز
من کہ بدم چاکر او بیش ازان　　کرد کرم انچہ کہ بد بیش ازان
تا ز چنان بخشش خاطر فریب　　بندہ شدہ لازمۂ آن رکیب
در اودم بر د ز لطف چنان　　کیست کہ از لطف بتابد عنان
در اودہ از بخشش او تا دو سال　　ہیچ غم و نالہ نبود از مثال

دو برس تک اودھ مین رہے، ان کی والدہ کو ان سے حد سے زیادہ محبت تھی، وہ دلی مین تھین، اور انکے خطوط آتے رہتے تھے کہ مین تم سے دور رہکر زندہ نہین رہ سکتی امیر کو بھی مان سے بے انتہا محبت تھی، چنانچہ سب تعلقات چھوڑ کر دلی مین آئے، مان نے گلے سے لگالیا اور آنکھون سے محبت کے دریا بہائے،

مادرم آن خستۂ تیمار من　　چون نظر افگند بہ دیدار من
پردہ ز روئے شفقت بر گرفت　　اشک فشانان بہ برم در گرفت

کیقباد جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو عیاشی اور رندی شروع کی، اسکا باپ بغرا خان بنگال مین تھا، یہ حالت سنکر بنگال سے روانہ ہوا، کیقباد نے ناخلفی سی باپ کا مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک عظیم الشان فوج تیار کرکے دلی سے روانہ ہوا، راہ مین نامہ و پیغام ہوتے رہے آخر صلح پر خاتمہ ہوا اور کیقباد دلی کو واپس آگیا،

امیر خسرو نے باپ بیٹے کے اتحاد اور مصالحت پر ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہین،

زہے ملک خوش چون دو سلطان یکے شد	زہی عہد خوش چون دو پیمان یکے شد
پسر بادشاہے، پدر نیز سلطان	کنون ملک بین چون دو سلطان یکے شد
زمہر جہانداری و بادشاہی	جہان را دو شاہ جہانبان یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان	کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہان کیقبادے	کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد

کیقباد چاہتا تھا کہ یہ واقعات نظم کے پیرایہ مین آئین امیر خسرو کو بلا کر یہ خواہش ظاہر کی چنانچہ امیر نے چھ مہینے کی مدت مین قرآن السعدین لکھی، جس مین باپ بیٹے کے مراسلات اور ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہی، اسوقت امیر کی عمر ۳۶ برس کی تھی اور سنہ ہجری ۶۸۸ تھا چنانچہ خود فرماتے ہین،

ساختہ گشت از ردش خامہ	از پس شش ماہ چنین نامہ
در رمضان شد بہ سعادت تمام	یافت قران نامہ سعدین نام
انچہ بہ تاریخ زہجرت گزشت	بود سن ششصد و ہشتاد و ہشت
سال من امروز اگر بر رسے	راست بگویم ہمہ شش بود و سی ۳۶

کیقباد عیاشی مین بیمار رہ کر تین برس حکومت کے بعد ۶۸۹ھ مین مرگیا یا مارا گیا، اسکی بعد اسکا

لہ بدایونی،

خرد سال بیٹا شمس الدین کیکاوس تخت نشین ہوا، وہ بالکل بچہ تھا تین مہینے کے بعد امرائے دربار نے تخت سے اُتار کر قید کر دیا، اب اس خاندان مین کوئی شخص دعویدار سلطنت نہین رہا تھا اس لیے ترکی امرائے دربار مین سے ملک فیروز شائستہ خان خلجی جس کی عمر ۷۰ برس کی تھی اور جس نے دربار مین بڑا اثر حاصل کیا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا، اور سلطان جلال الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا، وہ بڑے عظمت اور اقتدار و جاہ و جلال کا بادشاہ تھا اسکے ساتھ نہایت صاحب مذاق، رنگین طبع، خوش صحبت تھا شعر بھی کہتا تھا، چنانچہ بدایونی نے اسکے دو شعر بھی نقل کیے ہین،

آن زلف پریشانت ژولیدہ نمے خواہم | دان روی چو گلنارت تفسیدہ نمے خواہم
بے پیرمنت خواہم یک شب بکنار آئی | ہان بانگ بلند ست این پوشیدہ نمے خواہم

احباب اور شریک صحبت بھی جسقدر تھے، سب قابل اہل فن، موزون طبع اور رنگین مزاج تھے، مثلاً ملک تاج الدین کرجی، ملک فخر الدین، ملک اعزالدین ملک قرا بیگ، ملک نصرت، ملک حبیب، ملک کمال الدین، ابو المعالی، ملک نصیر الدین کمرانی، ملک سعدالدین، انیس اور ہم صحبت تھے،

اسی طرح اکثر بڑے بڑے اہل کمال ندیمی کے لیے انتخاب کیے تھے، چنانچہ تاج الدین عراقی خواجہ حسن دہلوی، موید جاجرمی، موید دیوانہ، امیر ارسلان، اختیار الدین باقی ندمائے خاص مین تھے، ساقی، مغنی اور مطرب بھی وہ لوگ تھے جو زمانہ مین انتخاب تھے، مثلاً امیر خاصہ، حمید، راجہ، نظام، محمد شاہ، نصیر خان، بہروز

ایسے گوناگون صاحب مذاق بادشاہ کے دربار کے لیے امیر خسرو سے زیادہ کون موزون ہوسکتا تہا، وہ عالم بھی تھے، فاضل بھی، مغنی بہی، مطرب بہی اور شاعر تو تھے ہی،

معزالدین کیقباد کے زمانہ مین جب سلطان جلال الدین عارض تہا، اسیوقت اسنے امیر خسرو کو قدردانی کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ معقول مشاہرہ مقرر کرکے خاص اپنا لباس عنایت کیا تھا، تخت پر بیٹھا تو امیر کو ندیم خاص بنایا اور مصحف[ل] داری اور امارت کا عہدہ دیا، اسکے ساتھ جامہ اور کمر بند جو امراء کبار کا مخصوص لباس تھا انکے لیے مقرر کیا، امیر خسرو جو "امیر" کے خطاب سے پکارے جاتے ہین اس کی وجہ یہی ہی،

امیر نے جلال الدین خلجی کے تمام فتوحات نظم کیے اور تاج الفتوح نام رکھا اسکی تفصیلی کیفیت آگے آئیگی، جلال الدین خلجی کو اسکے بھتیجے سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ مین دہوکے سے قتل کرادیا، اور خود تخت نشین ہوا، سلطان علاء الدین نے اگرچہ دغا اور بے رحمی سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا اور اگرچہ سخت دلی اور سفاکی اسکی طینت کا جوہر تھا، تاہم بہت بڑے عزم و استقلال اور شوکت و شان کا فرمان روا گزرا ہے، تعجب انگیز فتوحات اور انتظامی کارنامونکو چھوڑکر علمی فیاضیان بھی کچھ کم حیرت خیز نہین اسکا دربار فقراء علماء فضلا شعراء سے ہروقت معمور رہتا تھا، ان مین بعض کے نام حسب ذیل ہین[۲]،

قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی فخر الدین کرانی، مولنا نصیر الدین غنی، مولنا تاج الدین مقدم،

[ل] جنکو قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوتی تھی اسکو مصحف دار کہتے تھے،

[۲] یہ فہرست بدایونی سے ماخوذ ہے،

قاضی ضیاء الدین، مولنا ظہیر الدین لنگ، مولنا ظہیر الدین بھکری، قاضی زین الدین ناقلہ،
مولنا شمر کتی، مولنا نصیر الدین رازی، مولنا علاء الدین صدر شریف، مولنا میران بابک کلہ،
مولنا نجیب الدین بیانوی، مولنا شمس الدین، مولنا صدر الدین، مولنا علاء الدین لاہوری،
قاضی شمس الدین کازرونی، مولنا شمس الدین نخشبی، مولانا شمس الدین، مولنا صدر الدین بادہ،
مولنا معین الدین دہلوی، مولنا افتخار الدین رازی، مولانا معیر الدین اندرپتی، مولنا نجم الدین،
مولنا حمید الدین بلوری، مولنا علاء الدین کرگ، مولنا حسام الدین سادہ، محی الدین کاشانی،
مولنا کمال الدین کوہی، مولنا وجیہ الدین کابلی، مولنا منہاج الدین، مولنا نظام الدین کلاتی،
مولنا نصیر الدین کری، مولنا نصیر الدین بوبی، مولنا علاء الدین تاجر، مولنا کریم الدین جوہری،
مولنا محب ملتانی، مولنا حمید الدین، مولنا برہان الدین بھکری، مولانا افتخار الدین،
مولنا حمید الدین ملتانی، مولنا گل محمد شیرازی، مولانا حسام الدین سرخہ، مولنا شہاب الدین
ملتانی، مولنا فخر الدین نسوی، مولنا فخر الدین شقاقلی، مولنا علیم الدین،

قراء مولنا نشاطی، مولنا علاء الدین سغری، خواجہ زکی،

واعظین، مولنا حسام الدین درویش، مولنا شہاب الدین، مولنا کریم،

شعراء خواجہ حسن دہلوی، صدر الدین عالی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ، مولانا عارف عبد الحکیم، شہاب الدین، لیکن امیر خسرو کے آفتاب کمال نے ان تمام ستارون کو بے نور کر دیا تھا،

چنانچہ اس وسیع مرقع مین صرف امیر موصوف کی تصویر نمایان نظر آتی ہے، انکے بعد

اگر کسی کے خط و خال پہچانے جاتے ہین تو وہ خواجہ حسن ہین کہ وہ بھی امیر ہی کا فیض ہی، علاء الدین نے امیر خسرو کا ایک ہزار سالانہ ٹنکہ مقرر کیا تھا[1]، امیر نے سلطان علاء الدین کی تمام فتوحات کو نہایت تفصیل سے لکھا، جسکا نام خزائن الفتوح ہی، تفصیل اسکی آگے آئے گی،

۶۹۸ھ مین امیر کی والدہ اور ان کے بھائی حسام الدین نے انتقال کیا، چنانچہ لیلی مجنون مین اس واقعہ کو نہایت پُر درد مرثیہ کی صورت مین لکھا ہے، نظامی کی پنج گنج کا جواب اسی زمانہ مین لکھا، چنانچہ ہر کتاب سلطان علاء الدین کے نام سے معنون ہی، سب سے آخری مثنوی ہشت بہشت ہی جو ۷۰۱ھ مین تمام ہوئی،

اسی زمانہ مین امیر نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ہات پر بیعت کی چنانچہ تفصیل آگے ہوگی، سلطان علاء الدین نے ۲۱ برس کی حکومت کے بعد ۷۱۶ھ مین وفات کی، اسکے بعد اسکا بیٹا شہاب الدین (مدت حکومت ۳ ماہ) اور اسکے بعد ۷۱۷ھ مین قطب الدین مبارک بن علاء الدین خلجی، بادشاہ ہوا، وہ اگرچہ نہایت عیاش، بے مغز، اور سبک سر تھا، لیکن امیر کی قدردانی سب سے بڑھکر کی، چنانچہ امیر نے جب ۷۱۸ھ مین اسکے نام پر مثنوی نُہ سپہر لکھی تو ہاتی برابر تول کر روپے دیے، چنانچہ خود امیر قطب الدین کی زبان سے لکھتے ہین،

بہ تاریخ ہمچون من اسکندرے — کند ہر کہ آرائش دفترے

[1] تاریخ فرشتہ، غالباً یہ طلائی سکہ ہوگا،

زگنج گران مایۂ بے شمار | دہم بار بخشش نہ آن پیلبار
مرا خود درین رہ پدر شہ دلیل | کہ مید اد زر، ہم ترازوے پیل
شناسد کسے کش خرد رہنمون | کہ از پیلبار است وزنش فزون
چو میراث شد بیل زر دادنم | نہ زیبا است زین سہل تر دادنم
شہا! گنج بخشا! کرم گسترا! | معانی شناسا سخن داورا
چنین بخششے کز تو جم یافتم | در ایام پیشینہ کم یافتم
کنون لا مد از سحر سنج چو من | بہ اندازۂ بخشش آمد سخن

قطب الدین خلجی نے ایک ہندو نو مسلم غلام کو خسرو خان کا خطاب یکر قلمدان وزارت عطا کیا تھا، اسنے ۷۲۱ھ مین قطب الدین کو قتل کر کے، خود تخت حکومت پر جلوس کیا، چونکہ اُسنے دربار مین تمام ہندو بھر دیئے اور خاندان شاہی پر طرح طرح کے ظلم کیے، امرا نے بغاوت کی، چنانچہ ۵ مہینے کی حکومت کے بعد ۷۲۱ھ مین غازی ملک کے ہات سے قتل ہوا، اب خلجی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور امرای دربار مین سے غازی ملک نے جسکا باپ سلطان غیاث الدین بلبن کا تُرکی غلام اور مان اسکی ہندنی تھی، دربار مین پکار کر کہا کہ مجکو تخت سلطنت کی آرزو نہین، خاندان شاہی سے کسی کو تخت نشین کیا جائے، لیکن چونکہ خلجی خاندان مین سے کوئی شخص باقی نہین رہا تھا اور ملک غازی کی خدمات کا تمام دربار معترف تھا، اس لیے سبنے بہ اتفاق اسی کو بادشاہ بنایا، وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا، اسنے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور نئی نئی فتوحات حاصل کین،

تغلق آباد کا مشہور قلعہ اسی کی یادگار ہے امیر خسرو کی اسنے نہایت قدردانی کی اور ان کو دولت اور مال سے نہال کر دیا، امیر نے بھی اسکے احسانات کا حق ادا کیا چنانچہ اسکے نام پر تغلق نامہ لکھا، جو تغلق کے عہد حکومت کی مفصل تاریخ ہے،

تغلق نے جب بنگال کا سفر کیا تو امیر خسرو ساتھ گئے، تغلق واپس آیا لیکن امیر خسرو وہین رہگئے، اسی اثنار مین خبر مشہور ہوئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے انتقال کیا امیر یلغار کرتے ہوے دلی مین آے اور جو کچھ زر و مال پاس تھا خواجہ صاحب کے نام پر نثار کر دیا، ماتمی سیاہ کپڑے پہن کر خواجہ صاحب کی قبر پر مجاور ہو بیٹھے، چھ مہینے کے بعد وفات ذیقعدہ ۷۲۵ھ مین انتقال کیا، خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میرے پہلو مین دفن کرنا، لوگون نے اس وصیت کی تعمیل کرنا چاہی، لیکن ایک خواجہ سرانے جو وزارت کا منصب رکھتا تھا کہا کہ لوگون کو دونون قبرون کی تمیز کرنے مین دھوکا ہوگا، غرض خواجہ صاحب کے پائنتی دفن کیا، اور اس سے بڑھکر ان کی کیا خوش قسمتی ہوسکتی تھی،[1] ان کا مقبرہ مہدی خواجہ نے جو سلطان بابر کے امرا مین سے تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب معمائی نے تاریخ لکھکر لوح پر کندہ کرائی،

شد "عدیم المثل" یک تاریخ او وان دگر شد "طوطی شکر مقال"

خاندان و آل و اولاد، امیر کو خدا نے فرزندان معنوی کے علاوہ اولاد ظاہری بھی عنایت کی تھی،[2] انکے ایک صاحبزادہ کا نام ملک احمد ہے، وہ شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے دربار

---

[1] خزانہ عامرہ، [2] فرشتہ حالات خسرو،

مین ندیم تھے، ان کی شاعری نے چندان فروغ حاصل نہین کیا، لیکن شعر اور شاعری کے دقائق سے خوب واقف تھے، اشعار کے عیب و ہنر کو خوب پرکھتے تھے، اور نہایت نازک اور دقیق نکتے پیدا کرتے تھے چنانچہ اکثر اساتذہ کے اشعار پر جو حرف گیریان کین عموماً اہل فن اسکو تسلیم کرتے ہین، ظہیر کا شعر ہے،

کلاہ گوشۂ حکم تو از طریق نفاذ　　ربودہ از سر گردون کلاہ جباری

ملک موصوف نے ربودہ کو فگندہ سے بدل دیا جس سے مصرع کی ترکیب چست ہوگئی، بخیل کی ہجو مین مشہور شعر ہے،

این سہل بود کہ گو گر دِ سُرخ خواست　　گر نان خواجہ خواستی آن راچہ کردمے

ملک صاحب نے یون اصلاح دی،

این سہل بود کہ آب حیات خواست　　گر نان خواجہ خواستی آن راچہ کردمے

نان کے ساتھ آب حیات کے مقابلہ نے لطف پیدا کر دیا،

ایک اور شعر تھا،

گر مشک خواند خاک درت را فلک مرنج　　نرخ گہر بہ طعن خریدار نشکند

ملک موصوف نے پہلے مصرع کو یون بدل دیا،

گر لعل خواند سنگ درت مشتری مرنج،

لیکن انصاف یہ ہی کہ امیر خسرو کی یادگار سے ہم اس سے زیادہ توقع رکھتے تھے، بدایونی نے ان اصلاحون کو نقل کرکے سچ لکھا کہ "ملک احمد چونکہ خسرو کی یادگار تھے اسلیے

بادشاہ اور درباری اسکو بھی امیر کا تبرک سمجھتے تھے اور غنیمت جانتے تھے،

امیر خسرو کی ایک صاحبزادی تھین لیکن سخت افسوس ہے کہ اس زمانہ مین عورتونکی ایسی بیقدری تھی کہ امیر کو اُنکے پیدا ہونے کا رنج تھا، جب وہ سات برس کی ہوئین تو امیر نے لیلی مجنون لکھی، اس مین صاحبزادی سے خطاب کرتے ہین،

اے زعفت فگندہ بر قع نور — ہم عفیفہ بنام وہم مستور
کاش ما تو ہم بہ چہ بودے — در رحم طفل ہشت مہ بودے
لیک چون دادہ خدائی روست — با خداداد گان ستیزہ خطا است
من پذیرفتم انچہ یزدان داد — کانچہ او داد با زنتوان داد
پدرم ہم زمادر است آخر — مادرم نیز دختر است آخر

پہلے آرزو کی ہے کہ کاش تم نہ پیدا ہوتین، یا ہوتین تو بیٹی کے بجائے بیٹا ہوتین، پھر طرح طرح کی تاویلون سے دل کو تسلی دی ہے کہ خدا کے دیے کو کون ٹال سکتا ہے اور آخر میرا باپ بھی تو عورت سے پیدا ہوا، اور میری مان بھی تو آخر عورت ہی تھی،

صاحبزادی کو جو نصیحتین کی ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین عورتونکی حالت نہایت پست تھی، امیر خسرو اس قدر صاحب دولت وثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہین کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی جھروکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر نہ جھانکنا،

دوک و سوزن گزاشتن نہ فن است — کالت پردہ پوشی بدن است

پا بہ دامان عافیت سرکن | رو بہ دیوار و پشت بر در کن
در تماشای روزنت ہوس است | روزنت چشم سوزن تو بس است

امیر کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی، بڑی عمر کو بھی پہنچکر وہ اس جوش محبت سے مان سے ملتے تھے جس طرح چھوٹے بچے مان سے لپٹ جاتے ہین اودھ کی معقول ملازمت صرف اس بنا پر چھوڑ دی کہ مان دلی مین تھین اور ان کو یاد کیا کرتی تھین اودھ سے جب دلی مین آئے ہین تو مان سے ملنے کا حال اس جوش سے لکھا ہی کہ لفظ لفظ سے محبت کی شراب ٹپکتی ہی؛

ایک موقع پر جب مان سے ملے ہین اور مان نے سینہ سے لگایا ہی تو ایک شعر بے اختیار زبان سے نکلا ہی جسکا مطلب یہ ہی کہ مان کا سینہ بہشت ہی، چنانچہ دو نہرین دودھ کی اس مین جاری ہین، ۶۹۸ھ مین اُنہون نے انتقال کیا، اسی سال اُنکے چھوٹے بھائی حسام الدین نے بھی انتقال کیا، لیلی مجنون مین دونون کا مرثیہ ایک ساتھ لکھا ہی؛

امسال دو نور ز اخترم رفت | ہم مادر و ہم برادرم رفت
یک ہفتہ ز بخت خفتۂ من | گم شد دو مہ دو ہفتۂ من
بخت از دو شکنجہ داد پیچم | چرخ از دو طانچہ کرد ہیچم
ماتم دو شد و غمم دو افتاد | فریاد کہ ماتمم دو افتاد
حیف است دو داغ چون منے را | یک شعلہ بس است خرمنے را

یک سینہ دو بار برنگیرد | یک سر دو خمار برنگیرد
چون مادر من بزیر خاک است | گر خاک بسر کنم چہ باک است
اے مادر من کجائی آخر | روی از چہ نمی نمائی آخر
خندان ز دل زمین بردن آئی | برگریۂ زار من بہ بخشای
ہر جا کہ ز پای تو غباری است | ما را ز بہشت یادگاری است
ذات تو کہ حفظ جان من بود | پشت من و پشت بان من بود
روزے کہ لب تو در سخن بود | پند تو صلاح کار من بود
امروز منم بہ مہر پیوند | خاموشی تو ہمی دہد پند

اڑتالیس برس کی عمر میں ماں کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کمسن بچہ ماں کے لیے بلکتا ہے، اس سے آگے بھائی کے مرثیہ کے شعر ہیں اور وہ بھی خون جگر سے رنگین ہیں:

امیر خسرو اگرچہ خاندان کے اثر سے شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے اور اسی قسم کی زندگی بسر کرتے تھے جو عام دنیاداروں کا طریقہ ہے لیکن یہ امر ان کی اصل فطرت کے خلاف تھا، درباداری، خوشامد اور شخص پرستی سے ان کو طبعی نفرت تھی اور موقع بموقع یہ خیالات بے اختیار ان کی زبان نکل جاتے تھے۔ لیلی مجنون ۶۹۸ھ میں لکھی تھی جب ان کو سلطان علاء الدین خلجی جیسے جبار بادشاہ سے تعلق تھا، تاہم خاتمہ میں لکھتے ہیں:

شب تا سحر و ز صبح تا شام | در گوشۂ غم نگیرم آرام
با شمع زبر اسے نفس خود را | پیش چو خودے، ستادہ بر پای

اسپر مزید یہ ہوا کہ انکے والد نے انکو آٹھ برس کی عمر مین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے قدمون پر ڈال دیا تھا اور برکت کے لیے بیعت کرا دی تھی، خواجہ صاحب کی روحانی تاثیر چپکے چپکے اپنا کام کرتی جاتی تھی، امیر خسرو کی طبیعت مین عشق و محبت کا مادہ بھی ازلی تھا وہ سر تا پا عشق تھے اور یہ بجلی ان کی رگ رگ مین کوندتی پھرتی تھی آخر یہ نوبت پہونچی کہ ۶۷۱ھ مین جیسا کہ خود فضل الفوائد مین لکھا ہی خواجہ صاحب کے ہات پر دوبارہ بیعت کی خواجہ صاحب نے چار گوشہ کی ٹوپی جو اس سلسلہ کی نشانی تھی عنایت کی اور مریدان خاص مین داخل کیا، قدرت اللہ قدرت نے طبقات الشعرا مین لکھا ہی کہ امیر نے جب خواجہ صاحب سے بیعت کی تو جو کچھ نقد و اسباب تھا، سب لٹا دیا اور پا بدامن ہو کے بیٹھ گئے،

خواجہ صاحب سے امیر کی ارادت اور عقیدت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور گویا انکا جمال دیکھکر جیتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی انکے ساتھ یہ تعلق تھا کہ فرمایا کرتے تھے ،، کہ جب قیامت مین سوال ہوگا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کر دونگا،، دعا مانگتے تھے تو خسرو کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے، الٰہی

بسوز سینۂ این ترک مرا بہ بخش،

ایکدفعہ خواجہ صاحب لب دریا ایک کوٹھے پر بیٹھ کر، ہندوونکی عبادت اور اشنان کا تماشا دیکھ رہے تھے، امیر خسرو بھی حاضر تھے خواجہ صاحب نے فرمایا دیکھتے ہو،

ع ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے

اسوقت خواجہ صاحب کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی امیر نے اس کی طرف اشارہ کرکے

برجستہ کہا، ع

ما قبلہ راست کردیم برطرف کجکلاہے

جہانگیر نے تزک جہانگیری مین لکھا ہے کہ میری مجلس مین قوال یہ شعر گا رہے تھے، مینے اسکا شان نزول پوچھا، ملا علی احمد مُہرکن نے واقعہ بیان کیا، مصرع آخر کے ختم ہوتے ہوتے ملا کی حالت بدلنی شروع ہوئی یہان تک کہ غش کھا کر گرے، دیکھا تو دم نہ تھا۔[1]

خواجہ صاحب نے امیر خسرو کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارتے تھے امیر نے جا بجا اسپر فخر کیا ہے، چنانچہ ایک قصیدہ مین جو خواجہ صاحب کی مدح مین ہے فرماتے ہین،

برزبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت دست ترک اللہ گیر وہم بہ اللہش سپار

خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میری قبر کے پہلو مین دفن کرنا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر مین دو لاشون کا دفن کرنا جائز ہوتا تو مین اپنی ہی قبر مین ان کو بھی دفن کراتا،

امیر نے تصوف مین جو مدارج حاصل کیے، اُن کو ہم نہ جان سکتے اور نہ بیان کرسکتے ہین، یہ البتہ نظر آتا ہے کہ امیر کا ہر شعر جو بجلیان گراتا ہے وہ اسی وادی ایمن کی شرر باریان ہین،

امیر کی صوفیانہ زندگی کا ایک بڑا واقعہ حسن دہلوی کے تعلقات ہین، حسن نہایت

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ علی گڈھ،

صاحب جمال تھے اور نان بائی کا پیشہ کرتے تھے، امیر کا عین شباب تھا کہ ایک دن اتفاق سے ان کی دوکان کے سامنے سے گزرے، آفتاب حُسن کی شعاعین ان پر بھی پڑ گئین وہین ٹھہر گئے اور پوچھا کہ کس حساب سے روٹی بیچتے ہو حسن نے کہا کہ ایک پلڑے مین روٹی رکھتا ہون اور خریدار سے کہتا ہون کہ دوسرے پلّہ مین سونا رکھے، سونے کا پلّہ جھک جاتا ہے تو روٹی حوالہ کر دیتا ہون، امیر نے کہا اور خریدار مفلس ہو؟ حسن نے کہا تو سونے کے بدلے درد اور نیاز لیتا ہون، اس انداز گفتگو نے امیر کو اور بھی بے اختیار کر دیا، ف، نظام الدین اولیا کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا، حسن نے گو ناوک اندازی کی تھی، لیکن خود بھی شکار ہو گئے، اسیوقت دوکان بند کرکے خواجہ صاحب کی خدمت مین پہونچے، اور اپنے دلدادہ امیر خسرو سے ملے، اسی تعلق سے خواجہ صاحب کی خدمت مین اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔[۱]

امیر سے اس قدر تعلقات بڑھے کہ دونون ایکدم کے لیے بھی جدا نہین ہوتے تھے امیر نے جب خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی ساتھ ملازم ہو چنانچہ جب ملتان مین خان شہید کو تاتاریون نے ہلاک کیا تو خسرو کے ساتھ حسن بھی اس موقع پر موجود تھے دونون کے تعلقات کا چرچا زیادہ پھیلا تو لوگون نے خان شہید سے شکایت کی امیر نے

---

[۱] یہ واقعہ اکثر تاریخون اور تذکرون مین منقول ہے لیکن صاحب بہارستان سخن نے اسکی معقول بنا پر تکذیب کی ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عبارت نقل کی ہے "و بہ قیاس چنان در می آید کہ حسن را بہ نسبت امیر خسرو گونہ تقدم باشد، چہ امیر حسن را در مدح سلطان غیاث الدین بلبن قصائد غرا است و در کلام امیر خسرو در مدح سلطان کمتر چیزے میتوان یافت"

اس واقعہ پر یہ غزل لکھی،

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید	خسروا فرمان دل بردن ہمین بار آورد

خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر کے ملنے سے منع کردیا لیکن کچھ اثر نہوا،

خان شہید نے غصہ مین آکر حسن کے ہات پر کوڑے لگوائے، حسن سیدھے خسرو کے پاس گئے، خان شہید کو اسی وقت پرچہ لگا، نہایت متحیر ہوا اور امیر کو بلوا بھیجا، آئے تو کہا کیا حالت ہی؟ امیر نے آستین سے ہات نکال کر دکھایا اور کہا ع

گواہ عاشق صادق در آستین باشد،

دیکھا تو جہان حسن کے کوڑے لگے تھے وہین خسرو کے ہات پر بھی کوڑے کے نشان تھے[۱]،

چونکہ حسن کا تذکرہ ہم الگ نہین لکھتے، اور صنف غزل پر ان کا خاص احسان ہی، اسلیے ان کے شیدائی، امیر خسرو ہی کے تذکرہ مین ان کے اشعار نقل کرتے ہین،

خلق گویند دل از صبر بجا آور باز	ایدل از صبر نشانی دہ اگر جائے ہست
ایکہ نظارہ دیوانہ نہ کردی ہرگز	قدمے رنجہ کن این سوی کہ رسوائے ہست

برچون توئے دگر گزیدن	کارے دگرست کار من نیست
گفتی کہ چرا جدائی از من	این از فلک ست از حسن نیست

[۱] یہ تمام واقعات فرشتہ نے امیر خسرو کے تذکرہ مین لکھے ہین لیکن اخیر کا واقعہ آجکل کون تسلیم کریگا،

باز این دلم بہ سوی دلارام می رود — از دام جستہ باز بسوی دام می رود

ایام در بنیا مدہ بامابہ دوستی — وان شوخ ہم بہ سیرت ایام می رود

اے خواجہ! در محلہ تقویٰ قیام گیر — در کوی عاشقی نتوان نیکنام شد

عقلم کہ زین بر ابلق ایام می نہاد — آخر بتازیانۂ عشق تو رام شد

طرفہ سرکارے است کہ با وعدۂ معشوق — صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

از حسن این چہ سوال ست کہ معشوق تو کیست — این سخن را چہ جواب ست، تو ہم می دانی

دو سہ بار، با تو گفتم کہ مرا بہ ہیچ بستان — نہ شد اتفاق، شاید کہ بہ این بہا گرانم

تلخ کردم جہانیان را خواب — زان دعاہا کہ مستجاب نبود

اے حسن یار گر خطلے کرد — ہم شکایت ازو، صواب نبود

بہ تقویٰ نام نیکو بردہ بودم — نکورویان مرا بدنام کردند

گفتی کہ چرا حال دل خویش نہ گوئی — من خود کنم آغاز بہ پایان کہ رساند

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو سوز و گداز، اور جذبہ و اثر، انکے کلام مین موجود ہے

ان کے کشتۂ محبت (امیر خسرو) مین بھی نہین ہے

جامعیت در کمالات — ہندوستان مین چھ سو برس سے آجتک اس درجہ کا جامع کمالات نہین پیدا ہوا، اور سچ پوچھو تو اسقدر مختلف اور گوناگون اوصاف کی جامع، ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت مین دو ہی چار پیدا کیے ہونگے، صرف ایک شاعری کو لو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے، فردوسی، سعدی، انوری، حافظ،

عرفی، نظیری بے شبہہ اقلیم سخن کے جم ہو گے ہین، لیکن ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہین بڑھتے، فردوسی مثنوی سے آگے نہین بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہات نہین لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہین سکتا، حافظ، عرفی، نظیری، غزل کے دائرہ سے باہر نہین نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری مین غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، سب کچھ داخل ہی اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہای سخن یعنی تضمین، مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہین، تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس خصوصیت مین کسی کو انکی ہمسری کا دعوی نہین ہو سکتا، فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے صائب نے ایک لاکھ شعر سے زیادہ کہا ہے، لیکن امیر خسرو کا کلام کئی لاکھ سے کم نہین، اکثر تذکرون مین خود امیر خسرو کے حوالہ سے لکھا ہی کہ ان کا کلام تین لاکھ سے زیادہ اور چار لاکھ سے کم ہی، لیکن اس مین غالباً ایک غلط فہمی ہی، امیر نے ابیات کا لفظ لکھا ہی، اور قدما کے محاورہ مین بیت ایک سطر کو کہتے ہین چنانچہ نثر کی کتابون کے متعلق یہ تصریحین جا بجا نظر آتی ہین کہ اس مین اس قدر بیتین ہین

نوع شاعری

اشعار کی تعداد

ان سب پر مستزاد یہ کہ اوحدی نے تذکرہ عرفات مین لکھا ہی کہ امیر کا کلام جسقدر فارسی مین ہی اسیقدر برج بھاکا مین ہی کس قدر افسوس ہی کہ اس مجموعہ کا آج نام و نشان بھی نہین،

مختلف زبانون کی زباندانی کا یہ حال ہی کہ ترکی اور فارسی اصلی زبان ہی، عربی مین ادبای عرب کے ہمسر ہین،

…سکرت دانی

سنسکرت کے ماہر ہین، چنانچہ مثنوی نُہ سپہر مین تواضع کے لہجہ مین اسکا ذکر کیا ہی

ع من قدرے بر سر این کار شدم،

شاعری کے بعد نثاری کا نمبر ہی، اسوقت تک کسی نے نثر لکھنے کے اصول اور قاعدے نہین مرتب کیے تھے، انہون نے ایک مستقل کتاب اعجاز خسروی تین جلدون مین لکھی اور اگرچہ افسوس ہی کہ زیادہ تر زور، صنائع و بدائع پر بیکار گیا، لیکن انکی طباعی اور ذہانت سے کون انکار کر سکتا ہی،

موسیقی

موسیقی مین یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب، انکے بعد آجتک پھر کوئی شخص حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اسکی تفصیل مستقل عنوان مین آتی ہی،

فقر و تصوف

ان مختلف الحیثیات شغلون کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے، کہ گویا، عالم قدس کے سواد نیائے فانی کو نظر اُٹھا کر نہین دیکھا، چنانچہ اسکا ذکر بھی الگ عنوان مین آئیگا،

عدیم الفرصتی

ان سب باتون کے ساتھ جب اسپر نظر کیجاتی ہی کہ اُن کو، ان کامون مین مشغول ہونے کے لیے وقت کس قدر ملتا تھا، تو سخت حیرت ہوتی ہی، وہ ابتدا سے ملازمت پیشہ تھے اور دربارون مین تمام تمام دن حاضری دینی پڑتی تھی، کام جو سپرد تھا، وہ شاعری نہ تھی بلکہ اور اور اشغال تھے، لیلیٰ مجنون کے خاتمہ مین لکھتے ہین،

مسکین من مستمند مدہوش ... از سوختگی چو دیگ پُر جوش

شب تا سحر و ز صبح تا شام ... در گوشۂ غم نہ گیرم آرام

باشم ز برائے نفس خود رای ... پیش چو خودی ستادہ بر پای

یعنی نفس پروری کی وجہ اپنے ہی جیسے کے آگے، صبح سے شام تک مؤدب کھڑا رہتا ہون،

تا خون نہ رود ز پائے تا سر　　　دستم نہ شود ز آب کس تر

جب تک پاؤن کا پسینہ سر تک نہین پہنچتا، کھانا کھانے کو نہین ملتا،

ان حالات کے ساتھ اگر صانع قدرت اُنکے پیدا کرنے پر ناز کرے تو چندان ناموزون نہو گا،

موسیقی امیر کی ہمہ گیر طبیعت نے اس نازک اور لطیف فن پر بھی توجہ کی اور اس درجہ تک پہنچایا کہ چھ سو برس کی وسیع مدت نے بھی ان کا جواب پیدا نہ کیا، انکے زمانہ کا مشہور جگت اُستاد جو تمام ہندوستان کا اُستاد تھا، نایک گوپال تھا اسکے بارہ سو شاگرد تھے، جو اسکے سنگھاسن یعنی تخت کو کہارون کی طرح کاندھے پر لیکر چلتے تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے اسکے کمال کا شہرہ سنا تو دربار مین بلایا امیر خسرو نے عرض کی کہ مین تخت کے نیچے چھپ کر بیٹھتا ہون، نایک گوپال سے گانے کی فرمایش کیجائے، نایک نے چھ مختلف جلسون مین اپنا کمال دکھایا، ساتوین دفعہ امیر بھی اپنے شاگردون کو لیکر دربار مین آے، گوپال بھی ان کا شہرہ سُن چکا تھا، ان سے گانے کی فرمائش کی، امیر نے کہا مین مغل ہون، ہندوستانی گانا کچھ یون ہی سا جانتا ہون، پہلے آپ کچھ سنائین تو مین بھی کچھ عرض کرونگا،

گوپال نے گانا شروع کیا، امیر نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی مین باندھ چکا ہون پھر خود اسکو ادا کیا، گوپال نے دوسرا راگ شروع کیا، امیر نے اسکو بھی ادا کرکے بتایا کہ مدتون پہلے مین اسکو ادا کر چکا ہون، غرض گوپال جو راگ راگنی اور سُر ادا کرتا تھا امیر اسکو اپنا ایجاد

ثابت کرتے جاتے تھے، بالآخر کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ تھے، اب مین اپنے خاص ایجادات سناتا ہون، پھر جو گایا تو گوپال مبہوت ہوکر رہگیا[۱]،

امیر خسرو چونکہ ہندی کے ساتھ فارسی راگون سے بھی واقف تھے، اسلیے اُنہون نے دونون موسیقی کو ترکیب دیکر ایک نیا عالم پیدا کردیا، چنانچہ اُنکے ایجاد کردہ راگ حسب ذیل ہین[۲]،

نام راگہاے مخترع امیر خسرو	کن راگون سے مرکب ہے
مجیر،	غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے
ساز گری	پوربی، گورا، کنگلی، اور ایک فارسی راگ
	قران السعدین مین اسکا ذکر کیا ہی چنانچہ کہتے ہین
زمزمۂ ساز گری در عراق	کردہ بہ کلبانگ عراق اتفاق
ایمن	ہنڈول اور نیریز

[۱] عالمگیری علما مین فقیر اللہ جسکا لقب سیف خان تہا ایک مشہور امیر تھا، ناصر علی نے اسی کی شان مین کہا ہے،

گفتگوے طوطی از آئینہ می خیزد علی   گر نباشد سیف خان ما رانفس در کار نیست

وہ موسیقی کا بڑا ماہر تہا، فن موسیقی کی ایک مستند کتاب مانک سوہل تہی فقیر اللہ نے اسکا فارسی مین ترجمہ کیا، اور اور بہت سے فوائد اضافہ کیئے اور اسکا نام راگ درپن رکھا، چنانچہ مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۹۰، مطبوعہ کلکتہ مین یہ تفصیل مذکور ہے، اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس ہی اور ایک ندوہ کے کتب خانہ مین ہی گوپال کا واقعہ و آئندہ امیر خسرو کی ایجادات مین نے اسی کتاب سے لیے ہین،

[۲] راگ درپن کے دو نسخے جو میرے استعمال مین ہین، دونون غلط ہین اسلیے راگونکے نام صحیح نہین پڑھے گئے اسلیے کہین کہین مینے صرف صورت نویسی کردی ہی،

عشاق	سارنگ اور بسنت اور نوا
موافق	توڑی و مالڑی و دوگاہ و حسینی
غنم	پوربی مین ذرا تغیر کردیا ہے،
زیلف	کھٹ راگ مین شہ ناز کو ملایا ہی
فرغنہ	کنگلی اور گورا مین فرغانہ ملایا ہی،
سرپردہ	سارنگ، بلاول، اور راست کو ترکیب دیا ہی
باخرز	دیسکار مین ایک فارسی راگ ملادیا ہی،
فردوست (یا، پھر دوست	کانہڑا، گوری، پوربی، اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہی،
منم	کلیان مین ایک فارسی راگ شامل کیا ہی

راگ درپن مین لکھا ہی کہ ان راگون مین سازگری، باخرز، عشاق اور موافق مین موسیقی کا کمال دکھایا ہی، باقی راگون مین کچھ یون ہی ادل بدل کر کے دوسرا نام رکھدیا ہی **قول** ترانہ، خیال، نقش، نگار، بسیط، تلانہ، سوہلہ، یہ سب بھی امیر خسرو کی ایجاد ہین، ان مین سے بعض خاص اُن کی ایجاد ہین، بعض کے نام ہندی مین پہلے موجود تھے امیر نے ان مین کچھ تصرف کر کے نام بدل دیا،

تصانیف جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہی کہ امیر خسرو نے ۹۲ کتابین تصنیف کین یہ بھی مشہور ہی کہ امیر نے خود کسی کتاب مین تصریح کی ہی کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم اور

چار لاکھ سے زیادہ ہین، اوحدی نے عرفات مین لکھا ہی کہ امیر کا کلام جس قدر فارسی مین ہے اس سے زیادہ ہندی مین ہی،

امیر کی کثرت تصنیف سے کسکو انکار ہو سکتا ہی؟ لیکن بیانات مذکورہ بالا مبالغہ سے خالی نہین، چار پانچ لاکھ اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ قدیم زمانہ مین سطر کو بیت کہتے تھے، اور یہ استعمال نہایت کثرت سے مروج ہی، اس بنا پر ان کی ہر قسم کی تصانیف کی ۴، ۵ لاکھ سطرین ہون، تو چندان تعجب نہین، لوگون نے بیت اور شعر کو مرادف سمجھ کر بیت کیجگہ شعر لکھدیا، ہندی کلام مدون نہین ہوا، اسلیے مبالغہ کے لیے کافی موقع ہی، بہر حال جسقدر تصنیفات آج ملتی ہین وہ بھی کم نہین، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہی،

دیوان[۱] تحفۃ الصغر — اسکے دیباچہ مین خود لکھتے ہین کہ یہ سب سے پہلا دیوان ہی جس مین ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس تک کا کلام ہی،

دیوان وسط الحیات — اس مین ۲۰ برس کی عمر سے ۲۳ یا ۲۴ برس کا کلام ہی، اس مین جو قصائد ہین، سلطان شہید

[۱] امیر نے اپنے چارون دیوانون کے دیباچون مین تصنیف کے متعلق کچھ کچھ حالات بھی لکھے ہین، تحفۃ الصغر اور غرۃ الکمال کا دیباچہ اسوقت میرے پیش نظر ہی، اور دیوانون کے دیباچے بھی نظر سے گذرے ہین، لیکن اسوقت سامنے نہین اسلیے اُنکی نسبت مین جو کچھ لکھتا ہون وہ ڈاکٹر ریو (آر آئی ای وی کے) اس ریویو سے ماخوذ ہے جو اُنھون نے برٹش میوزیم کے کتب خانہ کی فہرست مین لکھی ہین، اس اطلاع کے متعلق مین مولوی عبد القادر پروفیسر پونا کالج کا ممنون ہون،

کشلو خان وغیرہ کی مدح مین ہین،

غرۃ الکمال یہ دیوان اپنے بھائی علاء الدین علی خطاط کے اصرار سے مرتب کیا، ۳۴ برس کی عمر یعنی ۶۸۶ھ سے تقریبًا ۶۹۵ھ تک کا کلام ہی، دیباچہ مین اپنی مختصر سی سوانح عمری لکھی ہی، سلطان معز الدین کیقباد، اور جلال الدین خلجی کے مدحیہ قصائد ہین، دو ہفتہ مین اسکی ترتیب کی اور دیباچہ لکھا،

بقیہ نقیہ بڑھاپے کا کلام ہی، تاریخ تالیف مذکور نہین، لیکن سلطان علاء الدین خلجی کا مرثیہ اسمین موجود ہی اسلیے کم از کم ۷۱۵ھ کے بعد تک کا کلام ہی،

نہایۃ الکمال پانچوان دیوان ہی، اس مین غزلون کے علاوہ قطب الدین مبارک خلجی المتوفی ۷۲۰ھ کا مرثیہ اور اسکے ولی عہد کی مدحین ہین، ایک قصیدہ مین ۷۲۵ھ کا ایک واقعہ مذکور ہی اور اسی سن مین خسرو نے انتقال کیا ہی،

قران السعدین سب سے پہلی مثنوی ہی ۶۸۸ھ مین جبکہ مصنف کی عمر ۳۶ برس کی تھی لکھی، کیقباد، اور بغرا خان کے مراسلات

اور صلح و ملاقات کا حال ہی،

مطلع الانوار مخزن الاسرار کا جواب ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر لکھی ۳۳۱۰ شعر ہین، دو ہفتہ مین تمام ہوئی سال اختتام ۶۹۸ھ ہی، تصوف کے مضامین ہین اور پنج گنج کے سلسلہ کی پہلی کتاب ہی،

شیرین خسرو رجب ۶۹۸ھ مین تمام ہوئی ۴۱۲۴ شعر ہین،

آئینہ اسکندری سکندر نامہ کا جواب ہے سال اختتام ۶۹۹ھ ہی اشعار کی تعداد ۴۴۵۰

لیلی مجنون ۲۶۶۰ شعر ہین، ۶۹۸ھ مین ختم ہوئی،

ہشت بہشت سلسلہ پنج گنج کی سب سے اخیر مثنوی ہے ہفت پیکر نظامی کا جواب ہی، ۷۰۱ھ مین تمام ہوئی ۳۳۰۲ شعر ہین،

پورا خمسہ سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر ہی کل ۱۸ ہزار شعر ہین خمسہ نظامی مین ۲۰ ہزار شعر ہین یہ پانچون کتابین دو برس کی مدت مین تمام ہوئین،

تاج الفتوح سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سال اوّل یعنی ۶۸۹ھ سے جمادی الآخر ۶۹۰ھ تک کے

حالات ہین اور اسی سنہ مین یہ مثنوی تمام بھی ہوئی

مطلع یہ ہی، سخن بر نام شاہے کردم آغاز،

نہ سپہر

قطب الدین خلجی کے نام پر ہی، نو باب ہین اور ہر

باب جُدا گانہ بحر مین ہی، اس مناسبت سے نُہ سپہر

نام رکھا ہی، اسوقت امیر خسرو کی عمر ۶۵ برس کی ہو چکی

تھی ۷۱۸ھ مین تمام ہوئی،

دول رانی خضر خان

دول رانی گجرات کے راجہ کی لڑکی تھی، خضر خان

سلطان علاء الدین کا بیٹا تھا، وہ دول رانی پر عاشق

ہو گیا تھا اور اس سے شادی کی، خضر خان نے

خود یہ حالات بطور یادداشت کے لکھے تھے، اس کی

فرمایش سے امیر خسرو نے اسکو نظم کا لباس پہنایا،

اور عشقیہ نام رکھا، چار مہینے مین تمام ہوئی ۴۲۰۰ شعر

تھے، خضر خان کے مرنے پر دول رانی کو جو واقعات

پیش آئے، اُنکو لکھا تو ۳۱۹ شعرون کا اضافہ ہوا،

۷۱۵ھ مین تمام ہوئی،

افضل الفوائد

خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہین،

اعجاز خسروی

نثر نویسی کے اصول اور قواعد منضبط کیے ہین اور

سیکڑون صنعتین اختراع کی ہین، ۷۱۹ھ مین تمام ہوئی تین جلدون مین ہی،

تغلق نامہ — غیاث الدین تغلق کے حالات اور فتوحات ہین،

خزائن الفتوح — سلطان علاء الدین کی فتوحات ہین،

مناقب ہند، تاریخ دہلی — ان کتابون کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے،

دولت شاہ نے لکھا ہی کہ ان تصنیفات کے علاوہ فن حساب اور فن موسیقی مین بھی ان کی تصنیفین ہین،

شاعری امیر خسرو اگرچہ ہندی نژاد تھے، لیکن ایرانی شعرا کو بھی اُنکی شاعری اور زباندانی کا اعتراف کرنا پڑا، جامی بہارستان مین لکھتے ہین کہ خمسۂ نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہین لکھا، طوطی ہند جو اُن کا خطاب تھا، ایرانی بھی اسی خطاب سے ان کو یاد کرتے ہین،

عرفی، بروح خسرو ازین پارسی شکر دادم — کہ کام طوطی ہندوستان شود شیرین

خواجہ حافظ شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

آذری نے جواہر الاسرار مین لکھا ہی کہ شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دلی مین آئے، اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہین، اور بعض تذکرہ نویسون نے صراحۃً اس واقعہ سے انکار کیا ہی، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان کی ملاقات کے لیے سفر کرنا

ممکن تھا اور اس قدر تو تمام مورخون اور تذکرہ نویسونکو تسلیم ہی کہ جب سلطان شہید نے سعدی کو شیراز سے بلایا تو انہون نے بڑھاپے کا عذر کیا اور لکھ بھیجا کہ خسرو جوہر قابل ہین انکی تربیت کیجاے، اسوقت خسرو کی عمر تیس برس سے زائد نہ تھی،

تاہم بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہین سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے[1]،

غلط افتاد خسرو راز خامی که سکبا پخت در دیگ نظامی

امیر کی شاعری قدرتی تہی، وہ مان کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوئے تھے، انکے باپ دادا، شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ قلم کے بجاے تیغ سے کام لیتے تھے، تاہم امیر کے دودھ کے دانت بھی نہین ٹوٹے تھے کہ اُن کی زبان سے بے اختیار شعر نکلتے تھے، دیباچہ غرۃ الکمال مین خود لکھتے ہین،

دران صغر سن که دندان می افتاد، سخن می گفتم و گوہر از دہانم میریخت،

دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ مین لکھتے ہین،

چون مرا استادے سر آمدہ بر سر نیامدہ بود که بر سر دقایق دال شدے و آہوے مشکبار قلم را از سواد خطا باز آوردے،،

ایک مدت تک یون ہی بطور خود کہتے رہے، استاد کے بجاے اساتذہ کے دیوان کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے، جس دیوان کا مطالعہ کرتے تھے، اسی انداز پر کہنا

---

[1] بدایونی جلد اوّل صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳،

شروع کرتے، خاقانی کا کلام دیکھا تو بہت مغلق نظر آیا، اسکے الفاظ حل کیے، لیکن خود تحفۃ الصغر مین لکھتے ہین کہ اسکا تتبع نہ ہو سکا، پہلا دیوان بالکل بے اصلاحی ہی، امیر اسکو مرتب کرنا بھی نہین چاہتے تھے، لیکن بھائی کی خاطر سے مجبور ہو گئے،

لیکن بالآخر وہ اپنا کلام اساتذہ کو دکھلانے لگے، ہشت بہشت کے خاتمہ مین تصریح کی ہی کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہی، شہاب کی پہلے نہایت تعریف کی ہی پھر لکھتے ہین،

من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش

دید ہر نکتہ را رقم بہ رقم — رنج بر خود نہاد و منت ہم

نظرے تیز کرد موے شگاف — نے بہ عمیا نظارہ بگزاف

این دقائق کہ شد ز مغزش پوست — مو بمو شعر بیز کردۂ اوست

شمع من یافتہ ضیا از وے — مس من گشتہ کیمیا از وے

ہرچہ او گفت من نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربت نوش

وانچہ بنمود من نہ جستم پے — عیب آن بر من است نہ بر وے

یارب او چون بہ تیغ نامۂ من — برد بیرون خطائے خامۂ من

نامۂ او کہ حرز جانش باد — در قیامت خط امانش باد

اخیر کے شعرون سے معلوم ہوتا ہی کہ پانچون مثنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہین، یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی

وہان اُستاد کی راے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے ع

عیب آن بر سخن است نہ بر وے،

کیا عجیب بات ہو وہ اُستاد جس کے دامن تربیت مین خسرو جیسا شخص پلکر بڑا ہو، آج اُسکا نام ونشان تک معلوم نہین،

معاصر اُستادونکے علاوہ خسرو نے قدیم اساتذہ سے بھی بہت فیض حاصل کیا ہو وہ اُن کے کلام کو سامنے رکھکر کہتے تھے، اور اُسی طرح اُس سے فائدہ اُٹھاتے تھے جس طرح کوئی شاگرد زندہ اُستاد سے شاعری سیکھتا ہو، اسی بناپر لیلی مجنون مین نظامی کی نسبت لکھتے ہین،

زندہ است بہ معنی اُوستادم   در نیست تنش حیات دادم

شیخ سعدی سے استفادہ کا اشارہ کرتے ہین،

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت   شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

تاریخ فرشتہ مین لکھا ہو کہ خسرو جوانی کے جوش مین اکثر اساتذہ کی شان مین گستاخی کرتے تھے چنانچہ جب مطلع الانوار لکھتے ہوے یہ شعر کہا،

کوکبۂ خسرویم شد بلند   زلزلہ در گور نظامی فگند

تو غیب سے ایک تلوار نکلی، اور خسرو کی طرف بڑھی خسرو نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام لیا، دفعۃً ایک ہات نمودار ہوا اور اُسنے آستین تلوار کے سامنے کردی، تلوار آستین کو کاٹتی ہوئی ایک بیری کے درخت پر جا لگی، یہ واقعہ جسقدر عقل کے خلاف ہو اُسی قدر تاریخ کے بھی

مخالف ہی، خسرو نے مطلع الانوار ۶۹۸ھ مین لکھی ہی، اسوقت انکی عمر ۴۷ برس کی ہوچکی تھی یہ شباب کا زمانہ کہان ہی، شباب کے زمانہ مین انہون نے غرۃ الکمال مرتب کیا ہی اُس کے دیباچہ مین صاف لکھتے ہین کہ مین مثنوی مین نظامی کا پیرو اور شاگرد ہون،

اسی زمانہ مین قران السعدین لکھی اُس مین لکھتے ہین،

نظم نظامی بہ لطافت چو دُر — وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پختہ از و شد چو معانی تمام — خام بود پختن سودای خام
بگذر ازین خانہ، کہ جای تو نیست — وین رہ باریک بہ پای تو نیست
کالبدی داری و جان اندر وست — ہر چہ تو دانی بہ ازان اندر وست
تا بود این سکہ بہ عالم درست — بر تن تو کے بود این خرقہ چیست
مثنوی او راست ثنای بگوے — بشنوش از دور دعای بگوے
این ہمہ ز انصاف نگر زور نیست — گر تو نہ بینی دگرے کور نیست

نظامی کی نسبت لیلیٰ مجنون مین لکھتے ہین،

زندہ است بہ معنی او ستادم — ور نیست منش حیات دادم

غرض امیر نے کبھی اساتذہ کی استادی سے انکار نہین کیا وہ تمام استادونکا نہایت ادب کرتے تھے مطلع الانوار مین جو کہدیا ہی وہ ایک اتفاقیہ فخریہ جوش تھا جس سے نظامی کی تحقیر منظور نہ تھی

امیر کی حالات شاعری مین یہ سب سے عجیب تر واقعہ ہی کہ وہ اپنے کلام پر آپ ریویو کرتے ہین اور ایسی بے لاگ رائے دیتے ہین کہ انکا دشمن سے دشمن بھی ایسی آزادانہ رائے نہین

دیکھتا، قران السعدین مین اُنھون نے کیقباد اور بغرا خان کا حال لکھا ہی لیکن اصلی واقعہ کو چھوڑ کر خاص خاص چیزون کی تعریف مین اس قدر مصروف ہو جاتے ہین کہ واقعات کا سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہی اور کلام نہایت بے ربط ہو جاتا ہی، اس عیب کو خود ظاہر کرتے ہین،

وصف بر آن گونہ فرو راندہ ام | کز غرض قصہ فرو ماندہ ام
عیب چنان نیست کہ بنہفتہ ام | کانچہ بگویند ہمہ گفتہ ام
چون منم اندر قلب کان خویش | معترف عجز بہ نقصان خویش
عیب یکے نیست کہ جویند باز | چون ہمہ عیب است چگویند باز

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ شاعر کی تین قسمین ہین،

اُستاد تمام، جو کسی طرز خاص کا موجد ہو، جیسے حکیم سنائی، انوری، ظہیر، نظامی،

اُستاد نیم تمام، خود کسی طرز خاص کا موجد نہین، لیکن کسی خاص طرز کا پیرو ہی اور اسمین کمال بہم پہنچایا ہے،

سارق، جو اورون کے مضامین چُراتا ہی، پھر لکھتے ہین کہ اُستادی کی چار شرطین ہین،

طرز خاص کا موجد ہو، اسکا کلام شعرا کے انداز پر ہو، صوفیون اور واعظونکی طریقہ پر نہو، غلطیان اور لغزشین نہ کرتا ہو،

یہ شرائط لکھکر فرماتے ہین کہ مین درحقیقت اُستاد نہین، اسلیے کہ چار شرطون مین سے مجھ مین صرف دو شرطین پائی جاتی ہین یعنی مین سرقہ نہین کرتا، اور میرا کلام صوفیون اور واعظون

کے انداز پر نہین، لیکن دو شرطین مجھ مین موجود نہین، اوّل تو مین کسی طرز خاص کا موجد نہین دوسرے میرا کلام لغزشون سے خالی نہین ہوتا، خود اُنکے الفاظ یہ ہین،

بندہ را ازان چہار شرط اُستادی کہ گفتہ شد، اول شرطے کہ ملک طرز است برحکم ماجرائے کہ در مجرائے قلم جریان یافت، کہ چندین استاد را متابع کلمات بودہ ام،

چون پس رو طرز ہر سوادم | پس شاگردم نہ اوستادم

و شرط دوم آنکہ در نافۂ سواد، بوی خطا نہ باشد ازان نیز دم نتوانم زد، کہ نظم بندہ اگرچہ بیشتر روان است، اما جا بجا در غزل و لغز لغزیدنی ہم است، درین دو شرط معترفم کہ از لاف اُستادی قرعہ بر فال نتوانم غلطانید،

کیا دنیا مین اس سے زیادہ کوئی انصاف پرستی اور بے نفسی کی مثال ملسکتی ہی، امیر کے کلام پر ریویو کرنے کے لیے اس سے زیادہ بڑھکر کیا دلیل راہ ہوسکتا ہی،

امیر نے یہ بتادیا ہی کہ وہ اصناف سخن مین سے کس صنف مین، کسکے پیرو ہین، تفصیل اسکی یہ ہی،

غزل، سعدی

مثنوی نظامی

مواعظ و حکم، سنائی و خاقانی

قصائد، رضی الدین نیشاپوری، و کمال اسمٰعیل خلاق المعانی،

لیکن لغزشین کون بتاے؟ یہ کس کا مُنھ ہی، ہم دبی زبان سے صرف اسقدر کہہ سکتے ہین کہ بعض کلام مین (قران السعدین و اعجاز خسروی) لفظی رعایت بہت ہی جو ضلع جگت کی حد تک پہنچ گئی ہی، اور بعض جگہ بالکل تکلف اور آورد ہی،

امیر نے شعر و شاعری کے متعلق دیوانون کے دیباچہ مین بہت سے نکتے لکھے ہین، جن سے اس فن کے متعلق مفید نتائج حاصل ہوسکتے ہین، غرۃ الکمال کے دیباچہ مین اسپر بحث کی ہی کہ فارسی اور عربی شاعری مین کسکو ترجیح ہے، فیصلہ فارسی کے حق مین کیا ہی اور اس کی یہ دلیلین لکھی ہین،

(۱) عربی مین ایسے زحافات ہین کہ اگر فارسی مین ہون تو کلام ناموزون ہوجاے، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ فارسی کے اوزان ایسے منضبط اور لطیف ہین کہ ذرا سی کمی بیشی کی برداشت نہین کرسکتے،

(۲) عربی زبان مین ایک ایک چیز کے لیے متعدد مترادف الفاظ ہین، اسلیے شاعری آسان ہی، ایک لفظ کسی وزن یا بحر مین نہ کھپ سکا تو دوسرا موجود ہی، بخلاف اسکے فارسی مین نہایت محدود الفاظ ہین، باوجود اسکے فارسی شعرا پر میدان شاعری تنگ نہین،

(۳) عربی زبان مین صرف قافیہ ہی، ردیف نہین،

اب غور کرو عربی زبان کو متعدد طرح کی وسعت حاصل ہی، وزن اتنا وسیع کہ جتنے زحافات چاہین استعمال کرتے جائین، لفظونکی یہ بہتات کہ ایک لفظ کے بجاے دوسرا اور دوسرے کے بجاے تیسرا موجود ہی، ردیف کی سرے سے ضرورت نہین، نرے قافیہ پر مدار رہے،

جسقدر قافیے ملتے جائین کہتے جاؤ، ان سب وسعتون کے ساتھ عربی شاعری فارسی شاعری پر غالب نہین آسکتی،

اسکے علاوہ عرب کا شاعر اگر ایران مین آئے اور برسون قیام کرے تاہم فارسی زبان مین شعر نہین کہہ سکتا، لیکن ایران کا شاعر بے تکلف عربی مین شاعری کرسکتا ہی، زمخشری اور سیبویہ عجمی تھے، لیکن زباندانی مین عرب عربا سے کم نہ تھے، فارسی کے وجوہ ترجیح لکھکر لکھتے ہین کہ "اور بہت سے وجوہ ہین لیکن مین اسلیے قلم انداز کرتا ہون کہ کوئی مذہبی تعصب کے پردہ مین مخالفت پر نہ آمادہ ہوجاے،

امیر خسرو فن شاعری مین جن خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہین، ان کی تفصیل حسب ذیل ہی،

(۱) ایران مین جسقدر شعرا گزرے ہین، خاص خاص اصناف شاعری مین کمال رکھتے تھے، مثلاً فردوسی و نظامی، مثنوی مین، انوری اور کمال قصائد مین، سعدی اور حافظ غزل مین، یہی لوگ جب دوسری صنف مین ہات ڈالتے ہین، تو پھیکے پڑجاتے ہین، بخلاف اسکے امیر، قصائد، مثنوی اور غزل تینون مین ایک درجہ رکھتے ہین، مثنوی مین نظامی کے بعد آجتک ان کا جواب نہین ہوا، غزل مین وہ سعدی کے دوش بدوش ہین قصائد مین ان کی چندان شہرت نہین ہوئی، لیکن کلام موجود ہی، مقابلہ کرکے دیکھ لو، کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہین، تفصیل اسکی آگے آتی ہی،

(۲) ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہی کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکھی گئین،

مثلاً، قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میودن اور پھولون وغیرہ وغیرہ پر
ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہین ملتین جن سے اُن کی تصویر آنکھون مین پھرجائے امیر خسرو
نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہی، انھون نے قران السعدین مین اکثر اسی
قسم کی نظمین لکھی ہین، اور اس کتاب سے اُن کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم
کرنا تھا چنانچہ خود فرماتے ہین،

بود در اندیشۂ من چند گاہ — کز دل دانندہ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آبش دہم — مجمع اوصاف خطابش دہم
طرز سخن را روشش نو دہم — سکہ این ملک بہ خسرو دہم
سکہ خود زین فن اندیشہ زاے — تا نشانم نہ نشینم زپاے
وصف نہ زان گونہ نشاندل بران — کان دگرے رابدل آید گران

اس قسم کی شاعری کا نام امیر نے وصف نگاری رکھا، اور یہ نہایت موزون نام ہی،
اگرچہ افسوس ہی کہ زمانہ کے مذاق کے لحاظ سے اس مین نیچر کا پورا رنگ نہین آیا، بلکہ تکلف
اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھا یا ہی، تاہم جسقدر ہی غنیمت ہی،

کاغذ کی تعریف،

کاغذ شامی[1] نسب و صبح دام — آنکہ شد آرایش صبحش زشام
سادہ حریرے و ے اصلش ز خویش — با قصب و خز شدہ پیوند خویش

[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کاغذ شام سے آتا تھا،

تارے حریر آمدہ اندر نورد | طرفہ حریرے کہ تو ان جز دکرد
آمدہ اجزاش فراہم ز آب[1] | لیک پراگندگیش ہم ز آب
بسکہ شد از کوشش بسیار پست | پشت دوتا گردوش از یک شکست
گہ بود از دستہ تیغش گزر | گہ دہد از تیغ بہ مقراض سر
گہ خلہ سوزن مسطر کشد | گہ کششِ رشتۂ دفتر کشد
حرف بحرف از قلم آرد سخن | لیک بہ پیچید ہمہ بر خویشتن

بہت سے شعر لکھے ہین، ہمنے قلم انداز کردیے،

کشتی کی تعریف،

ساختہ از حکمت کار آگہان | خانہ رگردندہ بہ گرد جہان
نادرہ حکم خداے حکیم | خانہ روان، خانگیانش مقیم
اہل سفر را ہمہ بروے گذر | ہمرہ او ساکن واو در سفر
جاریۂ ہند زبانش سلیم | حامل چندین بچہ، لیکن عقیم
بیشتر از مرغ پرد، در گشاد | بیشتر از باد رود، روز باد
رفتہ دو منزل بہ دمے بل دو چند | با رسن و سلسلہ و تختہ بند
ہمچو کلنگان بہ ہوا سر فراز | پر چو ہوا اصل ز دو سو کردہ باز

---

[1] اس سے ثابت ہوتا ہو کہ پہلے ہی اسی طرح کاغذ بناتے تھے کہ روئی اور کپڑے کے چیتھڑون کو پانی مین بھگو کر پانی کی طرح سیال بنالیتے تھے، پھر وہ خشک ہو کر کاغذ ہو جاتا تھا،

ہر طرفش رہ بشتاب دگر | ہر قدمش بر سر آب دگر

گرچہ بدریا گذرد بیش و کم | آب نباشد مگرش تا شکم

دست چو در آب فراز افگند | آب بدست آرد و باز افگند

لطمہ زدہ بر رخ دریا بہ زور | آب ازان لطمہ بہ فریاد و شور

در رہ بے آب نداند شدن | کیست کہ بے آب تواند شدن

(۳) تشبیہ شاعری کے چہرہ کا غازہ ہی لیکن تقلید پرستی نے یہ حالت پیدا کر دی تھی کہ جن چیزون کی جو تشبیہین ایک دفعہ قدما کے قلم سے نکل گئین اُنکے سوا گویا دنیا کی تمام چیزین بیکار تھین،

امیر نے بہت سی نئی تشبیہین خود پیدا کین، چنانچہ غرۃ الکمال مین خود لکھتے ہین،

تشبیہات نو بسیار است این مجمل جملہ را تحمل نتواند کرد، اما دو سہ نظیر برای یاد کردن گردشدہ،

اسکے بعد دو تین مثالین لکھی ہین،

ز انتظار دو ماہی ساق تو صد چشم | بزیر ہر مو دارم چو دام ماہی گیر

مژہ ہاے کژ دل آویزت | کژ ہاے دکان قصاب است

نے ہے خرامش آن نازنین بہ عیاری | کبوترے بہ نشاط آمدست پنداری

امیر چونکہ ہندی زبان سے آشنا تھے اسلیے تشبیہات مین انکو برج بھاکا کے سرمایہ سے بہت مدد ملی ہوگی، اخیر شعر غالبًا اسی خرمن کی خوشہ چینی ہے۔ فارسی شعرا معشوق کی

رفتار کو کبک کی رفتار سے تشبیہ دیتے تہی، ہندی مین ہنس کی چال عام تشبیہ ہر، لیکن کبوتر مستی کی حالت مین جس طرح چلتا ہر وہ مستانہ خرام کی سب سے اچھی تصویر ہر،

قصیدہ، مثنوی، غزل مین انہون نے جو جدتین پیدا کین، اُن کی تفصیل علیحدہ عنوانون مین آگے آتی ہر،

مثنوی | مثنوی مین جیسا کہ وہ خود لکھتے ہین، نظامی کے پیرو ہین، نظامی کے پنج گنج مین تین قسم کی مثنویان ہین، رزمیہ، عشقیہ، صوفیانہ، خسرو نے بہی تینون مضامین کو لیا ہر اور ہر رنگ کو نظامی کے انداز مین لکہا ہر،

ایک ایک مثنوی پر ریویو کرنا خاص انکے سوانح نگار کا کام ہر۔ البتہ نمایان مثنویون کا ذکر کرنا ضروری ہر،

قران السعدین، یہ سب سے پہلی مثنوی ہر جو ۳۶ برس کی عمر مین لکھی، اسلیے اس مین تکلف اور آورد بہت ہر لیکن با وجود اسکے اکثر جگہ نہایت بلند روان اور برجستہ ہر، مثنوی کا قصہ نہایت بیہودہ تھا، یعنی باپ بیٹون کی مخالفانہ خط وکتابت اور حملہ کی تیاری، بیٹا یعنی کیقباد نہایت گستاخ اور بے تمیز تہا، لیکن مشکل یہ تھی کہ وہی صاحب تخت تھا، اور اسی کی فرمایش سے یہ مثنوی لکھی گئی، بیٹا یہ بہی چاہتا تھا کہ اس کی گستاخیان جنکو وہ اپنی دلیری کے کارنامے سمجھتا تھا، لفصل اور آب و رنگ کے ساتھ لکھی جائین، اور یہ ثابت کیا جائے کہ باپ کے ہوتے، تخت سلطنت کا مستحق بیٹا ہی ہر، اس جھوٹی منطق کو امیر نے جہانتک ہو سکا، خوب نباہا ہے، چنانچہ بیٹے کی زبان سے کہتے ہین،

گر بہ گہر تاج ستانِ توام — عیب مکن گوہر کانِ توام
در ہوس تاج ترا در سر است — من گہرم تاج مرا در خور است
چون سرم از بخت سرافراز گشت — تاج تو بر تارکِ من باز گشت
تخت جہان بہر تو برپاے کرد — لیک بران تخت مرا جاے کرد
ملک بہ میراث نیابد کسے — تا نزند تیغ دو دستی بسے
از تو اگر نام پدر روشن است — خطبۂ جد بین کہ بنام من است
ہر دو جوانیم من و بخت من — با دو جوان پنجہ بہم در فزن
گرچہ بروئیت نہ کشم در ستیز — از پئے تعظیم تو شمشیر تیز
لیک تو دانی کہ چو کین آورم — شیر فلک را بزمین آورم
جز تو کسے گر دم ازین در زدے — سرزنش تیغ منش سر زدے
لیک توئی چون بہ پے این سریر — من نہ ہم گر تو توانی بگیر

باپ نے جو جواب لکھا ہے دیکھو کس طرح حرف حرف، پدرانہ محبت کے نشے سے چور ہے،

اے ز نسب گشتہ سزاے سریر — در ز پسری ہمچو پدر بے نظیر
گرچہ غبار است ز کار توام — سرمۂ چشم است غبار توام
تا تو ندانی کہ درین گفتگوے — از پئے ملک است مرا گفتگوے
گرچہ توانم ز تو این پایہ برد — از تو ستانم بکہ خواہم سپرد
شکر کہ شد زندہ در ایام تو — من ز تو و نام من از نام تو

باش بکامم کہ بہ کام توام | زندہ و نازندہ بنام توام
خواہمت از جان کہ بناہے مرا | در تو بخواہی و نخواہی مرا
جز بہ تمنائے تو سودام نیست | بہتر ازین ہیچ تمنام نیست
گرچہ کہ سلطان جہانم بہ ملک | تاج دہ و تخت ستانم بہ ملک
لیک چو دورم ز تو ای نیک بخت | نے خوشم از تاج و نہ شادم زتخت
بخت من ار پائے بر افلاک سود | با تو چو یک دم نہ نشینم چہ سود

ان خاراگداز، الفاظ نے بیٹے کے دل پر بھی اثر کیا، اب اسکا لہجہ بدل جاتاہی، اور فرزندانہ جوش محبت مین کہتاہی،

من کہ گلے رستہ باغ توام | پر توے از نور چراغ توام
گر ہمہ بر ماہ رسد افسرم | ہم بہ تہ پائے تو باشد سرم
زابر و خود کن تو اشارت بہ چین | من سر خاقان فگنم بر زمین
تاج ز من، سر ز تو افراختن | عاج ز تو، تخت ز من ساختن
ور بہ ملاقات رہی رائے تست | افسر من خدمتے پائے تست
نیست مرا آن محل و آن شکوہ | کز سر خود سایہ فشانم بہ کوہ

باپ جب بیٹے سی ملنے آیاہی تو بیٹا تخت شاہی پر متمکن تھا، باپ کو دیکھکر بے اختیار تخت سے اُترا اور باپ کیطرف بڑہا۔ باپ نے چھاتی سے لگا لیا، دیر تک دونون جوش محبت مین ایک دوسرے سی جدا نہو سکے، پھر بیٹے نے باپ کو لیجاکر تخت پر بٹھایا،

گرم فرو جست ز تخت بلند | کرد بہ آغوش تن ارجمند
داشت بہ آغوش خودش تا بدیر | سیر نہ شد چون شود از عمر سیر
با خودش از فرش بہ اورنگ برد | تخت کیان باز کیان را سپرد
گاہ ز دیدہ بہ نثارش گرفت | گاہ دوبارہ بہ کنارش گرفت
گاہ نظر بر رخ زیباش کرد | گاہ دل از مہر شکیباش کرد
پرسش از اندازہ ز غایت گزشت | حد نوازش ز عنایت گزشت

قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہی کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتین تمام ملحوظ رکھی گئین ہین، اسطرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتون کو نہ لکھتا

خمسہ — خمسہ مین پانچ مثنویان ہین یعنی مطلع الانوار، شیرین خسرو، لیلی مجنون، آئینہ سکندری، ہشت بہشت،

جس ترتیب سے ہم نے ان کتابون کے نام لکھے ہین، یہی اُنکی تصنیف کی ترتیب ہے چنانچہ امیر نے خود ہشت بہشت مین تصریح کی ہی، ان پانچون کتاب کی تصنیف کا زمانہ کل سوا دو برس ہی، اور یہ قادر الکلامی اور پُرگوئی کا حیرت انگیز اعجاز ہی،

اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ نظامی کے جواب مین جسقدر خمسے لکھے گئے ان مین نسبتہً امیر کا خمسہ سب سے بہتر ہے لیکن حقیقت یہ ہی کہ ان مین بعض نظامی کی تصنیف سے کچھ نسبت نہین رکھتین، مطلع الانوار مین صاف خامی نظر آتی ہی اور آئینہ اسکندری بالکل پھیکی اور کمزور رہی، معلوم ہوتا ہی کہ خود امیر کے دل مین بھی بے اطمینانی تھی، آئینہ اسکندری

مین لکھتے ہین

دگر بازگیری تو پیوند خویش | مرا خود عزیز است فرزند خویش
سنر دگر چه آواز خر، خنده را | بود ارغنون گوش خربنده را
برو باد بخشایش دادگر | که بر من به بخشش گمارد نظر
هنر جوی و در عیب جوئی مکوش | ترا نیز عیبی است بر خود بپوش

نظامی کے پُرزور رزمیہ معرکون کے مقابلہ مین، انکی زور طبع کا یہ نمونہ ہے،

بگردون شد از نای زرین خروش | به دریای لشکر درافتاد جوش
هزاهز درآمد بهر دو سپاه | روا رو درآمد به خورشید و ماه
علم سر ز عیوق برتر کشید | سنان چشم سیاره بر سر کشید
بیابان همه بیشه شیر گشت | جهانے پر از شیر و شمشیر گشت
غبار زمین کله بر ماه بست | نفس را در دن گلو راه بست
چنان گشت روی هوا گرد ناک | که سیاره گم کرد خود را به خاک
سپاه از زره موج زن تا باوج | چو دریا که بادش درآرد به موج
بدریای آهن جهان گشته غرق | هوا پر ز میغ و زمین پر ز برق
زبانگ هیونان گیتی نورد | شده پر صدا گنبد لاجورد
عرق کردن توسنان در شتاب | ز دریای آتش برانگیخته آب
شراره که زد نعل هنگام رد | ستاره برون ریخت از ماه نو

نفیر زہ از چاشنی کمان | شدہ چاشنی بخش جان ہر زمان
گرہ بر گرہ دشت پیکان زنان | زرہ بر زرہ پشت روئین تنان
بزیر سپر تیغ رخشان ز تاب | چنان کز تہ برگ نیلوفر آب

اس کمی کے مختلف اسباب ہین، مثنوی امیر کا اصلی مذاق نہین، سلاطین کی فرمایش سے وہ مثنویان لکھتے تھے اور گویا بیگار ٹلاتے تھے، چنانچہ خمسہ کا خمسہ دو سوا دو برس مین لکھا ہی اور مطلع الانوار تو صرف دو ہفتہ کی کمائی ہی،

ان کتابون کی تصنیف کے زمانہ مین دربار کی خدمتون سے بہت کم فرصت ملتی تھی لیلی مجنون کے خاتمہ مین لکھتے ہین کہ نظامی کو شاعری کے سوا کوئی شغل نہ تھا، اور کسی قسم کی بے اطمینانی نہ تھی، میرا یہ حال ہی کہ پانون کا پسینہ سر پر چڑھتا ہی تب روٹی ملتی ہی،

مسکین من مستمند بیہوش | از سوختگی چو دیگ در جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام | در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم نہ برای نفس خود رای | پیش چو خودے ستادہ بر پای
تا خون نہ رود ز پای تا سر | دستم نشود ز آب کس تر

اس خمسہ مین ایک کتاب انکے خاص مذاق کی ہی، یعنی لیلی مجنون اگرچہ اس کتاب مین بھی انھون نے خاکساری سے نظامی کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کہاہے،

می داد چو نظم نامہ را پیچ | باقی نہ گذاشت بہر ما ہیچ

لیکن انصاف یہ ہی کہ انکی لیلی مجنون اور نظامی کی لیلی مجنون مین اگر کچھ فرق ہی تو اسقدر

نازک ہی کہ خود وہی اسکو سمجھ سکتے ہین،

اس کتاب مین ہر قسم کی شاعری کے موقع پیدا کیے ہین، اور ان کا کمال دکھلایا ہے

مثلاً ایک موقع پر دھوپ کی شدت اور گرمی کا سمان دکھاتے ہین،

آتش زدہ گشتہ کوہ و کان ہم — تفسید زمین و آسمان ہم

جاے نہ کہ دیدہ راہ برد خواب — ابرے نہ، کہ تشنہ را دہد آب

مرغان چمن خزیدہ در شاخ — در رفتہ چرندگان بہ سوراخ

ریگ از تف پختہ در گرانی — چون تابہ روز میہمانی

از گرمی ریگہاے گردان — پُر آبلہ پاے رہ نوردان

عشق و محبت کے جذبات کے دکھانے کا اس سے بڑھکر کونسا موقع ملسکتا تھا، اس لحاظ سے اس مثنوی کا ہر شعر گویا ایک پُر درد غزل ہی، سگ لیلیٰ کا واقعہ عموماً مشہور ہے اور شعرا نے اس دلچسپ روایت کو طرح طرح سے رنگا ہے امیر خسرو نے اسکو سب سے زیادہ موثر طریقہ سے ادا کیا ہے مجنون کتے سے خطاب کرتا ہی،

ہستیم من و تو ہر دو شب گرد — لیکن تو بناله و من از درد

چون باز گذر کنی دران کوی — بر خاک درش ز من نہی روے

ہر خس کہ بر و گذاشت گامے — از من برسانیش سلامے

ہر جا کہ نہاد پاے ر دشن — زنہار بہ بوسی از لب من

خواہد چو ترا درون دہلیز — یادش دہی از سگ دگر نیز

زنجیر خودت نہد چو بر دوش
از گردن من مکن فراموش

اس پیرایۂ ادا کو دیکھو کہتے ہین کہ جب لیلیٰ تجکو ڈیوڑھی کے اندر بلا کے تو ایک اور رنگ دے کو یاد دلا دینا، جب لیلیٰ تیری گردن مین طوق ڈالے تو دیکھنا میری گردن کو بھول نہ جانا،

عاشق کا پیغام و سلام سب لکھتے ہین، لیکن معشوق عاشق کو کیا لکھتا ہی اور کیونکر لکھتا ہی نہایت نازک مقام ہی، دیکھو امیر خسرو اس نازک موقع کو کیونکر نباہتے ہین، لیلیٰ مجنون کو لکھتی ہے۔

اے عاشق دور ماندہ چونی
وے شمع ز نور ماندہ چونی

روزت ام کہ شب نشان است
شبہاے سیاہ بر چہ سان است

از من بکہ می بری حکایت
با خود ز کہ می کنی شکایت

در گوش کہ ؟ نالہ می رسانی
در پاے کہ قطرہ می فشانی

بازار تو در کدام سوی است
سیلاب تو در کدام جوی است

معشوق اسقدر ضرور جانتا ہے کہ عاشق رونے دھونے اور درد دل کہنے سے باز نہین رہ سکتا، اب اُسکی غیرت یہ سوالات پیدا کرتی ہے کہ کس کے سامنے روتا ہی؟ کس سے درد دل کہتا ہے کس کے آگے میرا نام لیتا ہے، یہ باتین تو رازداری اور معشوق پرستی کے خلاف ہین ان سچے جذبات اور خیالات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

آئینہ سکندری پھیکی ہی لیکن اس کتاب مین بھی ان کے مذاق کا جو میدان آیا ہی آمین دو نظامی کے دوش بدوش ہین، نظامی نے سکندر اور بت چینی کی بزم آرائی کا قصہ

بڑی آب و تاب سے لکھا ہے، خاص اس موقع پر خوب زور طبع دکھایا ہی جہان وہ دلربا سکندر کی ایک ایک بات پر اپنی ترجیح ثابت کرتی ہے۔

خسرو نے بھی یہ معرکہ باندھا ہی اور اسی طرح بت چینی کا فخریہ لکھا ہی نظامی کے فخریہ سے ملا کر دیکھو معشوق چینی کہتا ہی اور سکندر کے ایک ایک وصف کے مقابلہ مین اپنی ترجیح ثابت کرتا ہے۔

مشعبد که داند جهان سوختن	ز من باید ش بازی آموختن
همه خون خوبان گشش می خورم	وے نوش بادم که خوش می خورم
رخ هر صنم ناپدید از من است	صنم خانه ها را کلید از من است
سپهر آفتاب زمین خواندم	دگر ماه بیند، همین خواندم
سکندر که گرد آب حیوان هوس	نظیر منش بود مقصود و بس
گر او هست کیخسرو جام جوے	مرا جام گیتی نمای است روے
گر از مجلس او دمن می دمد	مرا لاله و گل، ز تن می دمد
گر او در است بر تخت شاہے نشست	مرا در دل اوست جاے نشست
گر او تاج خواہد ز شاہان خراج	من از سروران سر ستانم نه تاج
گر اقبال و دولت در ایا و رند	مرا هر دو چون کمترین چاکرین
گر او دشمنان را به خون خوردن است	مرا خون صد دوست در گردن است
گر او در ایک آئینه بر کف نشست است	دو آئینه دارم من از پشت دست

کمان وے از صد شکار افگند — یک ابروے من صد ہزار افگند

کمند وے از صید بند د مدام — من آنم کہ صیاد گیرم بدام

گراو را کلاہے است بر آسمان — مرا صد کلاہ است بر آستان

ہشت بہشت | یہ سب سے اخیر مثنوی ہے اور امیر کی شاعری اس مین پختگی اور پُرکاری کی اخیر حد تک پہنچ گئی ہے، خاص جو بات اس مین ہے وہ واقعہ نگاری کا کمال ہے، ساری کتاب مین فرضی حکایتین لکھی ہین، لیکن التزام کیا ہے کہ جو واقعہ لکھا جاے، اسکے نہایت چھوٹے چھوٹے جزئیات جنکے ادا کرنے سے زبان قاصر ہوئی جاتی ہے، ادا کیے جائین،

تمام کتاب کا یہی انداز ہے اور اس خصوصیت کے لحاظ سے فارسی زبان کی کوئی مثنوی اسکا مقابلہ نہین کر سکتی،

مثلاً ایک قصہ لکھا ہے کہ حَسَن ایک سُنار تھا، اسکو بادشاہ نے ایک جرم کی بنا پر یہ سزا دی کہ ایک اونچی لاٹ پر چڑھوا دیا، حسن کی بیوی لاٹ کے پاس گئی، حَسَن نے لاٹ پر سے کہا کہ بازار سے ریشم اور قند لا، جب وہ لائی تو کہا کہ ریشم کے تار کے سرے پر قند چپکا کر کسی چیونٹی کے مُنھ مین جو لاٹ پر چڑھ رہی ہو دیدے، اور خود جلد جلد تار کی گولی کھولتی جاے، چیونٹی تار کو لیے ہوے اوپر چڑھتی چلی گئی، حَسَن کے قریب پہونچی تو حسن نے تار کو لیکر اس سے رسی بٹی، اور پھر ایک خاص تدبیر سے اُسی کے سہارے نیچے اترا، تمام قصہ بہت لمبا ہے ابتدا کے چند شعر ہم نقل کرتے ہین،

چون نگہ کرد خواجہ از بالا — کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز گفت بر سر تار | پارهٔ قند کن بزودے یار
ده بہ مورے کہ می رود بر میل | تا بہ بالاش می رود تعجیل
رشتہ را زود زود می کن باز | کز نشیب آورد بہ سوے فراز
ہمچنان کرد زن کہ او فرمود | داد رشتہ بہ مور و مور ربود
راند بالاے میل تار کشان | رسن فتنہ بر حصار کشان
چون بہ نزدیک رخنہ رفت بزور | ریسمان را ربود خواجہ ز در

قصائد قصیدہ مین ان کا کوئی خاص انداز نہین ہی، کمال اسمٰعیل خاقانی اور انوری کی تقلید کرتے ہین اور جسکے جواب مین قصیدہ کہتے ہین، اسکا تتبع کرتے ہین، خاقانی کا مشہور قصیدہ ہی،

مجلس وآتش وادہ، بر این از شجر دان از زجر | این کرد منقل را مقر وان جام را جا داشتہ

اسکے جواب مین بہت بڑا قصیدہ لکھا ہی، وہی انداز، وہی ترکیبین، وہی استعارے ہین اور چونکہ خاقانی کا مقابلہ ہی اس لیے ۷۰ شعر کہکر دم لیا ہی، اس مین بھی واقعہ نگاری کا خاص انداز قائم ہی، عید کا بیان کیا ہی، اور عید کا پورا سمان دکھایا ہے،

ہر سو جوانان نو سلب ہر سو عروسان در قصب | طفلان نخفتہ از طرب دیدہ بہ فردا داشتہ
از شیر و خرما مرد و زن در شیر خواری تن بتن | چون شیر خواران در دہن پستان خرما داشتہ
خورشید چون سر بر زدہ، ہر کس براہے در شدہ | این رو بسوی می کدہ او در مصلا داشتہ
فاسق کہ می نا خوردہ گہ، در عید گہ بیہودہ رہ | سر بر بساط سجدہ گہ، دل سوی صہبا داشتہ

داروی معلول است می بل جان معلول است مے | خورشید منخول است می در طاس مینا داشتہ

ان کے قصائد مین مدحیہ مضامین ہمیشہ بدمزہ اور پھیکے ہوتے ہین جسکی وجہ یہی کہ مدح دل سے اُن کو پسند نہین، صرف معاش کی ضرورت سے یہ ذلت گوارا کرتے ہین، اسلیے قصیدہ مین اور اور مضامین کو لیتے ہین اور ان مین زور طبع دکھاتے ہین، مثلاً بہار کا سمان، برسات کی رُت، صبح و شام کی کیفیت، ایک قصیدہ مین برسات کے آغاز سے تمہید شروع کی ہے اور صرف مطلع مین سب کچھ کہہ دیا ہے۔

ابر بارید و ہمہ روی زمین را تر کرد | خبر آرید کہ سبزہ چہ قدر سر بر کرد
سپیدہ دم کہ صبا گشت بوستان فرمود | بساط خاک ز دیبا و پرنیان فرمود
چو روی نازک گل تاب آفتاب نداشت | زمانہ بر سرش از ابر، سایہ بان فرمود
ز لالہ خواست چمن ساغر و سبک بخشید | ز ابر خواست زمین شربت و روان[1] فرمود
ہرانچہ در ورق خویش غنچہ مشکل داشت | بنفشہ گوش نہاد و صبا بیان فرمود

صبح کا سمان،

سپیدہ دم کہ فلک روشنی بہ گیہان داد | نسیم غالیہ در دامن گلستان داد
چو چرخ پیر بہ رخ زد سپیدی و سُرخی | بدستش آئینہ داد آفتاب و خندان داد
درست مغربی آفتاب را کہ فلک | نہاد زیر زمین بامداد تابان داد
ستارہ را ز چہ شد دیدہ خیرہ از خورشید | چو شب ز حقہ میناش سُرمہ چندان داد
غلام باد صبا ام کہ بامداد و پگاہ | صلای عیش بہ عشرت سرای مستان داد

[1] روان فرمودن، فوراً حاضر کرنا،

باغ، نوبہارست وچمن جلوہ چو حورا کردہ | ابر بار یختنی بوبو لالا کردہ
گرہ طرۂ سنبل کہ صبا باز شدہ | دامن لالہ پراز عنبر سارا کردہ
بر گل و لالہ خیابان میرود آنکہ قمری | پاے آلودہ بہ خون پاپچہ بالا کردہ
عاشقان رفتہ بہ گلزار و دل سوختہ را | بہ تکلف ز گل و لالہ شکیبا کردہ
نوبہار امسال مارا روزہ فرماید ہمے | گل چنان تر دامن از می لب نیالاید ہمے
بر دہان غنچہ گہ گرمی زند بوسہ نسیم | کان شکر لب جز بہ بوسہ روزہ نکشاید ہمے
باد در کہسار جام لالہ را بر سنگ نے د | گل بہ خندہ گفت آری این چنین باید ہمے
نرگس رعنا قدح بر دست و چشم اندر ہوا | گوئیا میخوارہ ماہ عید را باید ہمے

گویا شراب خوار ماہ عید کو ڈہونڈھتا ہے

برسات

ہوای خرم است و ہر طرف باران ہمی بارد | نگویم قطرہ کز بالا گل ریحان ہمی بارد
نگون سر شاخہای سبز گوئی در ہمی چینند | زبس کابر در افشان بوی غلطان ہمی بارد

یعنی شاخین جو جھکی ہوئی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ بادل نے جو زمین پر موتی برسائے ہین یہ ان کے رولنے کو جھکی ہین،

چکان قطرہ ز سرہاے انار تر تو پنداری | کہ ہر دانہ کہ بودہ است اندر و پنہان ہمی بارد
خوش آن وقتے کہ مطرب در سماع نیکوان سرخوش | خرامان در میان سبزہ و بالان ہمی بارد

بعض قصائد سرتاپا موعظت و اخلاق مین ہین، ان مین بحر الابرار جو بڑا اسیر حاصل قصیدہ ہی مشہور ہی، التزام کیا ہی کہ ہر شعر مین دعوی اور اسکے ساتھ دلیل ہو،

کوس شہ خالی و بانگ غلغلش در دسر است | ہر کہ قانع شد بہ خشک و ترشہ بحر و بر است
عاشقے رنج است و مردان را بسینہ راحت است | سلسلہ بند است و شیران را بہ گردن زیور است

یعنی عاشقی مین گو تکلیف ہی لیکن مردون کو وہی آرام وہ ہی جس طرح شیر زنجیر مین بندا ہوتا ہی اور یہی زنجیر اسکا زیور ہے۔

مرد پنہان در گلیمے بادشاہ عالم است | تیغ خفتہ در نیامے پاسبان کشور است
راہرو چون در ریا کوشد مرید شہوت است | بیوہ زن چون رخ بیاراید بہ بند شوہر است
نفس خاک تست ہر گہ نور بالا بر تو تافت | سایہ زیر پا شود ہر گہ کہ بر تاک خور است
کار این جا کن کہ تشویش است در محشر بسے | آب این جا بر کہ در دریا بسے شور و تر است
ناکس و کس ہر کہ حرص مال دارد دوزخی است | عود و سرگین ہر چہ در آتش فتد خاکستر است
اے برادر مادر دہر ار خورد خونت مرنج | چون ترا خون برادر بہ ز شیر مادر است
دہر خاکے را نمونہ می کند کین مردم است | بحر آبے را غلولہ می کند کین گوہر است

اہل سخن کے نزدیک قصیدہ مین شاعر کی جدت طبع کا اندازہ مخلص یعنی گریز سے ہوتا ہی اس معیار کے لحاظ سے امیر خسرو اپنے تمام ہمعصرون سے ممتاز نظر آتے ہین انکے مخلص کی چند مثالین ذیل مین ہین،

برسات کے ذکر کے بعد،

بر آمد ابر در بخشش و گرزان پایہ در غلطد | نگیرد ہیچ کس دستش مگر شاہ جہانگیر د

بہار کی تمہید کے بعد

گل ار کم عمر شد گو باش دانی | کہ در خورکیست عمر جاودان را
نہال باغ شاہی رکن حق آنکہ | ز بزم اوست رونق بوستان را
کشادہ چہرہ کہ ماہے شدم بروے زمین | در ملک ہنبودم کہ آسمان این است

طلوع صبح کا بیان کرکے،

صبح را گفتم کہ خورشید ت کجاست | آسمان روے ملک جہجو نمود
ندار دروی آن نازک گر یا ہیچ آسیبے | مگر در سایۂ رایات شاہ کامگار آمد

طلوع آفتاب کے بیان کے بعد۔

خورشید جہانگیر میندار کہ در بزم | شمشیر کشیدہ ملک المشرق برآمد

قصائد مین امیر نے جس قدر جدید مضامین لطیف استعارات نئی نئی تشبیہین گوناگون اسلوب پیدا کیے اسکا احاطہ نہین ہو سکتا ہم اس موقع پر صرف بہاریہ تمہید کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتے ہین کہ بہار شعرا کا پامال میدان ہے، لیکن امیر اس مین بھی سب سے الگ ہین۔

بوستان شگفتہ روی لالہ خندان گشت باز | بر رخ گل طرہ سنبل پریشان گشت باز
سبزہ خطے چند بہر خواندن بلبل نوشت | بلبل آنکہ از خط خوبان غزل خوان گشت باز
خون لالہ گوئیا خواہد چکیدا ز تیغ کوہ | یا چکید آن خون کہ کوہ کودہ دامان گشت باز

غزل، او پر پڑھ آئے ہو کہ غزل قدماء کے زمانہ تک کوئی مستقل چیز نہ تھی سعدی نے غزل کو غزل بنا دیا، امیر خسرو کی غزل گوئی پر تقریظ کرنی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہی کہ وہی خمخانہ سعدی کی شراب ہی جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہی،

غزل کی جان کیا ہی؟ درد، سوز و گداز، جذبات، معاملات عشق، عجز و نیاز، اسکے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ جذبات و معاملات جس زبان مین ادا کیے جائین، وہی زبان ہو جسمین عاشق، معشوق سے راز و نیاز کی باتین کرتا ہے، یعنی سادہ ہو، بے تکلف ہو، نرم ہو، لطیف ہو، نیاز آمیز ہو، اسکے لیے یہ بھی ضرور ہی، کہ چھوٹی چھوٹی بحرین ہون، جملون کی ترکیبون مین نام کو بھی الجھاؤ نہ ہو، قریب الفہم خیالات ہون، اس حد تک امیر خسرو شیخ سعدی کے دوش بدوش ہین، لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہین، انھون نے غزل کی اصلیت کے علاوہ کمال شاعری کی بہت سی چیزین اضافہ کین، اور ایجادات اور اختراعات کے چمن کھلا دیے یہ سب اجمال تھا، تفصیل ذیل مین ہی،

بحرون کی موزونی | وہ اکثر شگفتہ اور چھوٹی چھوٹی بحرین اختیار کرتے ہین جن مین خواہ مخواہ بات کو صفائی، سادگی، اور اختصار سے ادا کرنا پڑتا ہے، مثلاً،

سرے دارم کہ سامان نیست اورا | بہ دل دردے، کہ درمان نیست اورا
فرامش کرد عمرم روز راز آنکہ | شبے دارم کہ پایان نیست اورا
بہ راہ انتظارم ہست چشمے | کہ خوابے ہم پریشان نیست اورا
یار من دل ز دستان بر داشت | مہر دیرینہ از میان بر داشت

در دل او نکرد کار ارچہ — سنگ از نالہ ام فغان برداشت
دی بہ تندی بلند کرد ابرو — از پی کشتنم کمان برداشت

آن دوست کہ بود بر کران شد — وان صبر کہ داشتم نہان شد
گفتم کہ اسیر گردی اے دل — دیدی کہ بہ عاقبت ہمان شد
دل بر دگرے نہم ولیکن — عاشق بہ ستم نمی توان شد (بہ جبر)

عاشقے را چو نامہ باز کنید — نام من بر سرش طراز کنید
گر شما دین عاشقان دارید — بعد ازین پیش بت نماز کنید
گاہ مُردن، شنیدہ ام محمود — گفت رویم سوے ایاز کنید

داد من آن بُت طراز نہ داد — پاسخے نیز دل نواز نہ داد
خواب ما را بہ بست و باز نہ کرد — دل ما را بہ بُرد و باز نہ داد
تو چہ دانی نیازمندی چیست — چون خدایت بہ کس نیاز نداد

سوز وگداز سوز وگداز کے خیالات جب وہ ادا کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے دہوان اُٹھ رہا ہی، اسمین کبھی معشوق سے اپنا حال کہتے ہین، کبھی اپنی تصویر کھینچتے ہین کبھی خود اپنے آپ پر ان کو رحم آتا ہی،

ماجرائے دوست پرسیدی کہ چون بگذشت حال — ای سرت گردم چہ می پرسی بدشواری گذشت

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ عاشق معشوق سے اپنی سرگذشت جب بیان کرتا ہے تو تھوڑا سا کہکر اسکو رونا آتا ہی، ٹھہر جاتا ہی، رو دیتا ہے، پھر آگے بڑھتا ہی، اسکی تصویر کھینچتے ہین،

خسرو است و شب افسانہ و یار و ہر بار　　قدرے گریہ و پس بر سر افسانہ رود

زانوش خسرو بزیر سر نیافت　　سر نہادہ بر سر زانو بخفت

اے آشنا کہ گریہ کنان پند می دہی　　آب از برون مریز کہ آتش بجان گرفت

کبھی کبھی عاشق کا دل کہتا ہی کہ صبر سے کام لینا چاہیے، پھر دل پر غصہ آتا ہی اور کہتا ہی کہ کمبخت جو بات ہو نہین سکتی اسکے کہنے سے کیا فائدہ، اس معاملہ کو باندھتے ہین۔

غصہ ام می کشد اے دل سخن صبر مگوے　　وہ چرا گوئی ازان کار کہ نتوانی کرد

حسد می بری ای دشمن! بہ عقل و دانش خسرو　　بیا تا بر مراد خاطر خود بینی اکنونش

رنج اور غم کی اس سے بڑھکر عبرت انگیز تصویر نہین کھینچی جا سکتی، عاشق جسکا فضل و کمال اور عقل اور سمجھ عموماً مسلم ہی، عاشق ہو کر تمام اوصاف کو کھو چکا ہے، وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہی تو خیال آتا ہے کہ دشمنون کی امید بر آئی، اسکو کس موثر طریقہ سے ادا کیا ہے،

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز　　دردہا دادی و در مانی ہنوز

گفتی اندر خواب گہ گہ روی خود بنمایمت　　این سخن بیگانہ را گو، آشنا را خواب نیست

غمزہ تو بر دل سلطان زند　　ور نہ رنجی بر دل درویش ہم

یعنی تیرا غمزہ بادشاہون کے دل پر حملہ کرتا ہے، اور برا نہ مان تو فقیرون پر بھی، "ور نہ رنجی" سے کسقدر عاشقانہ خضوع ظاہر ہوتا ہے

کشتم از تیغ جفایش خویش را　　بر تو آسان کردم، و بر خویش ہم

من کجا خُسپم کہ از فریاد من | شب نمی خسپد کسے در کوی تو
صبر طلب می کنند از دل عاشق | ہیچ خراجے کہ بر خراب نویسند

یعنی معشوق، عاشق کے دل سے صبر چاہتے ہین، یہ ایسی بات ہی کہ بنجر زمین پر محصول لگایا جاے،

ای دیدہ چہ ریزی از برون آب | کین شعلہ بہ جان گرفت مارا
ای خواب ابرو کہ باز امشب | سودای فلان گرفت مارا
ای عشق کار تو بہ چو من ناکسے فتاد | گویا کسے نماند جہان خراب را
دل ندارم غم جانان بچہ بتوانم خورد | پیش ازین گرچہ غمے بود دلے ہم بودہ است
کس چہ داند کہ چہ رفت از غم تو دوش بہ من | از شب تیرہ، خبر پرس کہ محرم بودہ است
بیا بر دوستان جانان تقضا کُن | ہر آن تیرے کہ بر دشمن خطا شد
دل باز سُوی آن بت بدخو چہ میرود | آن خو گرفتہ باز دران کوچہ میرود
جان میرود ز تن چو گرہ می زند بہ زلف | مردن مرا است از گرہ او چہ میرود
گر ببینی دل ویران مرا | گوئیا ہیچ گہ آباد نبود
کافرے رخت دلم غارت کرد | شہر اسلام و مرا داد نبود
میرا انصاف نہ کیا گیا
کرشمہ چند کنی بر من آخر این جان است | نمی دہد ز زمین و صبا نمی آرد

اس مضمون پر تین سو برس کے بعد اہلی نے یون دست درازی کی:

کرشمہ چند کنی با من آخر این جان است | نمی دہد ز زمین تر آسمان نمی بارد

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم	پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

جدت اسلوب

غزل کی ترقی کا نوروز، لطف ادا اور جدت اسلوب ہے جسکے موجد شیخ سعدی ہین لیکن پھر وہ نقش اولین تھا، امیر کی بوقلمون طبیعت نے جدت اسلوب کے سیکڑون نئے نئے پیراے پیدا کر دیے، جو اگلون کے خواب وخیال مین بھی نہ آئے تھے مثلاً یہ مضمون کہ معشوق ظلم وستم کرنے کے ساتھ بھی محبوب ہے، یون ادا کرتے ہین،

جان زتن بردی و در جانی ہنوز	دردہا دادی و درمانی ہنوز

مثلاً معشوق کی گران قدری کو اس پیراے مین ادا کرتے ہین۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ	نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

معشوق کی آنکھ کو سب مخمور اور مے آلود باندھتے تھے، اسی مضمون کو دیکھو امیر نے کس انداز سے کہا ہے،

مے حاجت نیست مستیم را	در چشم تو تا خمار باشد

معشوق کا عاشقون کے رنج وغم سے بے خبر ہونا، عام مضمون ہی اسکو کس لطف سے ادا کیا ہے۔

گل چہ داند کہ درد بلبل چیست	او ہمین کار رنگ و بو دارد

معشوق معشوقانہ اداؤن کو چھوڑنا چاہتا ہے ہم اسکو یون باز رکھتے ہین،

ہنوز ایمان و دل بسیار غارت کردنی دارد	مسلمانی میاموز آن دو چشم نا مسلمان را

رخصت کے وقت معشوق کو ٹھہراتے ہین کہ میرے آنسو تھم جائین تو جانا،

می روی و گریہ مے آید مرا　　ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

لطف اور قہر کی نگاہ کی تاثیر کا فرق،

گفتم چگونہ می کشی و زندہ می کنی　　از یک نگاہ کشت و نگاہ دگر نہ کرد

سعدی کا شعر ہے۔

دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم　　باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

یہ مضمون اگرچہ نیچرل ہونے کی حیثیت سے اسقدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اسپر ترقی نہین ہو سکتی تھی لیکن امیر نے ایک اور جدید اسلوب پیدا کیا،

جراحت جگر خستگان چہ می پرسی　　ز غمزہ پرس کہ این شوخی از کجا آموخت

غالب نے اسی خیال کو اور زیادہ بدیع اور شوخ کردیا ہے،

نظر کہین نہ لگے اُن کے دست و بازو کو　　یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

معشوق کی آمد کی دلفریبی کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین،

بتے و آفت تقویٰ و آخر این نہ بدانی　　کہ در شہر مسلمانان نباید این چنین آمد

اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ معشوق کے آنے سے لوگون کے زہد و تقویٰ مین فرق آتا ہے، بجاے اس کے خود معشوق سے خطاب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مسلمانون کے شہر مین یون نہین آیا کرتے، گویا معشوق کا فتنہ انگیز ہونا اسقدر حد سے بڑھ گیا ہے کہ اپنی حالت کا خیال نہین، بلکہ یہ فکر ہے کہ اسلام کی حالت خراب نہ ہو جاے،

معشوق کی زیادتی لطف کو اس انداز سے بیان کرتے ہین،

جان ز نظارہ خراب ناز او ز اندازہ بیش | ما بہ بوی مست و ساقی پُر دہد پیمانہ را

وحشی یزدی نے اسی خیال سے ایک اور لطیف خیال پیدا کیا۔

شراب لطف پُر در جام میریزی و می ترسم | کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

اکثر جگہ، صرف لفظون کی الٹ پلٹ سے عجیب لطیف بات پیدا کر دیتے ہین،

چشم بد دور از چنان روئے | کہ از و چشم دور نتوان کرد

مردمان در پی وبیہوشی من حیرانند | من بر آن کس کہ ترا بیند و حیران نشود

گفتیم ناخوش چرائی خسروا! | چون کنم؟ آن قد و آن بالا خوش است

گفتم کہ ہمین ترا غلامم | گر ہست گناہ من ہمین است

دہنت ذرّہ کم از ذرّہ است | رخ ز خورشید ذرّہ کم نیست

ایہام یعنی ذو معنین الفاظ سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہین۔

زبان شوخ من تُرکی و من ترکی نمیدانم | چہ خوش بودی اگر بودی زبانش در دہان من

پیش ازین بر خودم یقینے بود | کہ دلم ہیچ دلستان نبرد

ق

تو بہ بُردی ہمہ یقین مرا | بہ طریقے کہ کس گمان نبرد

دی روی تو دیدم و نہ مُردم | شرمندہ بماندہ ام ز رویت

دیگر سر آن نیست کہ من زہد فروشم | ساقی قدحے بادہ کہ بر روی تو نوشم

اکثر جگہ جملہ معترضہ یا شرطیہ جملہ سے عجیب عجیب لطیفے پیدا کرتے ہین اور یہ اُنکا خاص

مذاق ہی:

بروے باد ابوسے زن بران پائے | دگر چیزے نگوید بر دہان ہم
غمرۂ تو بر صف سلطان زند | در نہ رنجی بر دل درویش ہم
زشکم آید کہ برم پیش تو نام دگران | وگر انصاف بود پیش تو ہم تو ان گفت
کشتم از تیغ جفایت خویش را | بر تو آسان کردم و بر خویش ہم
غمے دارم کہ باد از دوستان دور | بحق دوستی کز دشمنان ہم

واقعہ گوئی اور معاملہ بندی | مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین[له]،

مخفی نماند کہ ہنگامہ آرائے سخن طرازی شیخ سعدی شیرازی کہ مروج طرز غزل است خال خال وقوع گوئی ہم دارد مثل این بیت،

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست | تا ندانند رقیبان کہ تو منظور منی

اما ناسخ نقوش ماثر امیر خسرو دہلوی کہ معاصر شیخ سعدی است بانی وقوع گوئی گردید و اساس آن را بلند ساخت،،

عشق وہوسبازی مین جو حالات پیش آتے ہین، انکے ادا کرنے کو وقوع گوئی کہتے ہین اہل لکھنؤ نے اسکا نام معاملہ بندی رکھا ہی، بہرحال اس طرز کے موجد جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے امیر خسرو ہین،

شرف قزوینی، ولی دشت بیاضی، اور وحشی یزدی نے اسکو ترقی کی حد تک پہنچا دیا، آزاد نے وقوع گوئی کی مثال مین امیر خسرو کے یہ اشعار پیش کیے ہین،

له صفحہ ۲،

خوش آن زمان کہ بہ ویش نظر نہفتہ کنم | چو سوی من نگرد او، نظر بگردانم

غلام آن نفسم کامدم چو خانۂ او | بہ خشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار، دربان گفت این مسکین | گرفتار است شاید کین طرف بسیار می آید

امیر خسرو کے کلام کی زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے ہر قسم کے نازک و لطیف اور شوخی آمیز معاملات ادا کیے ہین،

چند گویند کہ گہ گہ بہ دلش می گذری | این حدیثے است کہ بہر دل ما نیز کند

یعنی لوگ کہتے ہین کہ خسرو، ہم کو وہ کبھی کبھی یاد کرتا ہے، لیکن یہ بات تو لوگ تسلی دینے کے لیے بھی کہدیا کرتے ہین اسلیے اعتبار کیونکر آئے،

جانا! اگر شبیت دہن بر دہن نہم | خود را انجواب ساز و مگوکین دہان کیست

معشوق سے کہتے ہین کہ اگر مین کبھی رات کو تیرے مُنہ پر منہ رکھدون تو اپنے آپ کو سوتا بنالینا، یہ نہ کہنا کہ ارے یہ کس کا مُنھ ہے،

دل من مست بود و غصۂ دوست | گہے ز انجام و گہ ز آغاز می گفت

اندک اندک گہ گہے با یار بودن خوش بود | در میسر گرددم بسیار بودن ہم خوش است

تو شبینہ می نمائی بہ بر کہ بودی؟ امشب | کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

مست آن دمم کہ شب بدر کوی خویشم دید و گفت | کیست این؟ گفتند مسکینے گدائی می کند

جان باد فدات آندم کز بعد دو سہ بوسہ | گویم کہ یکے دیگر، گوئی تو کہ نتوانم

وعدہ می خواہم و در بند وفا نیز نیم | غرض آنست کہ بارے بہ تقاضا باشم

روزمرہ اور عام بول چال

عموماً شعرا اور اہل فن اپنے کلام کا رتبہ عام بول چال سے برتر سمجھتے ہین اسکا یہ نتیجہ ہے کہ ایک جداگانہ زبان پیدا ہو گئی ہے، جسکا نام علمی زبان ہے،

سعدی و نظامی وغیرہ کی بولنے کی زبان اگر قلمبند کی جاتی تو بوستان اور سکندرنامہ کی زبان سے صاف الگ نظر آتی، بلکہ آج اگر اس عہد کی بول چال کی کوئی کتاب ہاتھ آجائے تو ہم کو سمجھنے مین دقت ہو گی، لیکن یہ شاعری کا بہت بڑا نقص ہے، بے شبہ شاعری اور عام تصنیف مین ایسے بہت سے مضامین اور خیالات ادا کرنے پڑتے ہین جو عام زبان مین ادا نہین ہو سکتے ہین اسلیے انکے لیے علمی الفاظ وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن یہ ضرور نہین کہ ضرورت کے علاوہ اور اور موقعون پر بھی یہی مصنوعی زبان استعمال کیجائے خصوصاً غزل کی زبان، روزمرہ اور عام بول چال ہونی چاہیے، کیونکہ عاشق و معشوق علمی زبان مین باتین نہین کرتے،

قدما مین فرخی اور متوسطین مین سعدی اور امیر خسرو نے خاص اسکا خیال رکھا کہ روزمرہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت دیجائے، سعدی اور خسرو کے کلام مین جو روانی، شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے اسکا ایک بڑا گر یہی ہے،

امیر خسرو کی غزلین اکثر اس زبان مین ہوتی ہین کہ گویا دو آدمی آپس مین بیٹھکر بالکل بے تکلف سیدھی سادی باتین کر رہے ہین، اس مین کہین کہین خاص خاص محاورے بھی آجاتے ہین جو آج ہم کو اسلیے کسیقدر نامانوس معلوم ہوتے ہین کہ ہمکو اس زمانہ کے روزمرہ کے محاورات سے واقفیت نہین،

دل بسے بردہ، نکو بشناس — آن کہ مجروح تر از آن من است

یعنی تم نے بہت سے دل لیے ہین، خوب غور کر کے دیکھو جو بہت زخمی ہو، وہی میرا دل ہے،

صبح روے تو بہ نیسان کہ بر آید امروز — نیست امکان کہ چو من خستہ تا شام کشند[1]

لب و دہان و رخت ہر یکے بلای دل اند — یکے دلم چہ کنند جانب کدام شود

یعنی تیرا لب، دہن، اور چہرہ، سب بلا ہین، میرا دل کیا کرے، کدھر کدھر جاے،

گفتم ای دل مرو آنجا کہ گرفتار شوی — عاقبت رفت و ہمان گفتۂ من پیش آمد[2]

خلقے براہ منتظر جان سپردن اند — ای ترک نیم مست عنان را کشیدہ تر
ذرا باگ کو روکے ہوے،

بوسہ گفت و زبان گرداند — خود ہمے گوید و ہمے گرداند

بوسہ دینے کو کہا اور پلٹ گیا، آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی پلٹ جاتا ہے

بوے خوشم آید از تو در جیب — گل داری، یا ہمین است بویت

تیرے بدن سے خوشبو آ رہی ہے، تیری جیب مین پھول ہی یا تیری بو ہی

خشک سالی است درین عہد فارای شک — زان حوالی کہ تو می آئی باران چون است
جدھر سے تم آتے ہو ادھر بارش کیسی ہے

ای گل دہن تنگ صد تنگ شکر چیزی — گل با تو ہمی ماند در حسن مگر چیزے
ذرا سا

گویم غم و دردم بین گوئی کہ بتر خواہم — بسم اللہ اگر خواہی زین ہر دو بتر چیزے

چو سبزہ خوش لب خطا تو خواند جای آن باشد — کہ گل از خندہ بر خاک او فتد غنچہ شکم گیرد

یعنی سبزہ جب تیرے خط کی برابری کرے تو یہ زیبا ہے کہ پھول ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ جائے اور غنچہ کے پیٹ مین بل پڑ جائین،

[1] تا شام کشند یعنی شام تک زندہ رہ جاے، [2] یعنی وہی میرا کہا سامنے آیا،

دلم می خواستی برہم عفاک اللہ چنان دیدی | مرا می خواستی رسوا بحمد اللہ کہ آن ہم شد

اے صیادی کہ فلانے بہ چمن مے می خورد | ہیچ یاد می کُنم گشتہ زندانے کرد

از کجا آمدی اے باد کہ دیوانہ شدم | بوی گل نیست کہ می آیدم این بوی کسی است

دل من دور نہ رفت است نکو مے دانم | باز جوئید ہمین جای کہ در کوی کسی است

مشتبہ می شودم قبلہ ز رویت چہ کنم | کہ ترا بر وے تو چشم بدو محراب افتاد

تیرا چہرہ دیکھکر مجکو قبلہ مین دہوکا سا ہو تا ہے، کیونکہ مجکو تیرے ابروسے دو محرابین نظر آتی ہین

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبین | زین ذوق مست و بیخبرم کان سخن چہ بود

سب کو مُنھ دکھلایا اور مجھ سے کہا کہ تو نہ دیکھ مین اس مزہ مین مدہوش ہون کہ یہ کیا بات کہدی

ساکنان سر کوے تو نباشند بہ ہوش | کان زمینے است کہ آنجا ہمہ مجنون خیزد

ز چشمت کاروانِ صبر من تاراج کافر شد | مسلمانان کسے دیدست کاندر شہر راہ افتد

مسلمانون کسی نے شہر مین بھی ڈاکہ پڑتے دیکھا ہے

بہ بازی سوے من آمد بشوخی دل زمن بستد | بدو گفتم چہ خواہی کرد گفتا کار می آید

عام محاورہ بکار می آید ہے کار می آید امیر خسرو کے سوا اور کسی کے کلام مین نظر نہین گزرا

حسن تو عالمے بنجواہد سوخت | ہم در آغاز می توان دانست

نرخ کردی بہ بوسہ جانی | بندہ بخرید رایگان دانست

تونے ایک بوسہ کی قیمت جان قرار دی مین نے خریدا اور یہ سمجھا کہ مفت لیا

از بہر آن کہ لاف جمال تو می زند | صد بار لالہ بر دہن یاسمین زدہ است

ما جان فدای خنجر تسلیم کردہ ایم — خواہی بہ بخش و خواہ بکش رای رای تست

ساقی بیار می کہ چنان سوخت دل ز عشق — کز سوز این کباب ہمہ خانہ بو گرفت

راست کردی ز ابروان محراب — می نماید نماز خواہی کرد

ابروؤن سے تونے محراب درست کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہے

من آن ترک طناز را می شناسم — من آن مایۂ ناز را می شناسم

شبم تازہ شد جان بہ دشنام مستی — تو بودی من آواز را می شناسم

باد صبا چو از رخ او زلف در ربود — ابر سیہ کشادہ شد و آفتاب کرد

دھوپ نکل آئی

تو حال من ہم از رخ زرد من بہ — کہ من بروی تو پیدا نمی توانم کرد

سالہا شد کہ نیابم خبر و در کویت — دل ویران شدہ را آیم و آواز کنم

من از سر زندہ گردم، گر تو یا رایک سخن گوئی — تو می دانم نگوئی، لیک من گفتار میگویم

مجھ کو معلوم ہے کہ تم نہ کہو گے لیکن مین بات کہتا ہون

دعوی خون بہای دل خویش می کنم — یک بوسہ بر لبم زن و بالا کلام کن

امیر نے ایسے بھی بہت سے محاورے باندھے ہین جو اُن کے سوا کسی اور اہل زبان کے کلام مین نہین ملتے، مثلاً

از گرہ او دچہ میبرد،

آواز کردن، پکارنا

لہ پیدا کردن، ظاہر کرنا،

گفتار میگویم، یون ہی ایک بات کہتا ہون،

مالا کلام کردن، کسی کو ساکت اور بند کرنا،

اس بات نے بدگمانون کو موقع دیا ہو کہ یہ ہندوستان کی سکونت کا اثر ہو کہ ہندی محاورے اُن کی زبان سے نکلجاتے ہین، ممکن ہو ایسا ہی ہو لیکن چونکہ ہم کو اپنے تتبع اور استقرار پر اعتماد نہین، اسلیے ہم اس بدگمانی مین شریک نہین ہوسکتے،

تسلسل مضامین | غزل کا یہ بڑا عیب تھا کہ کسی مسلسل خیال کو ادا نہین کرتے تھے، قصائد کا موضوع مدح ہے، مثنویان، قصے، یا اخلاق کے لیے مخصوص ہین، قطعات مین بھی اور اور باتین ہوتی ہین، عشق اور محبت کے معاملات مین تفصیلی حالات بیان کرنے ہون تو کیونکر کرین، اسکے لیے صرف مسلسل غزل کام دے سکتی ہو لیکن قدما، بلکہ متاخرین مین بھی اسکا بہت کم رواج ہوا، امیر خسرو نے البتہ اکثر مسلسل غزلین لکھی ہین اور خاص خاص کیفیتونکا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اسکی نظیر نہین ملسکتی،

مثلاً عاشق قاصد یا اپنے رازدار سے معشوق کا حال پوچھتا ہے کہ کہان ہو؟ اور کن لوگون کے ساتھ ہو؟ کیا کرتا ہو؟ میرا بھی کچھ ذکر کرتا ہے کہ نہین وغیرہ وغیرہ دیکھو کس اشتیاق، کس حسرت کس انداز سے یہ باتین پوچھتے ہین،

ای صبا باز بمن گوی کہ جانان چون است؟ | آن گل تازہ و آن غنچۂ خندان چون است؟
با کہ مے می خورد آن ظالم و دری خوردن | آن رخ پرخوی و آن زلف پریشان چون است؟
چشم بدخوش کہ ہشیار نہ باشد مست است | چشم میگونش کہ دیوانہ کند آن چون است؟

روی و زلف بت عیارہ کہ آن ہر دو خوش اند | دل دیوانۂ من پہلوی پریشان چون است ؟
روزہا شد کہ دلم رفت و دران زلف بماند | یارب آن یوسف گم گشتہ زندان چون است ؟

پوچھتے پوچھتے دفعتہً خیال آتا ہی کہ معشوق کے ذکر مین اپنا تذکرہ خلاف عاشقی ہی، اسلیے ان سب باتون کو چھوڑکر کس محویت سے کہتا ہی،

ہم بہ جان و سر جانان کہ کم و بیش مگوے | گو ہمین یک سخن راست کہ جانان چون است ؟

یعنی معشوق کی جان کی قسم ادہر اُدہر کی باتین نہ کہہ، صرف یہ بتا کہ معشوق کس حالت مین ہی؟

معشوق نے روزہ رکھا ہی، اسپر عاشق کے دل مین جو جو خیالات پیدا ہو سکتے ہین اُن کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

ماہ من روزہ میان شکرستان دارد | ای خوش آن روزہ کہ جا در لب جانان دارد
لب مے آلودہ دہان پر شکر نرگس مست | ای مسلمانان! کس روزہ بدینسان دارد
خضر گر بر لبش آید شکند روزہ خویش | کان بسر در تہ لب چشمہ حیوان دارد
خون من می خورد آخر زنش پنہان نیست | من گرفتم کہ خود او روزہ پنہان دارد
جان من گر تو قدم رنجہ کنی، بندۂ تو | قدرے آب و چشم، و دل بریان دارد

معشوق سر و سامان کے ساتھ سوار آرہا ہی، عاشق پر حیرت طاری ہوتی ہی کہ کیا آسمان سے چاند اتر آیا ہی؟ یہ خوشبو کیسی پھیل رہی ہی؟ کیا ہوا پھولون مین بس کر آرہی ہی؟ پھر خیال آتا ہی کہ نہین معشوق آتا ہے، لیکن ان دلفریبیون کے ہوتے کس کا ایمان سلامت رہیگا، اسلامی آبادی مین یون نہین آنا چاہیے، ان خیالات کو مسلسل ادا کرتے ہین،

کہ می آید ہ چنین یارب نگرمہ بر زمین آمد ٭ چہ گرد است اینکہ می خیزد کہ با جان ہمنشین آمد

کہ می راند چنین ~~سواری~~ کہ میدان عنبرآگین شد ٭ گذ این بادمی جنبد کہ بوی یاسمین آمد

بتی و آفت تقوی و آخر این نمیدانی ٭ کہ در شہر مسلمانان نباید این چنین آمد

بہار آئی ہی عاشق باغ مین جاتا ہی مجلس آرائی کے سامان ساتھ ہین، قاصد کو معشوق کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجتا ہے کہ باغ مین عجیب بہار ہی، سبزہ لب جو اور عالم آب کی سیر قابل دید ہی، قاصد سے یہ بھی کہدیا ہی کہ ادہر اُدہر کی باتون مین ٹالنا چاہے تو نہ ماننا، اور جسطرح ہوسکے ساتھ لانا، اور اگر عالم مستی مین ہو تو اسی طرح مست اُٹھالانا، ان تمام خیالات کو تفصیل کے ساتھ ایک غزل مین ادا کیا ہے،

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش ٭ وقتے است خوش بہار کہ وقت بہار خوش[۱]

در باغ با ترانۂ بلبل و رین ہوا ٭ مستی خوش است و بادہ خوش است و بہار خوش

مایم و مطربے و شرابے و محرمے ٭ جامے بزیر سایۂ شاخ چنار خوش

ای باد کاہلی مکن و سوی دوست رو ٭ ما را بکن بہ آمدن آن نگار خوش

چیزے دگر مگوے ہمین گو کہ در چمن ٭ سبزہ خوش است و آب خوش و جو ببار خوش

گر خوش کند ترا بہ حدیثے کہ باز گرد ٭ پیشش کن و بیار مشو زینہار خوش

ور بینیش کہ مست بود خفتنش مدہ ٭ ہم ہچنانش مست بہ نزد من آر خوش

من مست خوش حریفی ادیم کہ آن حریف ٭ سر خوش خوش است و مست خوش و ہوشیار خوش

---

[۱] وقت کے خوش بودن، دعائیہ جملہ ہے، یعنی خدا اُن کو خوش و خرم رکھے،

یاد دران زمان کہ منش راہ می دہد | بازی خوش است و بوسہ خوش است و کنار خوش
طبیعت ۱۲
سرو پیادہ خوش بود اندر چمن ولیک | آن سرو من پیادہ خوش است و سوار خوش

بہار مین کیا کیا چاہیے؟ اسکو تفصیل سے لکھتے ہین،

ہنگام گل است بادہ باید | ساقی و حریف سادہ باید
گر غنچہ گرہ در ابرو افگند | پیشانی گل کشادہ باید
ساقی برخیز، دیار بنشان | کین شیشہ و آن ستادہ باید
شستہ ۱۲
وانگاہ، حریف سادہ و مست | در چنگ من اوفتادہ باید

بہار کا سامان،

بوستان جلوہ در گرفت اینک | گل ز رخ پردہ در گرفت اینک
آتش لالہ بر فروخت ز باد | دامن کوہ در گرفت اینک
بلبل آمد، نشست بر سر گل | بے نوا بود، زر گرفت اینک
غنچہ در پیش فاختہ ز اصول | سبقے تازہ بر گرفت اینک
موسیقی ۱۲
ورق غنچہ را کہ تر شدہ بود | ورقش یکدگر گرفت اینک

یعنی غنچہ کے ورق چونکہ نم تھے اسلیے چپک کر رہ گئے،

آب را گرچہ چشم ہا پاک است | بوستان را بر گرفت اینک

یعنی پانی گو پاک نظر ہی، تاہم اُسنے باغ کو سینہ سے لپٹا لیا،

خار چون تیز کرد پیکان را | گل بصد تو سپر گرفت اینک

طوطی آغاز شعر خسرو کرد — روی گل در شکر گرفت اینک

جدت — جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، امیر کا دعوی ہے کہ اُنہون نے سیکڑون نئی تشبیہین ایجاد کین، اور یہ دعوی بدیہی دعوی ہے، انکی ایک غزل بھی نہین ملسکتی جس مین کوئی نہ کوئی جدید تشبیہ نہو، چند مثالین ہم ذیل مین نقل کرتے ہین،

راز خون آلود خویش ای دل منہ با من بر زبان — کین ورق خام ہست حرف از وی برون خواہد گذشت

اے دل اپنا بھید مجھسے نہ کہہ، کیونکہ یہ کاغذ کچا ہے اس مین حرف پھوٹ نکلے گا،

زلف او پہلوی خال لب او — گوئی از شہد مگس می راند

نرود مہ بر اوج در شب تار — تا ز زلف تو نردبان نبرد

یعنی چاند اندھیری رات مین بلندی پر نہین چڑھ سکتا، جبتک تیری زلفونکی سیڑھیان نہ لگائے

(چہرہ کو چاند اور زلف کو زینہ سے تشبیہ دی ہے)

ہست صحرا چون کف دستی بر از لالہ جام — خوش کف دستی کہ چندین جام صہبا بر گرفت

اس مضمون کو دانش مشہدی نے عجیب لطیف پیرایہ مین بدل دیا ہی،

دیدہ ام شاخ گلے بر خویش می پیچم کہ کاش — می توانستم بیک دست این قدر ساغر گرفت

یعنی مین نے ایک ڈالی پھولون سے بھری دیکھی، اور تڑپ گیا کہ کاش مین ایک ہات مین اتنے ہی پیالے، لے سکتا،

غلام نرگس مستم کہ بامداد پگاہ — قدح بدست گرفتہ ز خواب برخیزد

گلستان نسیم سحر یافتہ است — صبا غنچہ را خفتہ دریافتہ است

چنان خواب دیدہ است نرگس بخواب ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ که گویا یکے جام زر یافتہ است

نرگس کے پھول مین جو زرد کٹوری ہوتی ہی، اسکو جام زر سے تشبیہ دیتے ہین اور یہ تشبیہ عام تھی، لیکن اس اسلوب بیان نے کہ نرگس نے خواب مین دیکھا کہ اسکو جام زر ہاتھ آگیا ہی ایک خاص لطف پیدا کر دیا، اور چونکہ نرگس کو مخمور اور خواب آلود باندھتے ہین اسلیے خواب دیکھنے کی توجیہ واقعیت کا پہلو رکھتی ہے،

میروی وگریہ مے آید مرا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

آنسو کی جھڑی کو سب بارش سے تشبیہ دیتے آئے ہین، لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ معشوق سے کہتے ہین کہ تیرے جانے کیوقت مجھکو رونا آتا ہی، اتنا ٹہر جا کہ بارش تھم جاے، اور اسمین مزید لطف یہ ہی کہ معشوق کا جانا ہی اس بارش کی علت ہی اسلیے وہ جانا چاہیگا تو بارش ہوگی، اور اسلیے وہ کبھی نہ جا سکیگا،

می میانِ شیشۂ ساقی نگر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ آتشے گویا بہ آب آلودہ اند

ابر آمد و بہ ساغر لالہ شراب کرد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در گوشہای باغ بسے دُرناب کرد

فراش باغ بارگہ خود بہ باغ زد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وانگہ بر آب، خرگہ سیم از حباب کرد

نرگس کہ شب خفتے فریاد بلبلان ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بنہاد سر بہ بالش گل، میل خواب کرد

مضمون آفرینی

خیال بندی اور مضمون آفرینی کا موجد کمال اسمٰعیل خیال کیا جاتا ہی، لیکن کمال کی جدت قصائد کے ساتھ مخصوص ہی، غزل مین اسنے اس رنگ کی مطلق آمیزش نہین کی ہی، غزل مین نکتے نئے مضامین اور نئے نئے اسلوب پیدا کرنے امیر خسرو کا ایجاد ہے، اور انہین پر خاتمہ

بھی ہو گیا، متاخرین کی مضمون آفرینیان گو حد سے بڑھ گئین لیکن اسکا دوسرا انداز ہی، وہ اور سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی حقیقت کھلے گی،

امیر خسرو کی مضمون آفرینیان مختلف قسم کی ہین، مثالون سے اندازہ ہوگا

بخانۂ تو ہمہ روز بامداد بود　　　که آفتاب نیارد شدن بلند آنجا

تیرے گھر مین ہمیشہ صبح رہتی ہے کیونکہ وہان آفتاب اونچا نہین ہو سکتا

زلف تو سیہ چراست مانا　　　بسیار در آفتاب گشتہ است

مشتبہ می شودم قبلہ ز رویت چہ کنم　　　کہ ز ابروی تو چشم بد و محراب افتاد

چشم مست تو کہ دی بر من بیتاب افتاد　　　تو نیفگندی از آلودگی خواب افتاد

زہے آن چنین تاریک باشد خانۂ چشم　　　کہ ہرگز آفتاب من درین روزن نمی آید

پیش تو آفتاب نتوان جست　　　روز روشن چراغ نتوان کرد[1]

می روی دگریہ مے آید مرا　　　ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

دل من بہ زلف و رویت شد اسیر چون نگردد　　　شب ماہتاب زے کہ بخانہ در آید

زہے عمر دراز عاشقان گر　　　شب ہجران حساب عمر گیرند

یعنی اگر شب ہجر کو بھی شامل کر لیا جاے تو عاشقونکی عمر کسقدر بڑی ہوتی ہی،

زلف ازان می بُرد آن شوخ کہ شبہاے غمم　　　گر شود کوتہ ازان جا ہمہ پیوند کنند

یعنی اپنی زلف وہ اسلیے تراشتا ہی کہ میرے غم کی راتین چھوٹی ہو جائین، توان مین جوڑ لگا کر بڑہا دے

[1] چراغ کردن، چراغ جلانا،

راہی است براے بردن دل　　ابروی تو کز میان کشادہ است

یعنی تیرے دونون ابروؤن کے درمیان مین جو فاصلہ ہے اسلیے ہے کہ دل لیجانیکے لیے راستہ رہے

زلفت سرد با شکستہ زان است　　کز سرو بلندت اوفتادہ است

یک شب ز رخ خویش چراغیم کرم کن　　تا قصۂ اندوہ تو ہم پیش تو خوانم

یعنی کسی رات کو اپنے چہرہ کا چراغ عنایت کرو کہ مین اسکی روشنی مین اپنا قصہ تمھارے سامنے پڑھکر سناؤن

خانہ چشم من خراب شدہ است　　کہ بہ بنیاد خانہ، نم رفتہ است

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

شکرین لعل تو کان نمک است　　گرچہ شکر نہ مکان نمک است

آب روے تو ملاحت افزود　　گرچہ از آب زیان نمک است

خواہی ایجان برو و خواہ بمن باش کہ من　　مرونی نیستم امروز کہ جانان اینجا ست

آئینہ کرد، حسن وی از آسمان سوال　　برخواست آفتاب بہ زانو جواب کرد

یعنی اُسکے حسن نے آسمان سے آئینہ مانگا آفتاب نے ادب سے زانو ٹیک کر کہا کہ حاضر ہے

سر ابروی تو گردم گرہش باز کشای　　کہ کمانت نہ بہ اندازۂ بازوی کسی است

ہر چند کہ زلف تو سیاہی است جہانگیر　　زین گونہ پریشان نتوان کرد سپہ را

بہ سایہ خفتہ بدم من کہ یار آمد و گفت　　چہ خفتۂ کہ رسید آفتاب در سایہ

اکثر شاعرانہ اجتماع النقیضین ثابت کرتے ہین اور وہ طبیعت پر استعجاب کا اثر پیدا کرتا ہے،

ع دردہا دادی و درمانی ہنوز،

یاد باد آنکہ ہمہ عمر نہ کردی یادم

صنائع — امیر نے اعجاز خسروی مین صنائع بدائع پراسقدر ہمت صرف کی کہ ہمکو بڑا ڈر تھا کہ جو جال انہون نے بچھایا اُس مین خود بھی پھنس نہ جائین، لیکن یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جن جن لوگون نے صنائع و بدائع کو فن بنایا اور اُسپر مستقل کتابین لکھین، مثلاً فرخی و ابن المعتز وغیرہ وہ خود اس بدعت سے محفوظ رہے۔

امیر خسرو، اورون کی بہ نسبت کسی قدر آلودہ ہین، تاہم ان کے صنائع بہت سے بے تکلف بھی ہوتے ہین اور اس حد تک نہین پہونچتے کہ نکتہ گیری کی زد مین آئین، صنعت طباق یعنی اضداد اُنکی خاص مرغوب چیز ہے اور وہ اسکو بڑی خوبی سے نباہتے ہین،

ع دردہا دادی و درمانی ہنوز،

زبند دو جہان آزاد گردم	اگر تو ہمنشین بندہ باشی
من درویش را کشتی بہ غمزہ	کرم کردی آلہی زندہ باشی
گفتیم ناخوش چرا ای خسروا	چون کنم ہا آن شکل و ان بالا خوش است
بندہ را در غم تو نیست خبر	ہمہ یاران بندہ را خبر است
خروسالے بہ من کند بیداد	اے بزرگان شہر داد دہید

عربیت — اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ امیر کو عربی علم ادب مین کمال تھا، اور اس فن کی نادر کتابین انکے حافظہ مین مخزون تھین، تاہم ان کو اس فن مین دعویٰ نہین، غرۃ الکمال

کے دیباچہ مین عربی کے چند اشعار لکھے ہین جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ باوجود اعتراف عجز کے ان کو اس زبان پر کس قدر قدرت ہے، اشعار یہ ہین،

ذاب الفواد و سال من عینی الدم — وحکی الذی وامع کل ما انا اکتم

دل گھل گیا، اور آنکھ سے خون، بہا اور آنسوؤن نے وہ سب کہدیا جو مین چھپاتا تھا

واذا ابحت الذی لوری اکرب النوی — تبکی الاحبة والاعادی ترحم

اور جب مین لوگون کے سامنے فراق کی تکلیف بیان کرتا ہون تو دوست روتے ہین، اور دشمنون کو رحم آتا ہے

یا عاذل العشاق، دعنی باکیا — ان السکوت علی المحب، محرم

او ناصح! تو مجھے رونے دے چپ رہنا، عاشق پر حرام ہے

من بات مثلی فصوید رخلیلتی — طول اللیالی کیف بات متیم

جو شخص میری طرح رات گذارے وہ البتہ سمجھ سکتا ہے کہ عاشقونکی رات کس طرح گذرتی ہے

اعجاز خسروی مین عربی زبان مین خطوط لکھے ہین جن سے ان کی عربیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، اگرچہ ان مین قافیہ بندی اور لغو تکلفات ہین، لیکن یہ اس زمانہ کا عام انداز تھا، تنہا ان پر الزام نہین آسکتا،

وان انا الا من غزیة، ان غوت — غویت وان ترشد غزیة ارشد

مین بہرحال قبیلہ غزیہ کا آدمی ہون غزیہ گمراہ ہو تو مین بھی گمراہ ہون، اور وہ ٹھیک راستہ پر ہو تو مین بھی ہون،

صنائع وبدائع امیر خسرو نے صنائع وبدائع مین جو زور آوریان صرف کین، اگرچہ وہ کندن اور کاہ برآوردن ہین، لیکن اس لحاظ سے کہ انکی محنت بالکل رائگان نہ جانے پائے، ان کا اجمالی تذکرہ

کرنا ضرور ہے،

ان مین بہت سی صنعتین وہ ہین جو عربی مین موجود تھین، لیکن فارسی مین اُنکا ادا کرنا اسلیے مشکل تھا کہ فارسی زبان کی کم وسعتی اس کی متحمل نہین ہوسکتی، مثلاً صنعت منقوطہ یعنے عبارت مین ایسے الفاظ لانا جنکا ایک ایک حرف نقطہ دار ہو، امیر نے اس قسم کی صنائع مین صفحے کے صفحے لکھے ہین، بعض فارسی مین تھین، لیکن ایک آدہ سطر سے زیادہ کوئی شخص لکھ نہ سکا امیر خسرو نے ورق کے ورق لکھے۔ بعض صنائع مین انہون نے تصرفات کیے، اور بعض بالکل خاص انکے ایجاد ہین، چنانچہ ہم انہی کو مختصر طور پر لکھتے ہین،

دو رُو، یعنی ایسی عبارت لکھنی کہ نقطون کے ردّ وبدل سے دو مختلف زبانون مین پڑھی جاسکے اور بامعنی ہو، امیر نے اس صنعت مین کئی صفحے لکھے ہین، لیکن کاتبون کی غلط نویسی سے ان کا صحیح پڑھنا ناممکن ہو، اسلیے صرف ایک آدھ سطر پر اکتفا کرتا ہون۔

رسیدی بدیدی مرا، دی بہ خانے ۔۔۔ زمانے بباشی، بہ یاری بشائی

کل ۱۲ مکان ۱۲

اس شعر کو اگر فارسی مین پڑہین تو اسکا لفظی ترجمہ یہ ہو،

کل تو آیا اور تو نے مجکو ایک مکان مین دیکھا، ایک دم ٹھر جا تو دوستی کرنیکے قابل ہے،

لیکن اگر اسی کو عربی مین پڑہین تو یون پڑھ سکتے ہین،

رشیدی، ندیدی، مرادی، نجاتی ۔۔۔ رمانی بیاسٍ تبادی نسائی

تو میرا ہدایت یافتہ ہے، بے نظیر ہی، میری مراد ہے، میری نجات ہے، مجکو اس بات نے ناامید کیا ہو کہ میری عورتین باہم لڑتی ہین،

قلب اللسانین، بہت سے اشعار لکھے ہین کہ فارسی مین ہین، لیکن اگر اُن کو اُلٹ کر پڑہین تو عربی عبارت بن جائے، مثلاً،

بسی با کامرانی در جہان باش،
می باش بر کار شادمانی،
بای یار ما کہ کار می کنیم ہم
دوست ما یار منی بر یاری ما آئی،
بکن داد و بکشور کامران باش

ان تمام مصرعون کو اُلٹ کر پڑہین تو عربی عبارت بن جاتی ہے،

وصل الحرفین، یہ وہ صنعت ہے، کہ جس قدر الفاظ عبارت مین آئین، ان مین کہین کوئی حرف الگ نہ آئے، بلکہ دو دو، یا تین تین، حرف کا لفظ ہو، مثلاً،

چاکر خاصہ، حاجی شرقانی، سر خدمت، بر پایت می مالد، و می گوید، کہ بدین جانب خاطر ما با فرحت قرین می باشد باید کہ گہ جانب ما، نامہ فرماید، تا ہر خوشی کہ بر ماست فرخی کامل باید،

یہ اُس صنعت کا نقیض ہے، جسکا ہر لفظ الگ الگ حرفون مین لکھا جاتا ہے، مثلاً

در دور وداد آورد، ورود دار، دارای دراری دوّار، ذات داور دوران را، الخ

امیر نے اس صنعت پر کئی صفحے کی عبارت لکھی ہے،

ابدیعۃ الاحرف، اس صنعت پر امیر کو بہت ناز ہے، کئی کئی سطرون کی با معنی عبارت

لکھی ہی، اور یہ التزام کیا ہی کہ صرف چار حرف یعنی الف، ہ، واو، ے، ے کے سوا اور کوئی حرف نہ آنے پائے، یعنی تمام الفاظ صرف انہی حرفون سے بنے ہین، لیکن جو عبارت لکھی ہے، وہ بالکل سہل معلوم ہوتی ہے، اور اُس کا پڑھنا سخت مشکل ہے،

معجزۃ الالسنۃ والشفاہ، اس صنعت پر اور بھی ان کو ناز ہے اُس مین ایسے الفاظ جمع کیے ہین کہ سطرین کی سطرین پڑھتے جاؤ لیکن کہین ہونٹون کو جنبش نہین ہوگی صرف حلق سے تمام الفاظ نکلین گے،

ترجمۃ اللفظ، یہ صنعت بھی خاص اُن کی ایجاد ہے، اس مین یہ التزام ہے کہ جو لفظ آتا ہے، اُس کے بعد کا لفظ، دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہو جاتا ہے، مثلاً

سودای رخ تو کشت مارا

یہ فارسی مصرع ہی، لیکن کشت کا اگر اردو مین ترجمہ کرین تو "مارا" ہوگا اسلیے مصرع کا اخیر لفظ، پہلے لفظ کا ترجمہ بھی ہے، امیر نے اس صنعت مین پورے صفحہ بھر کی عبارت لکھی ہی،

محتمل المعانی، ایک شعر مین ایک لفظ لائے ہین کہ اسکے سات معنی ہین، اور ہر معنی وہان مراد لیے جاسکتے ہین،

موقوف الآخر، ایک رباعی لکھی ہی، جسکا ہر قافیہ، دوسرے مصرعہ کی آغاز کا

محتاج رہتا ہے، مثلاً

در حسن ترا، کسے نماند، لا لا   خورشید کہ ہر صبح برون آید، تا

خدمت کند و پای تو بوسد، آما   بینی تو بسوے او، چو پا بوسد، تا

انہی صنعتون اور بیجا کاوشون مین کئی جلدین لکھ ڈالی ہین، اگر کسی صاحب کو امیر خسرو سے زیادہ مغز کاوی مقصود ہو تو اعجاز خسروی موجود ہے، مطالعہ فرمائین

سلمان ساوجی

وفات ۷۶۹ھ یا ۷۷۸ھ

عراق عجم مین سادہ، ایک مشہور صوبہ تھا، صاحب آتشکدہ لکھتے ہین کہ "اب صرف چند قصبے باقی رہ گئے ہین" سلمان یہین کے رہنے والے تھے، عربی مین نسبت کے وقت ہ، ج سے بدل جاتی ہے، اسلیے ساوجی کہلاتے ہین، ان کا خاندان ہمیشہ کر معزز چلا آتا تھا اور سلاطین وقت انکا بہت احترام کرتے تھے، سلمان کے والدجن کا نام خواجہ علاء الدین محمد تھا، دربارشاہی مین ملازم تھے، سلمان کی ابتدائی تعلیم بھی اسی حیثیت سے ہوئی تھی، چنانچہ دفتر کے کاروبار اور علم سیاق مین نہایت کمال رکھتے تھے اس زمانہ مین جو طوائف الملوک حکومتین جابجا قائم ہوگئی تھین، انمین ایک جلایر کا خاندان تھا، جسکا پای تخت بغداد تھا، اس خاندان نے ۷۰ برس تک حکومت کی، اور چار شخص مسند حکومت پر بیٹھے، اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا حسن ایلکانی تھا، حسن ایلکانی کے فرزند سلطان اویس جلایر نے بڑا جاہ اور اقتدار پیدا کیا، ۷۶۶ھ مین آذربایجان، اران، موغان، شیروان، موصل وغیرہ فتح کرکے، اپنے حدود حکومت مین داخل کرلیے، ۱۹ برس تک بڑے عظمت و اقتدار کے ساتھ حکومت کی، مختلف علوم و فنون مین کمال رکھتا تھا، تصویر ایسی عمدہ کھینچتا تھا کہ بڑے بڑے مصور دنگ

رہجاتے تھے، خواجہ عبدالحیٔ جو مشہور مصور گذرا ہی، اسی کا تربیت یافتہ تھا، علم موسیقی مین اکثر چیزین اسکی ایجاد ہین، ان باتون کے سوا حسن وجمال کا یہ حال تھا کہ جب اسکی سواری نکلتی تھی تو راستہ تماشائیون سے رُک جاتا تھا، ۷۸۶ھ مین وفات پائی، خواجہ سلمان انہی دونون کے دربار کے ملک الشعرا تھے،

خواجہ سلمان کی ابتدائی تقریب کا[1] یہ واقعہ ہی، کہ اُنھون نے حسن ایلکانی کی فیاضیونکا شُہرہ سُنکر بغداد کا قصد کیا، اور دربار مین پہونچے، ایکدن حسن تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا، سلمان بھی اس موقع پر موجود تھے، برجستہ یہ اشعار کہکر پیش کیے،

چو در بار چاچی کمان رفت شاہ
تو گفتی کہ در برج قوس است ماہ

دو زاغ کمان با عقاب سر پر
بدیدم بیک گوشہ آوردہ سر

نہادند سر بر سر گوش شاہ
ندانم چہ گفتند در ہوش شاہ

چو از شست بکشادہ خسرو گرہ
بر آمد ز ہر گوشہ آواز زہ

شہا تیر در بند تدبیر تست
سعادت دوان در پی تیر تست

بہ عہدت ز کس نالہ بر نخواست
بغیر از کمان کو بنالد رواست

کہ در عہد سلطان صاحبقران
نکرد است کس زور جز بر کمان

حسن نے سلمان کی غیر معمولی قادر الکلامی دیکھکر، مقربین خاص مین داخل کیا، سلطان حسن کی حرم دلشاد خاتون، نہایت قابل اور لائق عورت تھی، سلطان

---

[1] مجمع الفصحا، وتذکرۂ دولت شاہ،

برائے نام بادشاہ تھا، سلطنت کا نظم ونسق دلشاد خاتون کے ہات مین تھا، وہ شعر اور سخن کی بہت قدردان تھی، اس بناپر سلمان کی نہایت قدردانی کرتی تھی، سلمان نے بھی اس کی مدح مین جی کھول کر زورِ طبع دکھایا ہے۔

سلطان اویس کو شاعری کے ساتھ خاص مذاق تھا، خود شعر کہتا تھا، اور سلمان کو دکھاتا تھا، اس بناپر سلمان نے اسکے دربار مین نہایت تقربِ حاصل کیا،

ایک دفعہ سلمان رات کیوقت سلطان اویس کی مجلس عیش مین شریک تھے جلسہ ختم ہوچکا تو سلمان اُٹھے، سلطان نے ملازم ساتھ کردیا کہ روشنی دکھانے کے لیے شمع ساتھ لیجائے، گھر پر پہونچے تو ملازم شمع وہین چھوڑ آیا، صبح کو شمع لینے گیا، تو خواجہ صاحب اس بناپر گھبرائے، کہ شمع کے ساتھ طلائی تھالی بھی تھی، وہ ہات سے جاتی ہے، اُسیوقت یہ شعر لکھکر ملازم کو دیا، کہ سلطان کی خدمت مین پیش کرنا،

شمع خود سوخت بہ زاری شب دوش و امروز	گر لگن می طلبد شاہ زمن می سوزم

سلطان نے ہنسکر کہا کہ شاعر سے کوئی چیز کون واپس لے[1] سکتا ہے

سلمان جب بہت ضعیف ہوگئے تو ملازمت سے استعفا دینا چاہا اور مسلسل چار قطعے لکھکر پیش کیے،

بادشاہا! بندہ در حضرت برسم عرضداشت	انبساطے می نماید بر امید رحمتت
قرب چل سال است تا ارکان شرق و غرب را	طبع سلمان می کند در گوش دُرِّ مدحتت
در ثنائی حضرتت عہد جوانی گشت صرف	نوبت پیری رسید اکنون بامر حضرتت

[1] دولت شاہ،

گوشۂ خواہم گرفتن تا اگر عمرے بود — چند روزے بگذرانم در دعای دولتت
علت پیری و درد پا، ضعفِ جسم و چشم — می برو درد سر من بندہ را از خدمتت
گفتہ ام در باب خود فصلے دو سہ آنرا جواب — چشم دارد بندہ از درگاہ گردون حشمتت

قطعۂ دوم

اوّل آن است کہ چون نیت عزلت دارد — بندہ زین دائرۂ جمع، جدا خواہد بود
مدتے مالک مُلکِ شعرا بود بہ حق — زین زمان خادم جمع فقرا خواہد بود
پیش ازین، در پئے مخلوق بہ سر می گردید — بعد ازین بر در معبود بپا خواہد بود
بندہ تا زندہ بود وجہ معاش بندہ — ہیچ شک نیست کہ زاحسان شما خواہد بود
لیک دارم طمع آن کہ معین باشد — کہ مراد وجہ معیشت ز کجا خواہد بود

قطعۂ سیوم

دیگر آن است کہ محبوب جہان معتری شاہ — آمد از بندگی[1] شاہ کہ مے فرماید
رو بگو بندۂ دیرینۂ ما سلمان را — کہ بخواہ از کرمم ہر چہ ترا می باید
بندہ بر حسب اشارت طلبی کردم و شاہ — داشت مبذول جہان کز کرم شاہ آید
وعدہ دین است زدین من اگر زانچہ کند — ذمۂ ہمت خود شاہ بری مے شاید

قطعۂ چہارم

دیگر از خرج ترا، و دخل کمش قرضے چند — ہست و قرض است کہ قرض غربا باز دہد
زیادہ

[1] بندگی کا لفظ اس زمانہ مین اس طرح بولتے تھے جس طرح آجکل بادشاہ کے لیے ہزمجسٹی کہتے ہین،

بندہ را غیر درِ شاہ درِ دیگر نیست قرض باید کہ ز انعام شہا باز دہد
وجہ این قرض کہ از من غربا می خواہند گر نہ خواہد ز تو سلمان ز کجا باز دہد

سلطان نے فی البدیہ پہلے قطعہ پر یہ شعر لکھا،

ہر چہ تا غایت بنام او مقرر بودہ است ہمچنان باشد بہ نام او مقرر ہمچنان

دوسرے قطعہ پر یہ لکھا،

دہ ایرین کہ در حدود دے است بدہندش کہ التماس وے است

غرض جاگیر اور تنخواہ کی بحالی کے ساتھ قرض بھی ادا کر دیا گیا[1]،

سلمان نے گوشہ نشینی اختیار کی اور جب تک زندہ رہے ہر قسم کے تعلقات سے آزاد رہے، حسب روایت دولت شاہ ۷۶۹ھ میں وفات پائی، لیکن مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ مین نے دیوان سلمان کا ایک نسخہ ۷۹۱ھ کا لکھا ہوا دیکھا، اُسکے خاتمہ مین ایک قطعہ تھا، اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قطعہ سلمان کا معاصر ہے، قطعہ یہ ہے۔

محل آیت اعجاز پارسی سلمان کہ کرد ناطقہ پیش و مش بہ عجز اقرار
ندید بر سر شاخ گل سخن اصلا بہار طبع چو او عندلیب خوش گفتار
نماز شام دو شنبہ ۱۲ از صفر بودہ کہ نقد عمر بہ یک دم چو صبح کرد نثار
بساط دار قرار است سال تاریخش چو کرد میل بہ سوی بساط دار قرار

[1] یہ تمام تفصیل خزانہ عامرہ مین ہے،

اس سے ،،، نکلتے ہین،

ناصر بخاری اس زمانہ مین مشہور شاعر تھے، اور درویشانہ وضع رکھتے تھے، حج کو جاتے ہوے بغداد مین آئے، خواجہ سلمان کی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی انکو بھی ملنے کا شوق پیدا ہوا، ایکدن سلمان دجلہ کے کنارے عالم آب کی سیر کر رہے تھے، ناصر وہین پہنچے، سلمان نے مزاج پرسی کے بعد نام ونشان پوچھا، ناصر نے کہا شاعر ہون، سلمان نے فی البدیہ یہ مصرع پڑہا۔

ع دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ناصر نے برجستہ دوسرا مصرع پڑہا

ع پائی درزنجیر وکف برلب مگر دیوانہ ایست [1]،

سلمان نے گلے سے لگا لیا اور کئی دن تک مہمان رکھا، ناصر باوجود کمال استادی کے سلمان کی شاگردی کا دم بھرتے تھے،

عبید زاکانی، ہجو گویون کا پیشوا، اسی زمانہ مین تھا، ایک دفعہ خواجہ سلمان سفر مین امیرانہ ساز وسامان کے ساتھ ایک چشمہ کے کنارے خیمہ زن تھے، اتفاق سے عبید زاکانی کہین سے آنکلا، سلمان نے پوچھا کدھر سے آنا ہوا، عبید نے کہا قزوین سے، سلمان نے کہا، سلمان کا کلام کچھ یاد ہو تو سناؤ، عبید نے یہ شعر پڑھے،

---

[1] دولت شاہ تذکرہ ناصر بخاری،

من خراباتیم و بادہ پرست　　در خرابات مغان عاشق و مست

می کشندم چو سبو دوش بدوش　　می برندم چو قدح دست بدست

ساتھ ہی کہا، لیکن سلمان بڑے رتبہ کا شخص ہے، یہ شعرا کے نہین ہو سکتے، عجب نہین ہ اُنکی بیوی کا کلام ہو، سلمان بہت برہم ہوے، لیکن قیاس سے سمجھا کہ عبید ہے، قسم دیکر پوچھا، عبید نے اقرار کیا، اور کہا کہ تم بے دیکھے لوگون کی ہجوین کرتے ہو، یہ دیا نہین مین بغداد خاص اس غرض سے آیا تھا کہ تم کو ہجو گوئی کا مزہ چکھاؤن، تمھاری خوش قسمتی ہے کہ مین نے قصداً چھوڑ دیا، سلمان نے شکر گزاری کی، خود گھوڑے پر سوار کرایا، نقدی اور کپڑے دیے، اسپر بھی ہمیشہ عبید کی ہجو گوئی سے ڈرتے رہے[1]،

کلام پر راے | سلمان کی کمال شاعری کا تمام اساتذہ نے اعتراف کیا ہی، خواجہ حافظ معاصر تھے، تاہم کہتے ہین۔

سر آمد فضلاے زمانہ دانی کیست　　زراہ صدق و یقین نہ زراہ کذب و گمان

شہنشہ فضلا بادشاہِ ملک سخن　　جمال ملت و دین خواجہ جہان سلمان

سلمان نے شاعری کی عمارت کمال اسمٰعیل اور ظہیر فاریابی کی داغ بیل پر قائم کی اکثر قصائد انہی دونون کے جواب مین اور اسی طرز مین لکھے ہین، مولانا جامی بہارستان مین لکھتے ہین، کہ سلمان کے اکثر مضامین، اساتذہ قدیم خصوصاً کمال اسمٰعیل

[1] دولت شاہ حالات عبید زاکانی،

سے ماخوذ ہین، لیکن سلمان نے ان کو اسقدر ترقی دی کہ جای اعتراض نہین، اور اسکی یہ مثال ہے،

معنی نیک بود شاہد پاکیزہ بدن | کہ ہر چند درو جامہ دگرگون پوشند
کسوت عار بود بازپسین خلعت او | گر نہ در خوبیش از بیشتر افزون پوشند
ہنر ست اینکہ کہن خرقہ پشمین زبرش | بدر آرند و درو اطلس واکسون پوشند

شاعری مین سلمان کا ایک خاص درجہ ہے، یعنی وہ قدما اور متوسطین مین برزخ ہین انکا کلام، قدما رکے دور کا خاتمہ اور متوسطین کا آغاز ہے، انھون نے کمال اسمٰعیل اور ظہیر سے زبان کی صفائی اور شستگی لی ہے، اور اس مین ایجاد مضامین کی رنگ آمیزی کی ہے، مضمون بندی جو متوسطین اور متاخرین کا مابہ الامتیاز جوہر ہے، گو کمال نے شروع کی، لیکن سلمان نے کمال کو پہنچا دیا،

سلمان نے قصیدہ، مثنوی، غزل سب کچھ کہا ہے، مثنوی جمشید و خورشید اُن کی مشہور مثنوی ہے، اسکا اندازہ اشعار ذیل سے معلوم ہوگا،

شگوفہ چو نازک تنے سیم بر | ز صندوق چوبین برآوردہ سر
بنفشہ چو مشکین سر زلف یار | جریدہ ز بار خودش روزگار
برآنم کہ سوسن پریزادہ است | زبان آورے خوب آزادہ است
شنیدم کہ پروانہ با بلبلے | ہمی کرد در عشق گل، غلغلے
ہمی گفت کین بانگ و فریاد چیست | ز بیداد معشوق این داد چیست

زمن عاشقی باید آموختن | کہ ہرگز نے نالم از سوختن
بروز من وحال من کس مباد | کہ یارم رود پیش چشمم بباد
بباید بدان زندہ بگریستن | کہ بے یار خود بایدش زیستن

سلمان نے اگرچہ مثنوی، قصیدہ، غزل، سب کچھ لکھا ہی، لیکن انکی شاعری کا اصلی میدان قصیدہ گوئی ہے، انکے قصائد کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

ا۔ زبان کی صفائی اور روانی کے ساتھ، ترکیبون مین وہ چستی جوان سے پہلے نہ تھی اور جو خاص متوسطین شعرا کا انداز ہے، مثلاً۔

خندہ زد دہنت، تنگ شکر پیدا کرد | سخنی گفت لبت لولوی تر پیدا کرد
بودنا یافت میان تو ولیکن کمرت | چست بربست میان را و بہ زر پیدا کرد
پردہ از چہرہ برانداز کہ آن زلف سیاہ | در سپیدی غدار تو اثر پیدا کرد
باد نوروز نسیم گل رعنا آورد | گرد، مشک ختن از دامن صحرا آورد
شاخ را باغ بہ نقش دم طاؤس نگاشت | غنچہ را باد بہ شکل سر ببغا آورد
لالہ از دامن کوہ آتش موسیٰ بنمود | شاخ بیرون زگریبان ید بیضا آورد
از پے خسرو گل بلبل شیرین گفتار | نغمۂ باربد و صوت نکیسا آورد
سرو را باد صبا منصب بالا بخشید | لالہ را لطف ہوا خلعت والا آورد
صبحگاہے کہ صبا مجمرہ گردان باشد | گل فرو کردہ بدان مجمرہ، داماں باشد
جامۂ سرو ز استبرق و سندس بافند | کمر کوہ، ز بیرونہ و مرجان باشد

می کند باد صبا طفل چمن را در خواب | ورنہ مہد شجرش بہر چہ جنبان باشد

آب در رود، نوا ہاے تر و تازہ زند | مرغ بر عود سحر ساختہ الحان باشد

۲۔ دقیق اور نازک مضمون آفرینی جو متوسطین اور متاخرین کا کارنامۂ فخر ہی، چند مثالین[1] ذیل مین درج ہین۔

دردرج دُر عقیق لبت نقد جان نہاد | جنس نفیس بود، بہ جاے نہان نہاد

قفلے زلعل بردر آن درج زد لبت | خالت ز عنبر آمد و مہرے بر آن نہاد

باریک تر ز مو، کمرت را دقیقہ | ناگاہ در دل آمد و اسمش میان نہاد

دہن و دندان، لب خال، تشبیہ

یعنی کمر بند کے خیال مین ایک مضمون یاد آیا جو بال سے بھی باریک تھا، کمر بند نے اسکا نام کمر رکھدیا، مطلب یہ ہی کہ معشوق کی کمر، درحقیقت ایک باریک خیال ہے،

بعد ازین از گرہ زلف مغان، کن تسبیح | پس ازین از خم ابروی بتان کن محراب

خوش برا ہمچو حباب از می گلگون و منہ | ہیچ بنیاد برین گنبد گردون چو حباب

جدت تشبیہ

مدتے گردش این دائرہ ما را، از ہم | ہمچو پرکار جدا کرد، و بہم باز آورد

غنچہ را پیش دہان تو، صبا خندان یافت | آن چنان بر دہنش زد کہ دہن پُر خون شد

حسن تعلیل، تشبیہ

یا ازین دائرہ بیرون نہم یکسر مو | گر سراپاے چو پرکار کنم قدم بدو نیم

---

[1] اوپر جو اشعار گذرے ان کو مضمون بندی کی حیثیت سے بھی دیکھنا چاہیے۔

[2] یعنی تیرے ہونٹون نے عاشق کی نقد جان کو موتی کے ڈبہ دہن، مین رکھا، اسلیے کہ وہ نفیس چیز تھی، اور نفیس چیز کو ایسی ہی مخفی جگہ رکھتے ہین، پھر ہونٹون نے ڈبہ پر یاقوت کا قفل لگا دیا، اور تل نے آکر عنبر کی مُہر کر دی،

دامن از من مکش ای سرو کہ چون آب روان　　من سری در قدمت مے نہم و می گذرم

۳- مخلص یعنی گریز مین نئے نئے پیرایے پیدا کیے، ایک قصیدہ ہی جسکی ردیف دست ہی اور قافیے ہزار، نگار، بہار، اس مین گریز کا شعر ہے،

سودائی است ورنہ چرا می کند دراز　　زلفت بہ عہد معدلت شہریار دست

تیری زلف سودائی ہی، ورنہ بادشاہ کے زمانہ مین دست درازی کیون کرتی،

ایک قصیدہ مین تشبیب کے بعد کہتے ہین۔

بعد ازین غم مخور اے دل کہ غم امروز ہمہ　　روزی دشمن دارائے مظفر شدہ است

اب اے دل غم نہ کھا کیونکہ اب تو غم، مظفر شاہ کے دشمن کی خوراک بنگیا ہے،

عیش اور رقص وسرود کا بیان کرتے کرتے کہتے ہین،

مطربا راہ طرب خوش بزن امروز کہ نیست　　جز تو در عہد شہنشاہ جہان راہ زنے

نیست پیدا دہنت بر رخ، و در دولت شاہ　　فتنہ آن بہ بہ ہمہ وجہ کہ پنہان باشد

دور مستی است درین دور نہ زیبد کہ بود　　بجز از بخت خداوند جہان کس بیدار

سایۂ زلف تو بر چشمۂ خورشید فتاد　　خم زلف تو مگر چتر شہ دادگر است

۴- مشکل مشکل ردیفین ایجاد کی ہین اور ان مین اسی روانی اور صفائی کے ساتھ کہتے جاتے ہین، گویا معمولی ردیفین ہین، اسکے ساتھ ہر جگہ ردیف نہایت خوبی سے نمایان ہوتی ہے، مثلاً،

لہ راہ کے معنی راگنی کے بھی ہین اور راستہ کے بھی، پہلے مصرع مین پہلے معنی لیے ہین، اور دوسرے مین دوسرے معنے،

منم امروز بلائے شب ہجران، برسر | گرده در کار توچون شمع دل و جان برسر
دست آنم نہ کہ در دامنت آویزم دست | تا مگر گسترم لطف تو دامان برسر
سروبر پای تو می میرد و مرغان چمن | می کنندش ہمہ شب نالہ وافغان برسر
ماہ تابان تو یابد شب مشکین بردوش | سرو رعنائے تو دارد گل خندان برسر
آفتاب تو اگر سایہ زمن باز گرفت | باز یابندمرا سایۂ سلطان برسر

مدح کے بعد فخریہ کہتے ہین،

شعرم از تربیت لطف تو جای برسید | کہ نہندش ہمہ اشراف خراسان برسر

دعائیہ ملاحظہ ہو،

تا زند خسرو گل، تخت زمرد در باغ، | تاج یاقوت نہد لالۂ نعمان برسر
تیر باران کند، از رہ ہوا قوس قزح | ہردم آرد، سپر لعل، گلستان برسر
شجر روضۂ بخت تو چنان مثمر باد | کہ فلک را فگند سایۂ احسان برسر

اسی طرح دست، پاے، رو، وغیرہ ردیفون مین قصیدے لکھے ہین،

قطعات | قصیدہ کی افتاد ایسی بُری پڑگئی تھی کہ اس مین بجز معشوق اور ممدوح کی مداحی کے اور کچھ کہا نہین جاسکتا تھا، جو شعرا، اور اور خیالات ادا کرنے چاہتے تھے وہ قطعات کے ذریعہ سے ادا کرتے تھے،

سلمان نے نہایت کثرت سے قطعات لکھے ہین، اور اُن مین ہر قسم کے عجیب و غریب مضامین ادا کیے ہین، افسوس ہے کہ سلمان کا جو دیوان بمبئی مین چھپا ہے، اُس مین یہی قطعات

نہین ہین، جو دیوان کی جان ہی، ہمارے پاس جو قلمی مجموعہ ہے، اسمین سے بعض نمونے درج کیے جاتے ہین،

بادشاہ نے سلمان کو ایک سیاہ رنگ گھوڑا عنایت کیا تہا، سلمان نے واپس دیا کہ دوسرے رنگ کا گھوڑا مرحمت ہو، داروغۂ اصطبل نے وہ بھی رکھ لیا، اسپر کہتے ہین۔

شاہا مرا با سپے موعود کردہ بودی | در قول بادشاہان، قیلے دگر نباشد
اسپے سیاہ و پیرم دادند من بر آنم | کاندر جہان سیاہے زان پیرتر نباشد
آن اسپ باز دادم، تا دیگرے ستانم | برصورتے کہ کس را زین سر خبر نباشد
اسپ سیہ بدادم، رنگ دگر ندادند | آرے پس از سیاہی رنگ دگر نباشد"

ایک در قطعہ مین گھوڑے کی ہجو کی ہے،

شاہا امید بود کہ خواہم بدولتت | برمرکبے بلند وجوان وروان نشست
اسپیم پیرو کاہل وکوتہ ہمی دہند | اسپے نہ آن چنان کہ توانم بران نشست
چون کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است | جہل مرکب است براسپے چنان نشست
از بندہ مہتر است بسی سال راستی | گستاخی است بر زبر مہتران نشست

آنکھون مین آشوب کی وجہ سے دربار مین جانا بند ہو گیا تھا، اسکی معذرت مین ایک قطعہ لکھا ہی،

خسروا خاکِ درگہ تو مرا است | از غبار زروے نیکوتر
نیک در عین حالتے کہ مرا است | غیبتم از حضور نیکوتر
حال چشمم بد است، دور از تو | چشمِ بد، از تو دور نیکوتر

بدن پر کپڑے نہین رہے تھے، بادشاہ کو قطعہ لکھا،

ای زما مستغنی واز احوال ما | بر شما احوال ما پوشیدہ نیست
بر تنم پوشیدنی این ست و بس | بندہ را ہیچ از شما پوشیدہ نیست

بادشاہ نے ملبوس خاص بدن سے اُتار کر بھیجا اور یہ شعر لکھا۔

ہر چند ترا جامۂ ما پوشیدن | عیب است ولیکن این عیب بپوش

درد پا کی وجہ سے دربار مین نہ جا سکتے تھے، اس کی عذر خواہی کرتے ہین۔

بہر استقبال شاہ از فرق و سر کردم قدم | خواستم تا رو بہ درگاہ ہمایون آورم
درد پایم گشت ازان مانع کہ آرم درد سر | من کہ درد پای دارم درد سر چون آورم

سلمان کی بدعات | سلمان سب سے پہلے شخص ہین جسنے صنعت ایہام کو نہایت کثرت سے برتا، اس مین اکثر لطیف اور نئے نئے پیرایے پیدا کیے، مثلاً

با قد تو صنوبر در چشم من نیاید | او کیست تا قدت را قائم مقام باشد
کی تواند دلم از موی میان تو گذشت | کہ شب تیرہ و تاریک ہمی بر کمر ست
چشم سرمست ترا عین بلا می بینم | لیکن ابروی تو چیزی ست کہ بالای بلاست
فتنہ در دور تو بیمار و ضعیف افتادہ است | آن چنان نیست کہ تا حشر تواند برخاست
با چنین عارضہ و ضعف تمنای نجات | دارم اما ہمہ موقوف اشارات شماست
سرو را باد صبا منصب بالا بخشید | لالہ را لطف ہوا خلعت والا آورد
در لبت با دلم دہن تنگ او بہ ہیچ | او این چنین مضائقہ بسیار می کند

نیست سودای سر زلف تو کار ہمہ کس | کان طریقے است خم اندر خم و دل گیر دراز

لیکن اکثر اس قدر بے اعتدالی برتی کہ ضلع جگت کی حد تک نوبت پہونچ گئی، سیکڑون اشعار ہین جن مین صرف رعایت لفظی سے کام لیا ہی، خدا کا شکر ہے کہ یہ بدعت مقبول عام نہوئی ورنہ ایران مین بھی بہت سے امانت پیدا ہو جاتے،

غزلین — سلمان کی غزلین چندان مقبول نہین ہوئین ان سے پہلے سعدی کا رنگ عالم کو مسخر کر چکا تھا، اس رنگ مین وہ کہہ نہین سکتے تھے، اسلیے مضمون آفرینی شروع کی لیکن لوگون کے کانون مین سعدی کی لے گونج رہی تھی، اسلیے ان کی آواز خالی گئی، سعدی ہی کا رنگ جب خواجہ حافظ نے اختیار کیا اور اس شراب کو اور تیز کر دیا تو ع حریفان را نہ سر ماند و نہ دستار

نمونہ کے طور پر ہم سلمان کی ایک دو غزل اور متفرق اشعار نقل کرتے ہین.

بسر کوئے تو سوگند کہ تا سر دارم | نیست ممکن کہ من از حکم تو سر بردارم
ای کہ در خواب غروری خبری نیست کہ من | ہر شب از خاک درت بالش و بستر دارم
ساغرم پُر ہمی، ومی در سر، و شر کف دست | تو چہ دانی کہ من امروز چہ در سر دارم
گفتۂ در قدم من گہر انداز بہ چشم | اینک از بہر قدمہاے تو گوہر دارم

دل برد دلبر و در دام بلاش اندازد | دل ما برد، کنون تا بہ کجاش اندازد
چشم فتان تو ہر جا کہ بلا انگیزد | ای بسا کس کہ دران عرصہ بلاش اندازد
ہر کجا مرغ دلے بال کشاید، الحال | بہ کمان خانۂ ابرو، ز ہواش اندازد
خوش کمندی است سر زلف تو پُر تکنش | وہ چہ خوش باشد اگر بخت بپاش اندازد

عاقل آن است که دریای تو اندازد سر — پیشتر زان که فراق تو زپاش اندازد

بوی گیسوی تو هر جا که جگر سوخته ایست — در پی قافله باد صباش اندازد

هر کرا درد بیندا ختی دوا چاره کند — که کند چاره سلمان چو دواش اندازد

یک شب خیال چشم تو دیدیم مانجواب — زان شب بگریه چشم ندیدیم خواب را

غمزه ات دل می برد چشم تو ام خون می خورد — روز و شب او در شکار این شراب افتاده است

زاهد دهرم توبه زردی تو نمی روی — هیچش از خدا شرم و از روی تو حیا نیست

من خراباتیم و باده پرست — در خرابات مغان عاشق و مست

می کشندم چو سبو دوش بدوش — می برندم چو قدح دست بدست

ظاهر نمی شود اثر صبح گوئیا — دود دلم دریچه خاور گرفته است

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہین ہوسکتا کہ خواجہ حافظ کے حالات زندگی اسقدر کم معلوم ہین کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہین ہوسکتے اس پایہ کا شاعر یورپ مین پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اس کی سوانحعمریان لکھی جاتین کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خد و خال آنکھون کے سامنے آجاتا لیکن ہمارے تمام تذکرہ نویسون نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کر دیا جائے تب بھی انکی زندگی کا کوئی پہلو نمایان ہو کر نہین نظر آتا، جسقدر تذکرے ہین سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہین، اور وہی چند واقعات ہین جنکو باختلاف الفاظ سب نقل کرتے آتے ہین، ان سب مین عبد النبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرہ میخانہ مین جو جہانگیر کے عہد مین ۱۰۳۶ھ مین لکھا گیا، ابتدائی حالات اور انکی بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہین، حبیب السیر مین جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہین، خود حافظ کے کلام مین جابجا واقعات کے اشارے ہین، ان سب کو ترتیب دیکر انکی زندگی کی تصویر کھینچتا ہون، لیکن در اصل یہ تصویر نہین بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہین بلکہ محض چند لکیرین ہین۔

نام و نسب۔ خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے

اتابکان شیراز کے زمانہ مین شیراز مین آئے اور وہین سکونت اختیار کرلی، خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاء الدین تھا، اُنھون نے یہان تجارت شروع کی اور کاروبار کو اسقدر ترقی دی کہ دولتمندون مین اُنکا شمار ہونے لگا، بہاء الدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے انکو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا، چند روز مین باپ کی کمائی سب اُڑ گئی، بیٹے پریشان ہوکر کہین کے کہین نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کمسنی کی وجہ سے اپنی مان کے ساتھ شیراز ہی مین رہگئے، گھر مین فاقے ہونے لگے تو انکی مان نے انکو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کردیا کہ اپنی خدمت مین رکھے، اور کھانے پینے کی کفالت کرے، لیکن یہ شخص بد اطوار تھا، خواجہ سن شعور کو پہونچے تو اسکی صحبت ناگوار ہوئی، چنانچہ اس سے قطع تعلق کرکے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدھی رات سے اُٹھکر صبح تک خمیر گوندھتے، گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا، محلّے کے سب لڑکے اُس مین پڑھتے تھے، خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے نکلتے، تو دل مین تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی رفتہ رفتہ شوق اسقدر بڑھا کہ مکتب مین داخل ہوگئے، خمیر سے جو کچھ حاصل ہوتا اُسمین سے ایک تہائی مان کو اور ایک معلم کو دیتے، بقیہ خیرات کرتے، مکتب مین قرآن مجید حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بھی لیاقت حاصل کی، اس زمانہ مین شعر و شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، محلّے مین ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزون طبع تھا، اس مناسبت سے اور ارباب ذوق بھی اُسکی دکان پر آبیٹھتے تھے، اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے، خواجہ صاحب پر بھی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت

موزون نہ تھی، بے تکے شعر کہتے اور لوگون کو تفریح طبع کا سامان ہات آتا، رفتہ رفتہ اُن کی لغو گوئی کی شہرت تمام شہر مین پھیل گئی، لوگ تفریح کے لیے انکو صحبتون مین بلاتے اور لطف اُٹھاتے، دو سال تک یہی حالت رہی لوگون کا استہزا حد سے بڑہا تو ان کو بھی احساس ہوا، ایک دن نہایت رنجیدہ ہوے اور بابا کوہی کے مزار پر جاکر پھوٹ پھوٹ کر روئے، رات کو خواب مین دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہین اور کہتے ہین کہ جا اب تجپر تمام علوم کے دروازے کھل گئے، نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہین، صبح کو اُٹھے تو یہ غزل لکھی۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند | وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر مین آئے تو لوگون نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُنھون نے وہی غزل پڑھی، سب کو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہے، امتحان کے لیے طرح دی، اُنھون نے طرح مین بھی عمدہ غزل لکھی، اُسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا،

یہ تمام واقعات عبد النبی نے میخانہ مین لکھے ہین، اسمین اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتین بڑہادی ہین یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہے تاہم بہت کچھ اصلی واقعات بھی ہین،

خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور کے سلاطین و امرا نے اُنکے بلانے کے لیے خطوط بھیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ مین شیراز مین متعدد حکومتین

قائم ہوئین اور حسن اتفاق یہ کہ فرمان روا عموماً خود صاحب علم و فضل و رعلما اور شعرا کے نہایت قدردان تھے،

غازان خان (چنگیز خان کا پوتا) کے زمانہ مین غازان خان کیطرف سے محمد شاہ الجو، فارس اور شیراز کا حکمران مقرر ہو کر آیا تھا، اسکے خاندان مین سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ مین تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تھا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تھا، اسکے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو لعب کا دلدادہ تھا، اس بنا پر اگرچہ ملکی انتظامات بے اصول تھے، لیکن گھر گھر عیش و نشاط کے چرچے تھے، اور شیراز باغ ارم بنگیا تھا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلون مین اس دور کا اثر شامل ہے،

شاہ ابو اسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ مین محمد مظفر نے اسپر لشکر کشی کی، فوجین شہر پناہ کے دامن مین آگئین، لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہین کر سکتا تھا امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہے، حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائین، ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چارون طرف فوجین پھیلی ہوئی ہین، پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگون نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے مسکرا کر کہا عجب احمق ہے، اس بہار مین یون اوقات خراب کرتا ہے یہ شعر پڑھکر نیچے اتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم ۔۔۔ چو فردا شود، فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت

نج ہوا، چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس مین اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا،

بعہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق　　بہ پنج شخص عجیب ملک فارس بود آباد

نخست بادشہی ہمچو او ولایت بخش　　کہ گوی فضل بود او، بہ عدل و بخشش و داد

دوم بقیۂ ابدال شیخ امین الدین　　کہ بود داخل اقطاب و مجمع اوتاد

سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دین　　کہ قاضی بہ ازو آسمان ندارد یاد

دگر چو قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف　　بنای شرح مواقف بنام شاہ نہاد

دگر کریم چو حاجی قوام دریا دل　　کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا در داد

نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند　　خدای عز و جل جملہ را بیامرزاد

شاہ ابو اسحاق کے مرنے کا صدمہ خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلون مین بھی بے اختیار ابو اسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے،

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاقی　　خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمران ہوا، وہ اصل مین خراسان کا باشندہ تھا، جس زمانہ مین سلطان ابو سعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے ۷۴۱ھ مین فوجین فراہم کرکے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا، سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اسکے حدود حکومت نہایت وسیع ہو گئے،

محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونے کے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کیے اور تمام میخانے بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی مین لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر

یہ غزل لکھی ہے،

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلریز است — بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

در آستین مرقع، پیالہ پنہان کن — کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است

زرنگ بادہ بشوئید، خرقہا از اشک — کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوان مین ایک غزل ہے جو شراب خانون کے بند ہونیکا نہایت پُراثر مرثیہ ہے،

بود آیا کہ در میکدہ ہا بکشایند؟ — گرہ از کار فروبستۂ ما بکشایند

گیسو چنگ ببرید بمرگ می ناب — تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دوتا بکشایند

نامۂ تعزیت دختر رز بنویسید — تا حریفان ہمہ خون از مژہ ہا بکشایند

در میخانہ ببستند خدایا مپسند — کہ در خانۂ تزویر و ریا بکشایند

اگر از بہر دل زاہد خودبین بستند — دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند

یہ غزل اسی زمانہ کی ہے،

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جسکا ذکر آگے آتا ہے اُسنے بھی اس موقع پر ایک رباعی لکھی اور خوب لکھی۔

در مجلس دہر ساز مستی پست است — نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است

رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند — جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اسکا بیٹا شاہ شجاع فرمان روا ہوا، وہ اس سلسلہ کا سرتاج

اور علم وفن کا پشت وپناہ تھا، وہ علم وفن کی گود مین پلا تھا، سات برس کے سن مین تعلیم شروع کی، نو برس مین قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے مین عربی کے چھ سات شعر یاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی مین اسکے مکاتبات اہل ادب مین مقبول عام ہین، علم وفضل کی قدردانی کی وجہ سے اسکا دربار علما وفضلا کا قبلۂ حاجات تھا، شعر بھی کہتا تھا، تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ مین بہت سے اشعار لکھے ہین، ایک رباعی یہ ہے،

احوال بدم زخلق پنہان مے کن | واہوال جہان بردلم آسان می کن
امروز خوشم بدار وفردا بامن | انچہ از کرم تو می سزد آن می کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانون کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اُٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان مین ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

غزل یہ ہے،

سحر ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش | کہ دورِ شاہ شجاع است می دلیر بنوش
شد آن، کہ اہل نظر برکنارہ می رفتند | ہزار گونہ سخن بر دہان ولب خاموش
بہ بانگ چنگ بگوئیم آن حکایتہا | کہ از شنیدن آن دیگ سینہ میزد جوش
رموزِ مملکت خویش خسروان دانند | گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزاد پسندی نے میخوارونکو بہت آزاد کر دیا تھا، اس بنا پر

خواجہ صاحب اسکے بہت ممنون ہین، اور جو غزلین شاہ شجاع کی مدح مین لکھی ہین، سب مین اسکا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے،

قسم بہ حشمت و جاہ و جلال شاہ شجاع — کہ نیست باکم از بہر مال و جاہ و نزاع
بہ بین کہ رقص کنان می رود بہ نالۂ چنگ — کسے کہ اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل مین کہتے ہین،

چنگ در غلغلہ آمد کہ کجا شد منکر — جام در قہقہہ آمد کہ کجا شد مناع
عمر خسرو طلب ار نفع جہان می طلبی — کہ وجودیست عطابخش و کریمی نفاع
مظہر لطف ازل روشنی چشم امل — جامع علم و عمل جان جہان شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار مین شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل مین فرماتے ہین،

خیال آب خضر بست و جام کیخسرو — بجرعہ نوشی سلطان ابوالفوارس شد
(شاہ شجاع کی کنیت)

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا، شجاع کے عہد مین خواجہ عماد فقیہ مشہور عالم تھے، شجاع انکا نہایت معتقد تھا،

خواجہ عماد کی ایک بلی تھی جسکو انہون نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے تو بلی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ مین ایک غزل لکھی،

صوفی بہ جلوہ آمد و آغاز ناز کرد — بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل مین ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریاکار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا ہے

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز | غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد

غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی، رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ بڑھتی گئی ایکدن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی کوئی غزل یکسان اور ہموار نہین ہوتی ایک شعر مین تصوف، دوسرے مین مے پرستی، تیسرے مین شاہد بازی، اس طرح ہر شعر مین رنگ بدلتا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے کہا ہان، لیکن ان سب برائیون کیساتھ بھی میری غزلین میری زبان سے نکلکر تمام دنیا مین پھیل جاتی ہین، بخلاف اورون کے کہ انکا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہین نکلتا، شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا،

اتفاق یہ کہ اسی زمانہ مین خواجہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی جسکا مقطع تھا،

گر مسلمانی این است کہ حافظ دارد | وای اگر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوے، حسن اتفاق یہ کہ مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی حج کو جاتے ہوے شیراز سے گزرے، خواجہ صاحب نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا، انھون نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک اور شعر لکھدو جس سے مقطع دوسرے کا مقولہ بنجائے، خواجہ صاحب نے اسی وقت کہا،

لہ حبیب السیر،

دلی دو بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت
بادف و بربط ونے، ہنچہ ترسا ئے

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ مین انتقال کیا، اسکے بعد شاہ منصور بن محمد مظفر بادشاہ ہوا، وہ بھی بڑی شوکت و شان کا بادشاہ تھا، خواجہ صاحب نے اس کی مبارکباد مین غزل لکھی،

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید
نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تھا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا،

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا، لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ تمام عالم مین پڑ چکا تھا، اسلیے چاہا کہ شیراز سے نکلجاے، شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچا تو ایک ٹھیا نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت مین چھوڑ کر کہان بھاگے جاتے ہو؟

منصور وہین سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور کی فوجون کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہنچ گیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، قماری ایتاق نام ایک افسر نے بڑھ کر تلوار کو سپر پہ روکا، چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قماری ایتاق سپر ہو جاتا تھا اور تیمور کو بچا لیتا تھا، بالآخر فوجون نے چارون طرف سے ہجوم کر کے منصور کو قتل کر دیا، جسکا خود تیمور کو افسوس رہا. وہ کہا کرتا تھا کہ آج تک معرکون مین کسی کو منصور کا ہمسر نہین دیکھا،

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ مین نے تمام عالم کو اسلیے ویران کیا کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کرون، تم ان کو ایک تل کے عوض مین دیے ڈالتے ہو

لہ حبیب السیر،

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیون کی بدولت تو اس فقر و فاقہ تک نوبت پہنچی ہے،

خواجہ صاحب کی غزلین اب چار دانگ عالم مین پھیل گیئن، چنانچہ خود کہتے ہین،

بشعر حافظ شیراز می گویند و می رقصند — سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ مین جسقدر سلاطین تھے سب آرزو رکھتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے لطف اُٹھائین، چنانچہ عراق، عرب ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد کا فرمان روا سلطان احمد بن اویس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا مصوری زرنگاری کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون مین بڑے بڑے صناع اس کی شاگردی کا دم بھرتے تھے، موسیقی مین یہ کمال تھا کہ خواجہ عبدالقادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس فن مین اسکی متعدد تصنیفات ہین جو مدت تک گویون کا دستور العمل رہین، ان باتون کے ساتھ سخن سنج اور شاعر تھا[1]، خواجہ صاحب کو اُسنے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بھی للچائے[2] چنانچہ بعض غزلون مین اسکے اشارے بھی ہین لیکن پھر بھی رکناباد کی خاک دامن نہین چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہین،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر — نسیم باد مصلّی و آب رکناباد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی،

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ،

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان — احمد شیخ اویس حسن ایلخانی

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد — آن کہ می زیبد اگر جان جہانش خوانی

از گل فارسیم، غنچۂ عیشے نہ شگفت — حبذا دجلۂ بغداد دمے ریحانی

بر شکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست — دولت خسروی و منصب چنگیز خانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد جا نہ سکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل مین کھٹکتا رہا، چنانچہ جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہین،

رہ نبردیم بہ مقصود خود اندر شیراز — خرم آن روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن مین سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت قابل اور صاحب کمال تھا، عربی اور فارسی دونون زبانون مین نہایت فصاحت اور روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب وعجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ پر ایک ہزار ٹنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام مین دیے جائین، اس کی قدر دانیون کا شہرہ سنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا لیکن خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار مین صدارت کے منصب پر ممتاز تھے، انہون نے زادراہ بھیجکر طلبی کا خط لکھا، خواجہ صاحب نے اُس روپیے مین سے کچھ بھانجون کی ضروریات مین صرف کیے، کچھ ادائے قرض مین صرف ہوا، جو باقی رہگیا اس سے زادراہ سفر کا سامان کر کے شیراز سے روانہ ہوے، مقام لار مین پہونچے تو وہان ایک دوست سے ملاقات ہوئی، جنکا مال و اسباب حال ہی مین لُٹ گیا تھا، خواجہ صاحب نے جو کچھ پاس تھا

اُنکے حوالہ کر دیا اور آپ خالی ہات رہگئے، اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی جو مشہور تاجر تھے، ہندوستان آرہے تھے، اُنکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے کفیل ہوے، لیکن سوداگرون سے ایک نازک مزاج شاعر کی نازبرداریان کہان انجام پا سکتی ہین، خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہرمز کے بندرگاہ مین آیا تھا، اور ہندوستان کو واپس جا رہا تھا، سوار ہوے، سو اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہین اُٹھایا تھا کہ ہوا کا طوفان اُٹھا، خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اُتر آئے اور یہ غزل لکھکر فضل اللہ کو بھیجی،

دمے باغم بسر بُردن جہان یکسر نمی ارزد | بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است | کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
بکوئے میفروشانش بجامے در نمی گیرند | زہی سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا ببوی دُر | غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت مین پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا، سلطان نے مُلا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا مین سے تھے، ایک ہزار تنکہ طلا دیا کہ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کر کے لیجائین اور خواجہ صاحب کی خدمت مین پیش کرین[1]،

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانرواے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۸ھ مین تخت نشین ہوا تھا، خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا، چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا،

---

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

ع ساقی حدیث سرو وگل ولالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی،

ساقی حدیث سرو وگل ولالہ می رود — وین بحث باثلاثۂ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین — غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۳ھ میں وفات پائی، خاک مصلّٰی تاریخ ہے جس میں ایک عدد کی کمی ہے۔

مصلّٰی ان کا محبوب مقام تھا، اسلیے دفن بھی یہین ہوے، سلطان بابر بہادر کے زمانہ مین محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کرایا جو ابتک قائم ہی، ان کے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہی، ہفتہ مین ایک خاص دن مقرر ہی لوگ زیارت کو وہان جاتے ہین، وہین دن بسر کرتے ہین کھانے پکاتے ہین، چاء پیتے ہین، کہین کہین شراب کا دور بھی چلتا ہی، کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرادیتا ہے، خواجہ صاحب نے پانسو برس پہلے کہدیا تھا،

برسر تربت ما چون گذری ہمت خواہ — کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

آل و اولاد — خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہی کہ بیوی بچوں کے بکھیڑون سے آزاد ہونگے، لیکن واقعہ یہ ہی کہ شادی بھی کی تھی اور اولاد بھی تھی، صاحبزادہ کا نام

شاہ نعمان تھا، وہ ہندوستان مین آئے اور یہین بہ مقام بُرہان پور وفات کی انکی قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے[1]،

دیوان مین ایک قطعہ ہی،

صباح جمعہ بدو ساد س ربیع اول | کہ گشت فرقت آن مہ بکشتیم حاصل
بہ سال ہفتصد و شصت و چہار از ہجرت | جواب حل بشدم این دقیقۂ مشکل

غالبًا یہ قطعہ بیوی کی وفات مین لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے،

ولا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند | چہ دید اندر خم این طاق رنگین
بجای لوح سیمین در کنارش | فلک بر سر بنہادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانہ مرگ کی شان مین ہو، لیکن زیادہ قیاس یہی ہی کہ خود انہی کا کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر مین گزر گیا تھا،

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور اُنکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسون نے مطلق نہین لکھا، میخانہ سے جسکا حوالہ اوپر گذر چکا ہے، صرف اسقدر معلوم ہوتا ہی کہ محلہ مین جو مکتب تھا اسمین تعلیم پائی تھی، لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُنہون نے علوم درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلون مین عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہین اس سے اُنکی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

بعض غزلون مین متعدد شعر، خالص عربی مین ہین اور سلاست و فصاحت مین جواب

---

[1] خزانۂ عامرہ بحوالہ مرآۃ الصفا،

نہین رکھتے،

الا اے ساربان محمل دوست | الی رکبانکم طال اشتیاقی
درونم خون شد از نادیدن یار | الا تعسًا لایّام الفراق
بیا ساقی بدہ رطل گرانم | سقاک اللہ من کاس دہاق
نہانی الشیب من وصل العذاری | سوی تقبیل خدّ و اعتناق

سلام اللہ من کرّ اللیالی | علی مَلِک المکارم والمعالی
فحبک راحتی فی کلّ حینٍ | وذکرک مونسی فی کل حال
سَبَتْ سلمیٰ بصدغیہا فوادی | وروحی کل یوم لی تنادی

گر تیغ بارد در کوے آن ماہ | گردن نہادیم الحکم للہ
الصّبر مرّ والعمر فانٍ | یالیت شعری حتّام القاء

جابجا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہین کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے

چو ہست آب حیاتت بدست، تشنہ میر | فلا تمت ومن الماء کل شیٍٔ حیّ
بخیل، بوے خدا نشنود، بیا حافظ | پیالہ گیر وکرم ورز والضمان علیّ

قرآن مجید اور تفسیر کے ساتھ اُن کو خاص لگاؤ تھا، دیوان کے دیباچہ مین لکھا ہی کہ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا ہی، خود فرماتے ہین،

ز حافظان جہان کس چو بندہ جمع نکرد | لطائف حکما با کتاب قرآنی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر مین معقول کو منقول سے

تطبیق دیتے تھے، فن قرارت مین کمال تھا، اسکے ساتھ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ مین تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے[۱]،

قرآن مجید حفظ یاد تھا اور اس مناسبت سے حافظ تخلص کھا تھا، قرآن دانی پران کو ناز تھا، چنانچہ اشعار مین جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہین،

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ — بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ — انچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

تجرد اور آزادی عام تذکرون کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین و امرا سے بے نیاز رہتے تھے، لیکن خود انکے کلام سے اس کی تصدیق نہین ہوتی، انکے زمانہ مین شیراز کے جو جو فرمان روا گذرے، سب کی مدح مین اُنکے قصائد موجود ہین، اور اُسی شان کے ہین جو عام مدح گویون کا انداز ہے، شاہ شجاع کی مدح مین نونیہ قصیدہ ہے، جس مین لکھتے ہین،

دارای دہر، شاہ شجاع، آفتاب ملک — خاقان کامگار و شہنشاہ نوجوان

حکمش روان چو باد بر اطراف بحر و بر — مہرش روان چو روح در اعضای انس و جان

بے طلعت تو جان نہ گراید بہ کالبد — بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخوان

سلطان ابو اسحاق کی مدح مین بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہے، جسکا مطلع یہ ہے،

---

[۱] ہفت اقلیم امین رازی،

سپیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد　　چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جنان گیرد

مدح مین لکھتے ہین،

جمال چہرۂ اسلام شیخ بو اسحاق　　کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان محمود کی مدح مثنوی مین لکھی ہی جسکا ذکر آگے آئیگا منصور کے وزرا مین سے ایک بدہمت نے رائے دی تھی کہ علماء و فضلا کے وظیفے جن کی تعداد ۰۰ تومان تھی بند کر دیے جائین، منصور نے نہ مانا، اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا[۱]

چو ز اسحر نہاد حمائل برابرم　　یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

منصور بن محمد غازی است حرز من　　وز این خجستہ نام بر اعدا مظفرم

ای شاہ شیر گیر چہ گردد اگر شود　　در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

جا بجا خود اُنکے کلام سے ثابت ہوتا ہی کہ سلاطین اور امرا کے نام مدحین لکھکر بھیجین کہ صلہ ہات آئے، چنانچہ ایک قطعہ مین فرماتے ہین،

شاہ ہرموز م نہ دید و بے سخن صد لطف کرد　　شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نہ داد

کار شاہان این چنین باشد تو ای حافظ مرنج　　داور روزی رسان توفیق و نصرت شان دہاد

ایک اور قطعہ مین لکھتے ہین،

خسروا! دادگرا! شیردلا! بحر کفا　　اے کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی

در دو سال آنچہ بہ بند و ختم از شاہ و وزیر　　ہمہ بر بود بہ یکدم فلک چوگانی

---

[۱] حبیب السیر،

غرض یہ بالکل غلط ہی کہ خواجہ صاحب ہات پاون توڑکر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہی کہ اُن کے تمام معاصرین بلکہ پیشیرو نہایت ذلیل اور کمینہ طریقون سے کام لیتے تھے انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اُسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کر دیتے تھے اور یہانتک نوبت پہنچاتے تھے کہ تہذیب و شائستگی آنکھین بند کر لیتی تھی، ظہیر وغیرہ کے کلام مین سیکڑون قطعے اور قصائد ہین، جن مین اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہی کہ ان کو دیکھکر شرم آتی ہی، خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے بری ہین، وہ مدح لکھتے ہین، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہہ کے چُپ ہو جاتے ہین کہ تقدیر مین نہ تھا، کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہین، لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے، ایک قطعہ مین فرماتے ہین،

بہ سمع خواجہ رسان ای رفیق وقت شناس ‌ ‌ ‌ بہ خلوتے کہ دران اجنبی صبا باشد

لطیفۂ بہ میان آر و خوش بخندانش ‌ ‌ ‌ بہ نکتہ کہ دلش را دران رضا باشد

پس آنگہے ز کرم اینقدر بپرس بہ لطف ‌ ‌ ‌ کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ مین کس لطف سے کنایہ کیا ہی،

دوش در خواب چنان دید خیالم کہ سحر ‌ ‌ ‌ گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی

بستہ بر آخور او، استر من جو می خورد ‌ ‌ ‌ توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی
(اصطبل / تخچر)

ہیچ تعبیر نمی دانمش این خواب کہ چیست ‌ ‌ ‌ تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی مینے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہان میرا خچر

جو کھارہا تھا، مجکو دیکھکر اسنے توبڑہ کا رخ میری طرف کرکے جھاڑا، اور کہا کہ کیون مجکو پہچانتے ہو اس خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہین معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہین آپ ہی بتائین کہ اس کی تعبیر کیا ہے،، مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کردیجیے،

معاشرت | اسکے اشعار اور جستہ جستہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور آزادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے، قرآن مجید کے نکات اور حقائق پر درس دیتے تھے، لیکن باین ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے، صاف دل بے تکلف تھے، جو دل مین تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے مین چھپا کر نہ کرتے، رکنا باد جو ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے، اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی ہے، خواجہ صاحب کے زمانہ مین وسیع چشمہ ہوگا، اسکے کنارے بیٹھکر عالم آب کا لطف اٹھاتے تھے، دوست احباب جمع ہوتے، ہر قسم کی صحبتین رہتین، اکثر اشعار مین مزے لے لے کر اسکا ذکر کرتے ہین،

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را

رکناباد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اسکا بھی ذکر جابجا کرتے ہین،

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلون مین اُنکا ذکر احسانمندی کے ساتھ کرتے ہین، یہ طریقہ اُن کا خاص انداز ہے،

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد — وزیر ملک سلیمان عماد بن محمود

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریاے اخضر فلک وکشتی ہلال | ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب بپردہ سازی، شاید اگر بخواند | از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بہ این نازکی و سرکشی اے شمع چو گل | لائق بزمگہ خواجہ جلال الدینے

با تو گرزین پس فلک خواری کند | باز گو در حضرت داراے رے

خسرو آفاق بخشش کز عطا | نامۂ حاتم زنامش گشت طے

از براے صید دل در گردنم زنجیر زلف | چون کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرت الدین شاہ یحیٰی آن کہ تاج آفتاب | از سر تعظیم وقدرت در تراب انداختی

اے در رخ تو پیدا انوار بادشاہی | در فکرت تو پنہان صد حکمت الٰہی

عمرے است بادشاہا کز مے تہی است جامم | اینک ز بندہ دعوی، و محتسب گواہی

انصاف پسندی | خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ اُن کے تمام ہمعصر شعرا غزل گوئی مین اُنکے سامنے ہیچ تھے تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہین، بلکہ اپنے آپکو اُن کا پیرو کہتے ہین خواجو کرمانی کی نسبت کہتے ہین،

اُستاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما | دارد غزل حافظ طرز و روش خواجو

فخر کے جوش مین آکر کہتے ہین

چہ جاے گفتۂ خواجو و شعر سلمان است | کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ اُنکے لیے ننگ ہے، ظہیر کو غزل مین اُن سے کیا نسبت؟

اس زمانہ مین کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے خواجہ صاحب سے انسے بہت راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلین منگوایا کرتے اور اپنا کلام اُن کو بھیجے، ایک دفعہ اپنی یہ غزل بھیجی،

گفت یار از غیر ما پوشان نظر گفتم بچشم   وانگہے دزدیدہ در ما می نگر گفتم بچشم

غزل مین یہ شعر بھی تھا۔

گفت اگر سر در بیابان غمم خواہی نہاد   تشنگان را مژدۂ از ما ببر گفتم بچشم

خواجہ صاحب اس شعر پر پہونچے، تو اُنپر حالت طاری ہوئی، افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی اس شخص کا پایہ بہت بلند ہے[1]،

کلام

تذکرہ میخانہ مین لکھا ہے کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس مین تیار ہوا لیکن یہ قطعاً غلط ہے، خلاف قیاس ہونے کے علاوہ غزلون مین جا بجا جن لوگون کے نام آتے ہین اُنکے زمانون مین برسون کا آگا پیچھا ہے،

خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل مین ہے لیکن انہون نے قصائد اور مثنویان بھی لکھی ہین اور گو وہ تعداد مین کم ہین، لیکن اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کے تمام اصناف پر اُنکو قدرت حاصل تھی، عام خیال ہے کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہین قصیدہ اور مثنوی اچھی نہین لکھتے، لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہین، اور مثنوی مین تو وہ صفائی لطافت اور زور ہے کہ نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے

[1] دولت شاہ تذکرہ کمال خجند۔

سر فتنه دارد دگر روزگار / من و مستی و فتنهٔ چشم یار
فریب جهان قصهٔ روشن است / ببین تا چه زاید شب آبستن است
همان مرحله است این بیابان دور / که گم شد درو لشکر سلم و تور
همان منزل است این جهان خراب / که دیدست ایوان افراسیاب
چه خوش گفت جمشید با تاج و گنج / که یک جو نیرزد سراے سپنج
مغنی کجائی به گلبانگ رود / بیاد آور آن خسروانی سرود
مغنی بزن چنگ بر ارغنون / برآز دلم فکر دنیاے دون
چنان برکش آهنگ این داورے / که ناهید چنگی برقص آورے
مغنی دف و چنگ را ساز ده / بیاران خوش نغمه آواز ده
مغنی کجائی نواے بزن / بیکتائی او دو تاے بزن
بیا ساقی این نکته بشنو زنے / که یک جرعه مے به ز دیهیم کے
بیا ساقی آن آب اندیشه سوز / که گر شیر نوشد شود بیشه سوز
بیا ساقی آن آتش تابناک / که زردشت می جویدش زیر خاک
بده تا بگویم ز آواز نے / که جمشید کے بود و کاوس کے
می ده که بدنام خواهم شدن / خراب می و جام خواهم شدن
بیا ساقیا مے که تا دم زنیم / قلم بر سر هر دو عالم زنیم
سبک باش و رطل گرانم بده / دگر فاش نتوان نهانم بده

کہ این چرخ و این انجم و آبنوس | بسے یاد دارد ز بہرام و طوس
بدہ ساقی آن آب افسردہ را | بیا، زندہ ساز این دل مردہ را
کہ ہر پارہ خشتے کہ بر منظری است | سر کیقبادے و اسکندری است
ہر آن گل کہ در گلستانی بود | مہ عارض دلستانی بود
ہر آن شاخ سروی کہ در گلشنے است | قد دلبر و زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی مین بھی اساتذہ سے پیچھے نہین، لیکن انکا اصلی اعجاز غزل گوئی ہی، یہ عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود مین آجتک کوئی شخص غزل مین انکا ہمسر ہوسکا، متوسطین اور متاخرین غزل کے بزم آرا ہین، لیکن ان کو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا انداز کسی کو نصیب نہین ہوا،

صائب | صائب اگر نیست ازو دعوی | تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است
صائب چہ توان کرد بہ تکلیف عزیزان | در نظر خواجہ شدن بے بصری بود
ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم | سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش | کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

عرفی نے کبھی غزل مین کسی استاد کا نام نہین لیا، تاہم کہتا ہے،

عرفی | بر آن تتبع حافظ روا است چون عرفی | کہ دل بکاود و در دخنوری داند

خواجہ صاحب کی غزل گوئی | غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن نے اسکو ترقی دی ساتوین صدی کا چمن انہی بلبلون کے زمزمون سے گونج رہا تھا کہ

سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی، سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ اُن کو فروغ نہین ہو سکتا تھا، لیکن یہ دونون اور اصناف سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی مین اسقدر مستاز اور نامآور تھے کہ اُس اثر نے غزل مین بھی کام دیا، اسکے ساتھ ان لوگون نے غزل مین کچھ جدتین بھی پیدا کین جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھین اسلیے اور بھی مدد ملی اس سے بڑھکر یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو ابو اسحاق فرمانروا ے شیراز کے دربار مین سب سے ممتاز تھے،

اساتذہ کا تتبع

غرض خواجہ حافظ نے آنکھین کھولین تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا، خواجہ صاحب نے دونون کا زمانہ پایا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب ۷۵۲ھ مین شیراز مین وفات پائی، تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر مین ہوے جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی، اور جس کی شان مین فرماتے ہین،

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

خواجہ صاحب نے غزل گوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہین،

ع دارد سخن حافظ، طرز در دش خواجو،

جو غزلین ہم طرح ہین اُنمین جا بجا مصرع تک لڑ گئے ہین اور مضامین اور ترکیبین تو کثرت سے متوارد ہین سلمان کی غزلون پر بھی اکثر غزلین ہین اور اُنسے بھی اسقدر جا بجا توارد ہے کہ لوگونکو دونون کے کلام مین اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ بعض بعض غزلین

دونون کے دیوان مین موجود ہین، اور ایک نقطہ کا فرق نہین اسی بنا پر بعض تذکرون مین لکھا ہی کہ کاتبون نے حافظ خواجو اور سلمان کے دیوانون مین نہایت خلط ملط کر دیا ہی،

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہی کہ آج کسی کو حافظ کی ترجیح مین کلام نہین، بلکہ خواجہ صاحب کی غزلون کے مقابلہ مین خواجو اور سلمان کی غزلون کا کوئی نام بھی نہین جانتا، لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری باب ہی کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھائے جائین، یہ ایک واقعہ ہی کہ سعدی خواجو اور سلمان ہی کے خاکے ہین، جن پر حافظ نے نقش آرائیان کی ہین، اس لیے اُن کے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا شعر العجم کا ضروری فرض ہے،

سعدی اور خسرو اور حسن تک غزل مین زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کرتے تھے خواجہ نے دنیا کی بے ثباتی، وسعت مشرب، اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا، اکثر غزلین پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہین مثلاً یہ غزل،

بیش صاحب نظران ملک سلیمان باد است	بلکہ آن است سلیمان کہ ز ملک آزاد است
این کہ گویند کہ بر آب نہادہ ست جہان	مشنو ای خواجہ اکہ چون درنگری بر باد است

یا مثلاً یہ غزل

مشو بہ ملک سلیمان و مال قارون شاد	کہ مال و ملک بود در رہ حقیقت باد

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے،

سلمان کا خاص مذاق مضمون آفرینی، جدت تشبیہ اور صنائع لفظی ہی، خواجہ حافظ

بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ اُن کا خاص انداز نہیں، سعدی، خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق سوز و گداز، بیان شوق، نا امیدی اور حسرت ہے، خواجہ صاحب **سعدی** کی بھی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلیں اُنکی غزلوں پر لکھی ہیں، لیکن وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے، اسلیے درد و غم کے نوحے ان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے،

خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو، سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں، اُنمیں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہوسکے،

حافظ	خواجو
دوش از مسجد سوے می خانہ آمد پیر ما	خرقہ، رہن خانہ خمار دارد پیر ما
چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما	اے ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہے، اور یہ محتاج اظہار نہیں،

حافظ	خواجو
در خرابات مغان ما نیز ہمدستان شدیم	گر شدیم از بادہ، بدنام جہان تدبیر چیست
کاین چنین رفت ست از روز ازل تقدیر ما	ہمچنین رفت است از روز ازل تقدیر ما

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اور افسوس ہے کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی دوسرا مصرع تو حرف حرف خواجو ہی کا مصرع ہے، پہلا مصرع

خواجو کا زیادہ برجستہ اور صاف ہی، اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سی آیا ہے، خواجہ صاحب نے یہ حسن بھی کھودیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ شراب نے اگر ہم کو رسوا کر دیا تو علاج کیا؟ تقدیر یون ہی تھی، خواجہ صاحب کہتے ہین ہم کو بھی مغون کا ساتھ دینا پڑا، تقدیر مین یہی لکھا تھا، خواجہ صاحب کو مضمون کے لحاظ سے بھی کچھ ترجیح نہین،

حافظ	خواجو
عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است	ما دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم
عاقلان دیوانہ گردند از پے زنجیر ما	ای بسا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلونکے دیوانہ زنجیر ہونے کی وجہ ظاہر کردی یعنی یہ کہ زلف کی قید کسقدر پر لطف ہی اسکے علاوہ خواجہ صاحب کا پہلا مصرع زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہے، لیکن خواجو کے مصرع مین ایک خاص نکتہ ہی جو خواجہ صاحب کے ہان نہین، خواجو کہتا ہی کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف مین پھنس گیا، یہ وہ زنجیر ہے کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بنگئے، جس سے اس بات کی معذرت نکلتی ہے کہ جب عقلا اس زنجیر مین پھنستے ہین تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہے؟ اسکے علاوہ دیوانونکو عموماً زنجیر مین باندھتے ہین، اسلیے دل کا زلف مین گرفتار ہونا قدرتی بات تھی خواجہ صاحب نے دل کی دیوانگی کا کچھ ذکر نہین کیا، اسلیے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ نہین، خواجو کے ہان عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب

سکے ہان وہ بھی نہین،

حافظ	خواجو
تیر آہ ما ز گردون بگذرد جانان خموش	از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو
رحم کن بر جان خود، پرہیز کن از تیر ما	کز کمان نرم زخمش، سخت باشد تیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہین دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کردیا، خواجو نے معشوق سے صرف اسقدر کہا تھا کہ "غافل مشو"، خواجہ صاحب "خاموش اور رحم کن بر جان خود"، سے معشوق کو خطاب کرتے ہین، جو آداب عشق سے بالکل خلاف ہے،

حافظ	خواجو
نسیم صبح سعادت بر آن نشان کہ تو دانی	بیا صبا خبرے کن مرا ازان کہ تو دانی
گذر بکوی فلان کن دران زمان کہ تو دانی	بدان زمین گذرے کن بدان زمان کہ تو دانی
تو پیک حضرت شاہی مراد و دیدہ براہست	چو مرغ در طیران آئی و چون بہ اوج رسی
بہ مردمی نہ بفرمان ببر بر آن کہ تو دانی	نزول ساز دران آشیان کہ تو دانی
بگو کہ جان ضعیفم، ز دست رفت خدا را	چنان مرو کہ غبارے بدو رسد ز گذارت
ز لعل روح فزایت بہ بخش ازان کہ تو دانی	بدان طرف چو رسیدی چنان بدان کہ تو دانی
من این دو حرف نوشتم چنان کہ غیر ندانست	
تو ہم ز روی کرامت بخوان چنان کہ تو دانی	

دونون نے صبا کو قاصد بنایا ہے اور اُسکو ہدایتین کی ہین، خواجو نے صبا کو مرغ سے اور معشوق کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بدمزگی پیدا کردی، لیکن اخیر کا شعر نہایت لطیف ہے یعنی اے صبا اس طرح آہستہ اور مؤدب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے اور بتانے کی کیا حاجت ہی؟ تو تو خود آداب دان ہے جیسا مناسب سمجھنا کرنا

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہی، صبا کے بجاے نسیم اور اسپر صبح سعادت کی قید نے لطف پیدا کردیا ہی، خواجو کے مصرع مین زمین و زمان کا جو لفظی تناسب تھا تکلف سے خالی نہ تھا اسلیے خواجہ صاحب نے اُسکو اڑادیا بدان زمین" کے بجای "بکوی فلان" کا کنایہ زیادہ لطیف ہے، دوسرا شعر بھی نہایت لطیف ہی، کہتے ہین کہ تو شاہی قاصد ہی مین تجکو حکم نہین دیسکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضا سے توقع رکھتا ہون، اخیر شعر اور زیادہ پرمزہ ہے معشوق سے کہتے ہین کہ مین نے یہ دو سطرین اس طرح چھپا کر لکھی ہین کہ غیرون کو خبر نہین ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا، جیسا مناسب ہو، یعنی کسی کو خبر نہونے پائے

حافظ	خواجو
مجو درستی عہد از جہان سست بنیاد	دل درین پیرزن عشوہ گر دہر مبند
کہ این عجوزہ، عروس ہزار داماد است	کین عروسے است کہ درعہد بسے داماد است

مضمون وہی ہی لیکن خواجہ صاحب کی بندش مین زیادہ حُسن ہی، پہلے مصرع مین صرف اس قدر کہنا چاہیے کہ دنیا مین دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہیے کہ یہ ایک ایسی عجوزہ ہی جو ہزارون کے نکاح مین ہے، خواجو نے پہلے ہی کہدیا کہ عجوزۂ دہر سے دل

نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا تو اس دلیل کی ضرورت نہین رہی کہ وہ کثیر الازدواج ہی کیونکہ بڑھیا سے یون بھی انسان کو محبت نہین ہوتی، **خواجہ صاحب** نے پہلے دنیا کی بُرائی کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہین بتائین یعنی یہ بوڑھی ہے اور کثیر الازدواج بھی ہے،

حافظ	خواجو
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار چہ مست	منزل اریار قرین است چہ دوزخ چہ بہشت
ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت	سجدہ گر بر نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہے، اوّل تو خواجو نے مطلع مین جسمین قافیہ کی پابندی ہو جاتی ہی ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہی، اسکے ساتھ دونون عالم کی دونون چیزین لے لین، یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت، ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہی، **خواجہ صاحب** کے ہان مطلق نہین، خواجہ صاحب کہتے ہین کہ مسجد اور گرجا دونون عشق کے گھر ہین اور ایک ہی چیز ہین، خواجو دونکو مخالف تسلیم کر کے کہتا ہی کہ سجدہ نیاز وہ چیز ہی کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہے اس مین یہ بھی اشارہ ہی کہ سجدہ نیاز گرجا مین بھی ادا کیا جائے تو مسجد بنجائے،

حافظ	خواجو
عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم	کے بر کنم دل از رخ جانان کہ مہر او
با شیر در بدن شد و با جان بدر شود	با شیر در دل آمد و با جان بدر شود

خواجہ صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہر محتاج اظہار نہین،

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلین اکثر ہم طرح ہین اختصار کے لحاظ سے ہم اسیقدر پر اکتفا کرتے ہین،

خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلونپر غزلین لکھی ہین جن مین کہین سلمان کی تقلید کی ہر کہین سلمان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایے مین ادا کیا ہر کہین سلمان کے آئینہ کو زیادہ جلا دیدی ہے،

حافظ	سلمان
عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ	آوازۂ جمالت تا در جہان فتادہ
ہنگام گل کہ دیداست بے می قدح نہادہ	خلقے بہ جستجویت سر در جہان نہادہ

دونون مطلع بالکل الگ الگ ہین ان مین کوئی موازنہ نہین ہو سکتا،

حافظ	سلمان
گل رفت اے حریفان غافل چرا نشینید	سودای زُہد خشکم بر باد دادہ حاصل
بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام و بادہ	مطرب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے،

حافظ	سلمان
زین زہد و پارسائی بگرفت خاطر من	مائیم بستہ دل را در لعل دلکشایت
ساقی پیالہ دہ تا دل شود گشادہ	آن لب بہ خندہ بکشا تا دل شود گشادہ

صنعت اضداد کا دونون نے لحاظ رکھا ہے، لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہین یعنی بستن و کشادن گرفتن اور کشادن مین بھی گو یہی صنعت ہے، لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی

نہین ہین بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کیے ہین، اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان کے ہان لفظاً اور معنیً دونون لحاظ سے زیادہ روشن ہی، یعنی تو لب کھول تو ہمارا دل بھی کھلے، کیونکہ ہمارا دل تیرے لبون مین بندھا ہوا ہے، پیالہ سے دل کھلنے مین یہ بات نہین،

حافظ	سلمان
در مجلس صبوحی، دانی؟ چہ خوش نماید	سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ
عکس عذار ساقی بر جام می فتادہ	شوریدگان مویت دریکد گر فتادہ

مضمون کے لحاظ سے دونون شعر الگ الگ ہین البتہ قافیہ مشترک ہی اور سلمان کے ہان اچھا بندھا ہے، یون بھی سلمان کا شعر اچھا ہے،

سعدی اور حافظ

شیخ سعدی کے جواب مین بھی گو اکثر غزلین ہین لیکن درحقیقت دونون کے راستے الگ الگ ہین، اسلیے انمین موازنہ نہین ہوسکتا، تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لیے ہین لیکن انکے اسلوب کو اسطرح بدل دیا ہے کہ یہ نہین معلوم ہوتا کہ یہ موتی انہی قطرون سے بنے ہین، مثالین جدت اسلوب کے عنوان مین آئینگی،

خواجہ صاحب کی خصوصیات

تم نے دیکھا! خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفون سی طرحی غزلون مین چندان بلند رتبہ نہین ہین، اُنکی شاعری کے مہمات مضامین بھی انکا ذاتی سرمایہ نہین، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہین، بااین ہمہ اُن کی غزلون نے دنیا مین جو غلغلہ برپا کردیا، اسکے آگے سعدی، خسرو، خواجو، سلمان کی آوازین بالکل پست ہوگیئن اسکا کچھ سبب ہوگا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہین۔ یہ

خصوصیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہین جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہین تاہم جس قدر ضبط تحریر مین آسکتا ہے وہ حسب ذیل ہی،

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری مین متعدد ایسی باتین جمع ہوگئی ہین جنکا مجموعہ اعجاز بن گیا ہی، ممکن ہو کہ انہین سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لین تو اورونکے ہان نکل آئے لیکن **خواجہ صاحب** کا کلام ع انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری،، کا مصداق ہی

انہین بعض اوصاف ایسے بھی ہین جو اورون کے کلام مین اس درجہ تک نہین پائے جاتے، مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی مابہ الامتیاز ہے لیکن یہ ایسی چیز ہے جسکے مدارج کی حد نہین، ممکن ہو کہ ایک شعر خود نہایت روان اور صاف وشستہ ہو، لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو جس طرح نغمہ اور حسن کہ انکے مدارج ترقی کی کوئی حد نہین،

ایک اور چیز جو **خواجہ صاحب** کی شاعری کا نہایت نمایان وصف ہی **جوش بیان** ہی، اسی طرح تنوع مضامین بھی، ان سے پہلے اسقدر نہ تھا، چنانچہ ہم انکے کلام کے تمام اوصاف کو الگ الگ عنوان کے ذیل مین لکھتے ہین،

جوش بیان فارسی شاعری، باوجود ہزارون گوناگون اوصاف اور خیالات کے، جوش بیان سے خالی ہی، فردوسی اور نظامی کے ہان خاص خاص موقعون پر جوش بیان کا پورا زور ہی، لیکن وہ اورونکے خیالات اور واردات ہین، خود شاعر کے حالات اور جذبات

نہین بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام مین جو جذبات ہین وہ خود اُنکے واردات اور حالات ہین اسلیے اُن کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین کہ ایک عالم چھا جاتا ہے جوش بیان کیلئے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہین، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہے، البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتین بدل جاتی ہین، مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہے تو اس انداز سے کرتا ہے کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہے، قہر اور غضب کا بیان ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا مذکور ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم ہیچ ہے غصہ اور غضب کا مضمون ہے تو نظر آتا ہے کہ مُنھ سے انگارے برس رہے ہین،

خواجہ صاحب نے سیکڑون گوناگون خیالات ادا کیے ہین اور جس خیال کو ادا کیا ہے اس جوش کے ساتھ کیا ہے کہ سُننے والے پر وہی اثر طاری ہوجاتا ہے جو خود خواجہ صاحب کے دل مین ہوتا ہے،

اعتمادے نیست بر دور جہان　　بلکہ بر گردون گردان نیز ہم
سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود　　کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است　　ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود
در نمازم خم ابروی تو ام یاد آمد　　حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد
از حدیث سخن عشق ندیدم خوشتر　　یادگاری کہ درین گنبد دوار بماند
بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو　　اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن

می ترسم از خرابی ایمان که می برد / محراب ابروی تو حضور نماز من

زان پیشتر که عالم فانی شود خراب / ما را به جام بادهٔ گلگون خراب کن

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید / دیگران هم بکنند آنچه مسیحا می کرد

ما قصهٔ سکندر و دارا نخوانده ایم / از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس

داستان در پرده می گویم ولے / گفته خواهد شد به دستان نیز هم

محتسب داند که حافظ می خورد / (زور سے) آصف ملک سلیمان نیز هم

رنگ و تزویر پیش ما نبود / شیر سرخیم و افعی سیهیم

گرچه پیرم تو شبی تنگ در آغوشم گیر / تا سحر گه ز کنار تو جوان برخیزم

ای نور چشم من سخنی هست گوش کن / تا ساغرت پر است بنوشان و نوش کن

بس تجربه کردیم درین دیر مکافات / با دُرد کشان هر که در افتاد بر افتاد

سوز آه سینهٔ سوزان من / سوخت این افسردگان خام را

جوش بیان کا اصلی موقع وہاں آتا ہی جہاں کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہی مثلاً رنج وغم فخر و ناز، غیظ و غضب، عشق و محبت،

خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں یہ جذبہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہی کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی نظیر نہیں ملسکتی، اسکے اندازہ کرنے کے لیے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور باندھو، کہ جب وہ مستی کے جوش و خروش میں ہوتا ہے، تو اسکے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، وہ

مزے مین آکر بنکارتا ہی کہ مجکو نام و ننگ کی کچھ پروا نہین ساقی پیالہ پر پیالہ دیے جا، اورکسی
نہ ڈر، زاہد کیا جانتا ہی کہ جام مین کیا کیا گوناگون عالم نظر آتے ہین مطرب سے کہدو یہ ترانہ گاے
کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہی، کل خاک مین جانا ہی ہی آج کیون نہ عالم مین غلغلہ ڈالدون
تم مجھے حقیر سمجھتے ہو شراب خانہ مین آو تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہی؟ میری ہاتھ مین
جو پیالہ ہی جمشید کو بھی نصیب نہوا ہوگا، مین شراب آج سے نہین پیتا، مدت سے آسمان اس
غلغلہ سے گونج رہا ہی، صوفی اور واعظ رازدانی کی شیخیان بگھارتے ہین حالانکہ جو کہتے ہین
مجھی سے سن لیا تھا، یہ عالم لطف اُٹھانے کے لیے کافی نہین، آو آسمان کی چھت توڑ کر ایک
اور نیا عالم بنائین، خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین جس
طرح ایک سرمست کے دل مین آتے ہین۔

ابھی یہ بحث چھوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہی یا انگور کی مستی
دونون مین ہی اور یہان صرف مستی سے غرض ہے،

بیا تا گل برافشانیم ومے در ساغر اندازیم ... فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

آو پھول برسائین اور شراب پیالہ مین ڈالین ... آسمان کی چھت توڑ ڈالین اور نئی بنا ڈالین

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد ... من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم عاشقون کے مقابلہ کے لیے فوج تیار کرے، تو ہم اور ساقی دونون ایکا کر کے اسکی جڑ اکھاڑ کر پھینکدین

چو در دست ست رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش ... کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

رند مزے مین آکر جب گاتا ہی تو دونون طرف ہاتھ جھٹکتا ہی، پاون زمین پر دے دے

مارتا ہے، سر کو دائین بائین جھٹکے دیتا ہے، یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہی

ساقی بہ نور بادہ برافروز جام ما | مُطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم | اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما
ساقیا برخیز و در دہ جام را | خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلان | مانمی خواہیم ننگ و نام را
تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود | سر ما خاک رہ پیر مغان خواہد بود
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است | ما ہمانیم کہ بودیم ہمان خواہد بود
بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ | کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود
عاقبت منزل ما وادیٔ خاموشان است | حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز
حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست[1] | بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست
ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو | انکار ما مکن کہ چنین جام جم نداشت
خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت | از دست داد و ہیچ غم بیش و کم نداشت
ما مے بہ بانگ چنگ نہ امروز میخوریم | بس دیر شد کہ گنبد چرخ این صدا شنید
سر خدا کہ عارف و سالک بکس نگفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
ساقی بیا کہ عشق ندامی کند بلند | کان کس کہ گفت قصۂ ما ہم ز ما شنید
من ترک عشق بازی و ساغر نمی کنم | صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم

[1] یعنی کچھ ایسی کائنات نہین،

من رند و عاشق و آنگاه توبه | استغفر الله استغفر الله
ما زهد و تقوی کمتر شناسیم | یا جام باده یا قصه کوتاه
شراب و عیش نهان چیست کار بی بنیاد | زدیم بر صف رندان و هر چه بادا باد
سخن درست بگویم نمی توانم دید | که می خورند حریفان و من نظاره کنم
گدای میکده ام لیک وقت مستی بین | که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم
نه قاضیم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه | مرا چکار که منع شراب خواره کنم
با من خاکنشین خیز و سوی میکده آی | تا ببینی که در آن حلقه چه صاحب جاهم
ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف | سر و دستار نداند که کدام اندازد
خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن | چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن
پیر میخانه چه خوش گفت معمای دوش | از خط جام که فرجام چه خواهد بودن
باده خور غم مخور و پند مقلد مشنو | اعتبار سخن عام چه خواهد بودن
غم دنیای دنی چند خوری باده بخور | حیف باشد دل دانا که مشوش باشد
ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می | طامات تا بچند و خرافات تا بکی
شیخم بطنز گفت حرام است می مخور | گفتم برو که گوش بهر خر نمی کنم
که برد؟ به نزد شاهان ز من گدا پیامی | که بکوی می فروشان دو هزار جم بجامی
صبح است ژاله می چکد از ابر بهمنی | برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی
ساقی بهوش باش که غم در کمین ماست | مطرب نگاه دار همین ره که میزنی

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود | ز زہد ہمچو توئی یا ز رندی چو منی
ما مرد زہد و توبہ و طامات نیستم | با ما بہ جام بادۂ صافی خطاب کن
زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب | ما را بہ جام بادۂ گلگون خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہی، اسکے لیے جھگڑون اور بکھیڑون پڑنے سے کیا حاصل کھاؤ پیو لطف اُٹھاؤ اور دنیا سے گزر جاؤ، سو سو طرح بندھ چکے ہین اور خیام کی تمام شاعری کی یہی کائنات ہی لیکن خواجہ صاحب کے ہان جو جوش بیان پایا جاتا ہی فارسی شاعری اس سے خالی ہی،

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش | کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و ز شر و شورش
کمند صید بہرامی بیفگن جام مے بردار | کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام ست و نہ گورش (گور خر)
مَی دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ | ہمین بس است مرا صحبت صغیر و کبیر
دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے | فراغتی و کتابے و گوشۂ چمنے
من این مقام بہ دنیا و آخرت ندہم | اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

دنیا کی شان و شوکت، جاہ و جلال، دھوم دھام، ان کو للچانا چاہتی ہین لیکن اُنکے دل سے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے؟ یہ نیرنگیان کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کے لیے زندگی کو کیون آلودہ کیا جائے۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ ست روزگار | چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے
حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست | بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست

بنشان جرعۂ بر خاک و حال اہل شوکت بین ۔۔۔ کہ از جمشید و کیخسرو ہزاران داستان دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد ۔۔۔ کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اسقدر چھا گیا تھا کہ بوریاے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، وہ خود اس خیال مین مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اُٹھائین، وہ مناظر قدرت سے بہارسے، آب روان سے، سبزہ و مرغزار سے، لطف اُٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے، اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کے فلسفہ کی تعلیم دیتے ہین، یونان مین ایپکیورس کی بھی یہی تعلیم تھی، لیکن وہ فلسفی تھا اسلیے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ کے انداز مین کہتا تھا، خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اسلیے اُنہون نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے،

عید است ساقیا قدحے پر شراب کن ۔۔۔ دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند ۔۔۔ چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند

دمے باغم بسر بُردن جہان یکسر نمی ارزد ۔۔۔ بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است ۔۔۔ کلاہ دلکش است اما بدردسر نمی ارزد

غم دنیای دنی چند خوری بادہ بخور ۔۔۔ حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

خوشتر از فکر می و جام چہ خواہد بودن ۔۔۔ چون خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

بہار سے لطف اُٹھاتے ہین

نفس باد صبا مشک فشان خواہد شد
عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد

ارغوان جام عقیقی بہ سمن خواہد داد
چشم نرگس بہ شقائق نگران خواہد شد

مطربا مجلس انس است غزل خوان و سرود
چند گوئی کہ چنین است و چنان خواہد شد

بلبل ز شاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی
می خواند دوش درس مقامات معنوی

مرغان باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو
تا خواجہ می خورد بہ غزل ہاے پہلوی

درویشم و گدا و برابر نمی کنم
پشمین کلاہ خویش بہ صد تاج خسروی

خوش فرش بوریا و گدائی و خواب امن
کین عیش نیست در خور اورنگ خسروی

آخر الامر گل کوزہ گران خواہی شد
حالیا فکر سبو کن کہ پر از بادہ کنی

ای کہ در کوی خرابات مقامے داری
جم وقت خودی ار دست بہ جامے داری

ای کہ با زلف و رخ یار گذاری شب و روز
فرصتت باد کہ خوش عیش دوامے داری

می خواہ گل افشان کن از دہر چہ می جوئی
این گفت سحرگہ گل بلبل تو چہ می گوئی

مسند بہ گلستان بر شاہد و ساقی را
لب گیری و رخ بوسی می نوشی و گل بوئی

خواجہ صاحب کے اس خاص کمال (جوش بیان) کا اندازہ اسوقت اچھی طرح ہو سکتا ہی جب انہی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جاے نمونہ کے لیے ہم صرف چند شعروں پر اکتفا کرتے ہین

سلمان
رندی و عاشقی و قلاشی
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست

حافظ
عاشق و رند نظر بازم و میگویم فاش
تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام

سلمان

درون صافی از اہل صلاح و زہد مجوی
کہ این نتیجۂ رندان دردی آشام است

مکن ملامت رندان دگر بہ بدنامی
کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است

غرض از کعبہ و بت خانہ توی سلمان را
چکنم خانۂ بی خانہ خدا باید رفت

من از ان روز کہ در بند توام آزادم
بادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم

ای گنج نوشدارو و بر خستگان نظر کن
مرہم بدست و مارا مجروح می گزاری

حافظ

راز درون پردہ ز رندان مست پرس
کین حال نیست صوفی عالی مقام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

یارب این باکہ توان گفت کہ آن نوشین لب
کشت مارا و دم عیسی مریم با اوست

بدیع الاسلوبی یعنی جدت و خوبی ادا | اکثر مضامین ایسے ہین جو مدتون سے بندھتے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجای خود معمولی مضمون تھے، جن مین کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدت ادا نے اسکو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور، سرشار اور مست کہتے آئے ہین، خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہین،

ہر کس کہ بدید چشم او گفت — کو محتسبی کہ مست گیرد

یعنی جسنے اُس کی آنکھ دیکھی بول اُٹھا کہ کہین محتسب نہین کہ مست کو گرفتار کرے۔

معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہی خواجہ صاحب اسکو اس طرح ادا کرتے ہین،

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد ✓ صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہی کہ تصویر کھینچدی ہے، بنفشہ گویا ایک حسین دو شیزہ ہی، اسکی زلفین نہایت خوبصورت اور گھونگروالی ہین، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی مین گرہین لگا رہی ہی، اتنے مین کہین سے صبا آ نکلی، اسنے معشوق کی زلفونکا ذکر چھیڑ دیا بنفشہ عین غرور اور ناز کی حالت مین شرما کر رہگئی،

جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہو جانا بیان نہین کیا کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہین،

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہین کرتا تاہم چونکہ اس کی فتوحات اور نذور، ریا اور زور کے ذریعہ سے ہات آتی ہین اسلیے وہ بھی حرام سے کم نہین، اس مضمون کو یون ادا کیا ہے،

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی، میرے آب حرام (شراب) کی بازی لیجا سکے جدت اسلوب کیساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی،

ترسم سے دکھانا ہی کہ مین اس بات کو بطور شماتت کے نہین کہتا، بلکہ ہمدردی کی لحاظ

سے مجکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہین ایسا نہو، قیامت کو باز خواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہی جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہی،

نان حلال اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، اصل مضمون کو نہایت بلیغ کر دیا ہے، یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے، میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے، تو زاہد کے لیے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد | کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

اس طرز ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہر حال اچھی ہی، خود فقیہ کی زبان سے کرایا ہی، اسکے ساتھ مست کی قید لگا دی ہی جس سے یہ دکھانا مقصود ہی کہ فقیہ سچی بات کا اظہار یون کا ہیکو کرتا مست تھا، اسلیے پس وپیش کا خیال نہ آیا اور جو دل مین تھا زبان سے کہہ گیا،

زاہد خدا کا تصور جو دلون مین قائم کراتے ہین وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر وغضب ہی، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہی اور نہایت بے رحمانہ سزائین دیتا ہی لیکن اہل نظر کے نزدیک خدا سرتاپا لطف اور رحم ہی، اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہین،

پیر دردے کش ما گرچہ ندارد زر و زور | خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

"خدائے" کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہی، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہی زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہین،

یہ مضمون کہ مین نے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ ہر شخص نے اسکی

داد دی، اسکو یون ادا کرتے ہین،

ہرکس کہ دید روی تو بوسید چشم من — کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نکرد

یعنی جسنے تیرا چہرہ دیکھا میری آنکھین چوم لین کہ کیا عمدہ انتخاب ہی، میری آنکھ نے جو کام کیا دیکھ بھال کے کیا،

شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہین، عام مضمون ہے سعدی فرماتے ہین،

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر — کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہین

من اگرچہ عاشقم و رند و مست نامہ سیاہ — ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہی کہ مین اگرچہ گنہگار اور نالایق ہون لیکن خدا کا شکر ہی کہ شہر مین اور لوگ پاکیزہ اخلاق ہین جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اورون پر نہ پڑیگا، لیکن حقیقت مین یہ اورون پر در پردہ چوٹ ہی، سعدی نے کھُلے لفظون مین کہدیا، خواجہ صاحب کنایۃً ادا کرتے ہین،

خدا کے عفو کے بھروسہ پر شراب پینے کی جرات اس پیرایہ مین دلاتے ہین،

بیار بادہ بخور زان کہ پیر میکدہ دوش — بسے حدیث غفور و رحیم و رحمٰن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جن سے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہے، لانا کس قدر بلاغت ہے،

دنیا کی بے ثباتی کو اس انداز مین ادا کرتے ہین،

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود　　　که جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہین اسلیے یہ چندروزہ زندگی عیش و عشرت مین گذارو کل خدا جانے کیا ہو گا، اس مضمون کے لیے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، عیش اور کامیابی مین جمشید سب سے نامآور ہی، تاہم خود اُس کی مجلس مین یہ راگ گایا جاتا تھا، اس سے بڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہو گا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب وخطاب ایک طرف پورا نام بھی نہین، اس مضمون کو نہایت با اثر کر دیتا ہے،

شرم ازان چشم سیہ بادش ومژگان دراز　　　ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است

اس مضمون کے ادا کرنیکا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اگر معشوق کو دیکھ لیتا تو اعتراض سے باز آتا، اسکو یون ادا کیا ہی کہ جو شخص میری دلباختگی پر اعتراض کرتا ہی اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سی شرم نہین آتی یعنی مجھ پر اعتراض کرنا گویا آنکھون کی دلربائی سے انکار کرنا ہے،

یارب بہ کہ بتوان گفت این نکتہ کہ در عالم　　　رخسارہ بکس ننمود آن شاہد ہرجائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ مین چمکتا ہی لیکن اسکی حقیقت کسی کو معلوم نہین ہوئی اور نہو سکتی، کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہی یعنی کسقدر تعجب ہے کہ ہرجائی بھی ہی اور آجتک کسی نے اسکو دیکھا بھی نہین، وصالی نے اسی مضمون کو یون ادا کیا ہے،

اے کہ در ہیچ جانہ داری جا | بو العجب ماندہ ام کہ ہر جائی

لیکن خواجہ صاحب کی طرز ادامین لطافت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سے سمجھ مین آنے کے لیے ہم چند مثالین لکھتے ہین جن سے ظاہر ہوگا کہ ایک مضمون جو کسی اور اُستاد نے باندہا تھا خواجہ صاحب نے خوبی ادا سے اسکو کسقدر بلند رتبہ کردیا ہے،

حافظ	سعدی
در راہ عشق، فرق غنی و فقیر نیست	تو گرچہ امیر و ما فقیریم
ای بادشاہ حُسن سخن باگدا بگو	دل داری دوستان ثواب است

حافظ	سعدی
بنال بلبل اگر بامنت سر یاری است	ای بلبل اگر نالی من باتو ہم آوازم
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است	تو عشق گلے داری من عشق گل اندامی

شیخ صاحب کہتے ہین کہ "بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو مین بھی تیرا ساتھ دینے کو موجود ہون، مجکو تجھ سے ہمدردی کی یہ وجہ ہی کہ تو گل پر عاشق ہے اور میرا معشوق بھی گل اندام ہی"، غرض شیخ نے ہمدردی کی وجہ، معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہے، لیکن یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے ذرا ہٹا ہوا ہے، اسلیے خواجہ صاحب ہمدردی کی وجہ صرف عشق کی شرکت قرار دیتے ہین، معشوق کے اشتراک سے کوئی تعلق نہین، اسکے ساتھ خود بلبل کے پیرو نہین بنتے بلکہ بلبل کو اپنا پیرو بناتے ہین "دو" کے لفظ پر

جو زور دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے صحیح دعویدار صرف دو ہی ہو سکتے ہیں عاشق اور بلبل ان باتون کے ساتھ زار او رزاری کے اجتماع اور مطلع ہونے نے شعر کو نہایت بلند پایہ کر دیا ہے،

حافظ	سعدی
چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب	ای گنج نوشدارو در خستگان نظر کن
بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد	مرہم بدست و ما را مجروح می گزاری

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کسقدر لطیف کر دیا ہے،

حافظ	سلمان
عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش	رندی و عاشقی و قلاشی
تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام	ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست

چستی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہین کہ مجھ مین یہ سب باتین ضرور ہین، اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ ان باتون پر اُن کو فخر ہی یا ندامت، خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہین کرتے بلکہ ان کو باعث ناز قرار دیتے ہین، ع تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام،

حافظ	سلمان
گرچہ بدنامی است نزد عاقلان	مکن ملامت رندان گر بہ بدنامی
مانمی خواہیم ننگ و نام را	کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نیز د مانام است

سلمان کہتے ہین کہ ہم کو ملامت نکرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک نامور ی کی بات ہی، اس مضمون مین یہ نقص ہی کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہے کہ اُن کو نام کی خواہش ہے، گو وہ نام اورون کے نزدیک ننگ ہے، خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ ہم کو نام و ننگ سے سرے سے غرض ہی نہین اور رندی کی یہی شان ہے،

حافظ	سلمان
شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد	شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل
بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد	شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد
	دیدہ ام طلعت زیباش کہ آنے دارد۔
	این ہمہ شیفتہ من از پے آن می گردم

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضا کا نام نہین، بلکہ اصلی چیز ناز اور انداز ہی، سلمان نے اس مضمون کو جسطرح ادا کیا، اسمین ایک اور لفظی خوبی یعنی این و آن کا مقابلہ شامل کر دیا، جس سے اصل مضمون کا زور بٹ گیا، اسلیے خواجہ صاحب نے اصل مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا، لیکن این و آن کا لطف بھی ہات سے دینے کے قابل نہ تھا اسلیے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایان پیرایہ مین ادا کیا،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن / یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین، ہم کو صرف نمونہ دکھانا مقصود تھا۔

ان جزئی اسالیب سے قطع نظر کر کے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندہا ہی وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظون اور زاہدون کی پردہ دری ہے، انہین سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہی اس سے بہتر خیال مین نہین آسکتا، اور یہی وجہ ہی کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑون ہزارون اشعار موجود ہین لیکن عام محفلون مین خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانون پر ہین،

واردات عشق

خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہے اور ہر نوع کو اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا ہی لیکن انکی اصلی شاعری عشق و عاشقی اور رندی و سرمستی ہی، رندانہ مضامین وہ جس آزادی، رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین، اس کی تفصیل جوش بیان کے عنوان مین گذر چکی، عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہی لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے (جیسا کہ ہم ابتدا مین لکھ آئے ہین) کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق رکھتے ہین، وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے، اسلیے عشق و عاشقی سے انکو وہین تک تعلق ہی جہانتک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آے، وہ ناامیدی، حسرت، یاس وغیرہ کچھ لکھتے ہین تو محض تقلید ہوتی ہی، وہ غمگین مُنھ بنانا بھی چاہتے ہین تو چہرہ سے شگفتگی نہین جاتی، اس بناپر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی، مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ہین، وہ اس قسم کا عشق نہین کرتے کہ کسیکے پیچھے زندگی برباد کردین گلیون مین پڑے پھرین، انکا عشق بھی لطف نظر ہے، اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی

دل تازہ ہوگیا، پاس بیٹھ گئے، ہمزبانی کا لطف اُٹھایا، زیادہ مچیلے تو سینہ سے لگا لیا گلے مین باہین ڈالدین، اس حالت مین بھی کوئی بُرا خیال نہین پاکبازی اور پاک نظری کی روک قائم ہی، خود فرماتے ہین،

منم کہ شہرہ شہرم بہ عشق ورزیدن　　　منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بدیدن

باین ہمہ عشق و محبت مین جو جو واردا تین گذرتی ہین ایک ایک سے باخبر ہین اور ان سب جذبات کو اُسی سچائی اُسی واقعیت اُسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہین، جس طرح دل مین آتے ہین اور یہی اصلی شاعری ہی، وہ کوئی بات نہین کہتے جب تک کوئی جذبہ دل مین نہین پیدا ہوتا معشوق کی تعریف بھی جو شاعرون کا رات دن کا وظیفہ ہی کرنا چاہیے ہین تو اُسی وقت کرتے ہین جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دلپر نئی چوٹ پڑتی ہی، ورنہ یون کچھ کہہ جاتے ہین تو اُسکو بیکار سمجھتے ہین، خود فرماتے ہین،

نکتہ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار　　　عشوۂ فرماے تا من طبع را موزون کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز مین کہا ہے،

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر　　　تو خدا بستی و من معنی رنگین بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہین کہ عشق محض ظاہری حسن جمال سے نہین پیدا ہوتا اور ہوتا ہی تو وہ عشق نہین بلکہ ہوس پرستی ہے، عشق کے لیے معشوق مین حسن و جمال کے سوا اور بہت سی ادائین ہونی چاہئین، اسی نکتہ کو سلمان ساوجی نے بھی ادا کیا تھا،

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل — شاہد آن ست کہ این دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کر دی، خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہین،

شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد — بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

لیکن یہین تک بس نہین کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہین،

ہزار نکتہ درین کاروبار دلداری است — کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری است

عاشق جب عشق سے لطف اٹھاتا ہی تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اورونکو بھی اس مزہ کے اٹھانے کی ترغیب دیتا ہی، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہی،

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار — بگذارند و سر زلف نگارے گیرند

شہرے پر از حریفان و ز ہر طرف نگارے — یاران صلائے عشق ست گرمی کنید کارے

اس مستی کو دیکھو کہ "یارو کوئی کام کرنا ہی تو بس یہ (عشق) کرنے کا کام ہے،

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہین کہ معشوق کو طرح طرح سے آراستہ کرونگا، پھولون کے زیور پہناؤنگا، تخت پر بٹھاؤنگا، اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھے اور تماشائیون پر بجلی گرائے، ان جذبات کی تصویر دیکھو،

بہ تخت گل بنشانم بتے چو سلطانے — ز سنبل و سمنش ساز و طوق و یارہ کنم
(چنبیلی، زیور، طوق، کنگن)

کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن — بہ غمزہ رونق بازار سامری بشکن

بہ باد دہ سر و دستار عالمے، یعنی — کلاہ گوشہ بہ آئین دلبری بشکن
(دو گونکی پگڑیان اچھال)

جو عطر سائی شود زلف سنبل از دم باد — تو قیمتش بہ سر زلف عنبری بشکن

بہ زلف گوی کہ آئین دلبری مگذار | بہ غمزہ گوے کہ قلب ستمگری بشکن
برون خرام و بہ برگوی خوبی از ہمہ کس | سزای حور بدہ رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہین کہ وصل مین دل کے کانٹے نکلجاتے ہین اور تسکین ہوجاتی ہے لیکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل مین آتش شوق اور بھڑکتی ہی اور دل کا ولولہ کسیطرح کم نہین ہوتا، اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے،

بِكُلٍّ تَدَاوَيْنَا فَلَمْ يَشْفِ مَا بِنَا | عَلٰى اَنَّ قُرْبَ الدَّارِ خَيْرٌ مِنَ الْبُعْدِ

یعنی ہم سب کرکے دیکھ چکے، کسی سے تسلی نہین ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہی، خواجہ صاحب اس نکتہ کو یون ادا کرتے ہین،

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت | و ندران برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست؟ | گفت مارا جلوہ معشوق درین کار داشت

معشوق نے چندروز بیوفائی برتی ہی، پھر صاف ہوگیا ہی، عاشق کو پچھلی باتین یاد آتی ہین لیکن قصدًا بھلاتا ہے اور معشوق کو مطمئن کرتا ہی کہ مجکو کوئی شکایت نہین، اتفاقیہ باتین تھین، ہوگئین، اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت رفت | ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم وستم کو معشوق کی طرف منسوب نہین کرتا، بلکہ زلف کا نام لیتا ہی اور اسکو ہندو (چور ظالم) کہتا ہے کہ اس سے یہ کیا بعید ہے،

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت | جور شاہ کامران گر بر گدای رفت رفت

گردلم از غمزۂ دلدار تاب برد برد ‏ ‏ در میان جان و جانان ماجرائی رفت رفت

کبھی عاشق کے دل مین یہ جذبہ اُٹھتا ہی کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتی ہونگی، لیکن میری سی جانبازی کون کرسکتا ہے، اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کردیتا ہے،

خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ مین ادا کرتے ہین،

شبے مجنون بہ لیلی گفت کای معشوق بی ہمتا ‏ ‏ ترا عاشق شود پیدا ولے مجنون نخواہد شد

اس موقع پر مجنون کے لفظ نے کیا بلاغت پیدا کی ہی، یہ مضمون سیکڑون نے باندھا ہی لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہوا،

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہی تو عاشق تنگ آکر کہدیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذر یے، دنیا مین اور ہزارون صاحب جمال ہین، معشوق بھی جانتا ہے کہ بات سچ ہی لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منصب کے خلاف ہے، ان سچے جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہین،

صبحدم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت ‏ ‏ ناز کم کن کہ درین باغ بسی چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم، ولے ‏ ‏ ہیچ عاشق سخنے سخت بہ معشوق نہ گفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کیلیے خاص ہین لیکن بڑھاپے مین بھی یہ آگ سرد نہین ہوتی، عاشق پر اس زمانہ مین مختلف حالات گذرتے ہین، کبھی کہتا ہی،

ع رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولے،

کبھی خیال کرتا ہی کہ عشق کی گرمی خود جوان بنادیگی، اس حالت مین کبھی معشوق سے کہتا ہے،

گرچہ پیرم تو شبی تنگ در آغوشم گیر | کہ سحر گہ ز کنار تو جوان برخیزم

کبھی کہتا ہے،

ہرچند پیر وخستہ دل و ناتوان شدم | ہرگہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

اسی بناپر رکناے کاشی نے کہا ہے ع عشق در ایام پیری چون بہ سرما آتش است،
ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت مین خود اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لہجہ مین کہتا ہی،

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد وعلم | با من چہ کرد دیدۂ معشوقہ باز من

یہ سب اصلی واردا تین ہین، جو عاشق کو پیش آتی ہین، خواجہ صاحب نے انکو بے کم وکاست ادا کیا ہے،

معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس اور کم مایہ ہوتا ہی تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہی، لیکن عاشق مین یہ امتیاز ملحوظ نہین، اس بنا پر قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے،

گر دیگرت بران در دولت گذر بود | بعد از ادای خدمت وعرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست | اے بادشاہ حسن سخن با گدا بگو

غرض اسطرح کے سیکڑون جذبات ہین جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہی

اور جس کی مثال، اساتذہ کے کلام مین نہین مل سکتی، ہم سرسری طور پر یکجائی چند اشعار نقل کرتے ہین،

معشوق کی نسبت بدگمانی،

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزی نیست | تاب آن زلف پریشان تو بی چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد،

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب | کشتۂ غمزۂ خود را بنماز آمدہ

رقیب سے چھپ کر سرگوشی،

خدارا ای رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ | کہ من با لعل جان بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت،

زلف در دست صبا گوش بہ پیغام رقیب | این ہمہ با ہمہ در ساختۂ یعنی چہ

عشق سے پارسائی مین فرق آنے کا خطرہ،

می ترسم از خرابی ایمان کہ می برد | محراب ابروی تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہوکر چارہ نوازی نہ کی،

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب | بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

با کہ باین نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل | کشت ما را و دم عیسی مریم با او ست

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ،

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ما ست | بوسۂ چند بیا میز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کر کے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ وشمع وگل وبلبل ہمہ جمع اند　　ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز،

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز　　دگرنہ عاشق ومعشوق رازدار انند

اوروں کی کامیابی پر حسرت،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر حریفان بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی،

یک قصہ بیش نیست غم عشق این عجب　　از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اسکا اعتراض،

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع　　او خود گذر بہ من چو نسیم سحر نہ کرد

معشوق کی یاد مین شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح　　بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

معشوق نہ زر سے ہات آتا اور نہ خود ملتفت ہوتا۔

از بہر بوسۂ زلبش جان ہمی دہم　　اینم نمی ستاند و آنم نمید ہد

اہل تقوی برا مانین تو مانین، شاہد پرستی نہین چھوڑی جاسکتی،

شراب لعل کش و روی مہ جبینان بین　　خلاف مذہب آنان جمال اینان بین

فلسفہ| خواجہ صاحب کا فلسفہ قریبًا وہی ہی جو خیام کا ہی، خواجہ صاحب نے انہی مسائل

کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح، اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ ہم اُنکو بدفعات بیان کرتے ہین،

(۱) ان کا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور اسکی حقیقت کچھ معلوم نہین، اور نہ معلوم ہو سکتی! اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا، لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہین وہ اُنکا خاص حصہ ہے،

برو ای زاہد خود بین! کہ زچشم من و تو ——— راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

انداز بیان کی بلاغت کو دیکھو! کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہے جس سے زاہد کی دعوی رازدانی کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہے، خود بین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ دعوی صرف خود بینی کی بنا پر ہوتا ہے، زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہے جس سے زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود ہے، یعنی اس امر مین عارف و زاہد، عالم و جاہل سب برابر ہین، دوسرے مصرع مین ماضی کے ساتھ آیندہ زمانہ کو بھی داخل کر لینے سے دعوی مین زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے،

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین ——— کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را

حدیث از مطرب و می گوی و راز دہر کمتر جوے ——— کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما را

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز ——— ہنگامہ باز چید و در گفتگو ببست

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجا است ——— اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

ساقیا جام میم دہ کہ نگارندۂ غیب | نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آن کہ بر نقش زد این دائرۂ مینائی | کس ندانست کہ در گردش پرکار چہ کرد
دہ شوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود | گر تو سرگشتہ شوی دائرۂ دوران را
در کارخانۂ کہ رہ عقل و علم نیست | وہم ضعیف راے فضولی چرا کند
ما از برون در شدہ مغرور صد فریب | تا خود درون پردہ چہ تدبیری کنند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
راز درون پردہ چہ داند فلک خموش | اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست
با ہیچ کس نشانے زان دلستان ندیدم | یا من خبر ندارم یا او نشان ندارد
مردم در انتظار درین پردہ راہ نیست | یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

(۲) شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہے، اور ذرہ ذرہ مین اُسکی چمک موجود ہے، لیکن کوئی شخص اسکو پہچان نہین سکتا،

(۳) اسرار کائنات اگرچہ حقیقت مین معلوم نہین ہو سکتی، لیکن جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہے وہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہین معلوم ہو سکتا، بلکہ مجاہدہ، ریاضت، وجدان اور کشف سے معلوم ہو سکتا ہے، خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام ساقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہے اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغان اور بادہ فروش کی حلقہ بگوشی کا دعوی کرتے ہین، اور اُنکے مقابلہ مین زہاد یعنی علماے ظاہری کو بے حقیقت سمجھتے ہین،

راز درون پردہ ز رندان مست پرس | کین حال نیست صوفی عالی مقام را
سرِّ خدا کہ عارف و سالک بکس نگفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز | ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست
اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی | ترسم این نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست
سر ز حیرت بہ در میکدہا بر کردم | چون شناسای تو در صومعہ یک پیر نبود
حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید | از شافعی مپرسید امثال این مسائل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے،

آن راز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است | بر دار توان گفت و بہ ممبر نتوان گفت

(۴) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونیکا ذریعہ بیرونی چیزونکا مطالعہ نہین ہے، اُنکے نزدیک دل پر جب ایک خاص طریقہ سے توجہ، اور مدت تک اسپر مواظبت کی جاتی ہی تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہی، جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہین آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہی خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے،

دیدمش خورم و خندان قدح بادہ بدست | وندران آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم | گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

یعنی مین نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہی ہاتھ مین شراب کا پیالہ ہی اسکو بار بار دیکھتا ہی، اور اُس مین اسکو گوناگون عالم نظر آتے ہین، مین نے پوچھا کہ

کارپردازِ فطرت نے تم کو یہ جام جہان بین کسدن عنایت کیا تھا، بولا کہ جسدن یہ سبز گنبد (آسمان) تعمیر کر رہا تھا،

(۹۲) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان خود مختار نہین ہی کوئی اور قوت ہی جو اس سے کام لے رہی ہی، اگرچہ بعض جگہ اسکے خلاف بھی ان کے قلم سے نکل جاتا ہے مثلاً

ع ہر عمل اجرے و ہر کار جزاے دارد،

لیکن انکا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہی، یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل ہے لیکن فلسفہ کی انتہائی منزل یہی ہے، اور ارباب فنا بھی اسی نشہ مین چور رہین خواجہ صاحب جب اس عالم مین آتے ہین تو اُن کی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہی اور عجیب جوش و خروش کا عالم ہوتا ہی،

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست
آنچہ استاد ازل گفت، بکن آن کردم

بارہا گفتہ ام و بار دگر مے گویم
کہ من دل شدہ این رہ نہ بخود می پویم

بروای ناصح و بر دُرد کشان خردہ مگیر
کار فرمای قدر می کند این من چہ کنم

برق غیرت کہ چنین می جہد از پردۂ غیب
تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم

مرا مہر نکورویان زسر بیرون نخواہد شد
قضای آسمان است و دیگر گون نخواہد شد

مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند
ہر آن قسمت کہ آن جا شد کم و افزون نخواہد شد

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند
ما دل بہ عشوہ کہ دہیم، اختیار چیست؟

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — انچہ استاد ازل گفت ہمان میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہین یہ غلط ہی کہ ع حریفان بادہا خوردند و رفتند،

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

(۶) بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے وہ بات ہر شخص کو نصیب نہین ہوسکتی،

گوہر جام جم از طینت خاکِ دگر است — تو توقع ز گل کوزہ گران میداری

فلسفہ اخلاق — **خواجہ صاحب** کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے ان کا طرز عمل خود اُن کی زبان سے یہ ہے،

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازین گناہے نیست

ع فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم

ما نہ گوئیم بد و میل بہ ناحق نہ کنیم — جامہ کس سیہ و دلق خود ازرق نہ کنیم

نہ صرف اچھون بلکہ برون کو بھی ہم بُرا کہنا پسند نہین کرتے کیونکہ گو بُرے کو بُرا کہنا چندان مضائقہ نہین پھر بھی بُرائی سے خالی نہین اسلیے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے،

عیب درویش و تونگر بکم و بیش بد است — کار بد مصلحت آن است کہ مطلق نکنیم

ہم اپنے نکتہ چینون اور مخالفون سے بھی ناراض نہین ہوتے اسلیے کہ اگر وہ حق کہتے ہین تو حق کے بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہین، اور اگر غلط کہتے ہین تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ ار خصم خطا گفت نگیریم برا و — ور بحق گفت جدل با سخن حق نہ کنیم

ہماری مجلس عام ہی کسی کی تخصیص نہین جو چاہے آئے، ہم سب کے ساتھ یکسان برتاؤ کرتے ہین، واعظون اور زاہدون کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہین کرتا،

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو — گیر و دار حاجب و دربان درین درگاہ نیست

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است — ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست گاہ نیست

ہم کو صرف مہر و محبت سے کام ہی دشمنی، بغض، اور کینہ ہمارا طرز عمل نہین،

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم — کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات — بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرائض اور عبادات بہشت کے لالچ سے نہین کرنی چاہئین بلکہ اسلیے کرنی چاہئین کہ فرض انسانی ہین، بہشت بے شک معاوضہ مین ملیگی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ نہین ہونا چاہیے،

تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن — کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

من آن نگین سلیمان بہ ہیچ نستانم — کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

مشہور ہی کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کی تاثیر سے تمام جن اور انسان انکے تابع تھے، ایکدفعہ ایک شیطان نے اسکو کسیطرح اڑا لیا، حضرت سلیمان کی سلطنت اور شان شوکت سب جاتی رہی، یہانتک کہ مچھلیان بیچکر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ صاحب کہتے ہین کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے، ہین اسکو کوڑی کے مول بھی

نہین خریدتا۔

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم | گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم

بہ خرمن دو جہان سر فرو نمی آرند | دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بین

ما ملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم | ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ایم

لیاقت جب تک نہ ہو بڑون کی برابری نہین کرنا چاہیے،

تکیہ بر جاے بزرگان نتوان زد بگزاف | مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے، خاندانی شرف کافی نہین،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما | ورخود از گوہر جمشید و فریدون باشی

تحصیل مقصد کے لیے کوشش درکار ہے،

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بہ جان | شرط اول قدم آن است کہ مجنون باشی

ترغیب عمل،

اے دل بہ کوی عشق گذاری نمی کنی | اسباب جمع داری و کارے نمی کنی

چوگان بدست داری و گوی نمی زنی | بازے چنین بدست و شکارے نمی کنی

علما اور واعظین کی پردہ دری

اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہی کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس ہو جو عیب اور برائیان کھلی کھلی ہوتی ہین، انکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دقیق، مخفی، اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہین پہونچ سکتی، اسلیے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہی اسکے لیے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہی، اسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہے

کہ لطیف اور دل آویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کیے جائین تاکہ لوگوں کو گراں نہ گذرین بلکہ خود اُنکو اُنکے سُننے مین لطف آئے، مخفی اور دقیق عیوب جسقدر علما، واعظین اور زہاد مین پائے جاتے ہین کسی فرقہ مین نہین پائے جاتے، چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اسکو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا ہے اسلیے انکے عیوب کا ظاہر کرنا آسان بات نہین، امام غزالی نے اسکا جو نتیجہ اُٹھایا، یہ تھا کہ انکی جان تک معرض خطر مین آگئی، اسلیے کسی کو ہمت نہوئی، شعرا مین سب سے پہلے خیام نے یہ جرأت کی اسکے بعد شیخ سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً

محتسب در قفاے رندان است
غافل از صوفیان شاہد باز

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار
کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیان مستند

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر
کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آجتک کسی سے نہوسکا،

واعظان کین جلوہ بر محراب و ممبر می کنند
چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند

مشکلے دارم زدانشمند محفل باز پرس
توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

گوئیا باور نمی دارند روز داورے
کین ہمہ قلب و دغا در کار داور می کنند

دی وعدہ بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت
بر در میکدہ با دف و نے ترسائے

گر مسلمانی این است کہ حافظ دارد
وای اگر در پس امروز بود فردائے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجا کر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا نام ہی جو حافظ مین پایا جاتا ہی تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنیوالا ہی، تو ہائے"

اس شعر کا پیرایہ بیان بھی کس قدر بلیغ ہی، اول تو جو کہنا ہی اسکو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہی جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہی کہ غیرون کو بھی ان بداعمالیون پر افسوس اور رحم آتا ہی گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہی کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سُنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی، اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہے کہ دوسرونکا عیب کہتے تو اُنکو توجہ نہوتی،

سب سے بڑا عیب مولویون اور واعظون مین ریاکاری کا ہوتا ہی اسلیے نہایت دلیری سے اُنکی بُرائیان بیان کی ہین،

گرچہ بر واعظ شہر این سخن آسان نشود — تا ریا ورزد و سالوس، مسلمان نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گران گذریگی، لیکن ہی یہ کہ جب تک وہ ریا کرتا رہیگا مسلمان نہین ہو سکتا

غلام ہمت دردے کشان یک رنگم — نہ آن گروہ کہ ازرق لباس دل سیہ اند
(نیلا)

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود — بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیر مغان دیدم کرامت ہاے مردانہ — کہ این دلق ریائی را بہ جامی در نمی گیرد

می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب — بہتر ز طاعتے کہ بہ روی و ریا کنند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن — مرو بہ صومعہ کان جا سیاہ کارانند
(خانقاہ)

نقد ہا را بود آیا کہ عیارے گیرند   تا ہمہ صومعہ داران پے کارے گیرند

یعنی اگر سکّے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے،

مولویون اور واعظون کو اسمین بڑا کمال ہوتا ہے کہ تقدس کے پردہ مین اس طرح برائیان کرتے ہین کہ کسی کو اُن کی نسبت گمان بھی نہین ہوسکتا، خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے،

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز   مست است و در حق او کس این گمان ندارد

خرقہ پوشان ہمگی مست گذشتند و گذشت[1]   قصّہ ما است کہ در کوچہ و بازار بماند

صوفیان واستندازگرد می ہمہ رخت   دلق ما بود کہ در خانہ خمار بماند

یعنی صوفیون نے اپنا خرقہ شراب کی عوض مین رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسیکو کانون کان خبر بھی نہوئی، ہم رند، یون رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ رہن پڑا رہگیا،

داشتم دلقے و صد عیب مرا می پوشید   خرقہ رہن مے و مطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہے کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دار و گیر کیجائے، اس راز کو خواجہ صاحب اس طرح فاش کرتے ہین،

بادہ با محتسب شہر نہ نوشی زنہار   کہ خورد با تو می و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا، وہ تمھارے ساتھ شراب بھی پیے گا اور تمھارا پیالہ بھی توڑ ڈالیگا،

[1] یعنی گئی گذری بات ہوئی،

مولویون اور واعظون مین ریا کاری علانیہ نظر آتی ہی اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہین ہوتے، اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہین،

می خور کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب ٭ چون نیک بنگری ہمہ تزویر می کنند

صوفیان جملہ حریف اند نظر باز ولے ٭ زان ہمہ حافظ سودا زدہ بدنام افتاد

علما کے اوصاف و اخلاق پر خوب غور کرو، تو نظر آئیگا کہ عوام کی عقیدتمندی اور نیازمندی کی وجہ سے انمین نہایت عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے، اور اس وصف کو اسلیے ترقی ہوتی جاتی ہی کہ اُنکو یہ باتین مذہبی پیرایہ مین نظر آتی ہین، وہ کسی کو بُرا کہتے ہین تو سمجھتے ہین کہ امر بالمعروف کی تعمیل ہی، سلاطین اور حکام کی دربار داری کرتے ہین تو سمجھتے ہین کہ احکام شرعی کے اجرا کے لیے اس کی ضرورت ہے، کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہین تو کہتے ہین کہ یہ بغض للہ ہی، غرور اور فخر کرتے ہین تو سمجھتے ہین کہ عزت نفس ہی، اس بنا پر یہ تمام عیوب اُن مین راسخ ہوتے جاتے ہین، خواجہ صاحب ان تمام عیبونکی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون مین پردہ دری کرتے ہین،

گر از پردہ برون شد دل من عیب مکن ٭ شکر ایزد کہ نہ در پردہ پندار بماند

در راہ ما شکستہ دلی می خرند، و بس ٭ بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است

یعنی ہمارے بازار مین صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اس کا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہی،

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزید ٭ من ہم ار مہر نگارے بگزینم چہ شود

یعنی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو ہم بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائیں تو کیا
ہرج ہی یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے،

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو ۔ نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

علما کی عام حالت یہ ہی کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہین کرتے بلکہ اگر
اُس مین کوئی بُرائی کا پہلو ہی تو صرف اُسی پر زور دیتے ہین آجکل مغربی تعلیم قوم کے لیے
کسقدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہی لیکن صرف اس وجہ سے کہ عوام اس سے وحشت
کرتے ہین کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہین دے سکتا بلکہ ہمیشہ اس کی مخالفت کیجاتی ہے
خواجہ صاحب نے نہایت مؤثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے، وہ کہتے ہین
کہ عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو، شراب مین فائدہ بھی ہی اور نقصان بھی
اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہی تاہم خدا نے قرآن مجید مین فرمایا فیہما اثم کبیر و منافع
للناس و اثمہما اکبر من نفعہما یعنی قمار اور شراب مین فائدے بھی ہین اور نقصان بھی
لیکن نقصان زیادہ ہے، جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بُری چیز
ہے، اسکے فائدون کو چھپانا نہین چاہا، البتہ یہ بتادیا کہ فائدہ سے نقصان زیادہ
ہے، اور اسلیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر
جائز ہوسکتا ہی،

خواجہ صاحب نے اس بات کو جابجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون مین ادا کیا ہے
کہ مولویون اور واعظون کی نیکیان بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہین، اسلیے درگاہ الٰہی مین

مقبول ہونے کے قابل نہیں،

در می خانہ بہ بستند خدایا مپسند | کہ در خانۂ تزویر و ریا بکشایند

ترسم کہ صرفۂ نبرد روز بازخواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی | وین دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

روزمرہ و محاورہ — خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہو کہ انکے ہان کلام مین روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین جو الفاظ اور ترکیبین رات دن استعمال مین آتے رہتے ہین اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہی، عموماً وہی ہوتے ہین جو فصیح، سلیس، نرم اور روان ہون، اور اگر ان مین کسی قدر کمی ہوتی ہی تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکلجاتی ہی، کیونکہ رات دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانون کو مانوس ہوجاتے ہین، محاورات کا بھی یہی حال ہی، محاورہ اُسوقت بنتا ہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی مین استعمال کرتا ہی، اس لیے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح سلیس، اور روان ہو، ورنہ تحاورِ عام مین نہین آسکتا،

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان مین مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانون کے نہایت کم ہین، اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی، شاعری کے لیے زبان پر قدرت تام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہی، خواجہ صاحب کی قادرالکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہو کہ انہون نے جسقدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعرا مین سے غالباً کسی نے نہین برتے اور یہ اُن کی قادرالکلامی کی

ایک بڑی دلیل ہی،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے، لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں لہ،

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز بازخواست — نانِ حلال شیخ ز آب حرام ما

شراب

قیامت

صلاح کار کجا و منِ خراب کجا — بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

عنقا شکار کس نہ شود دام بازچین — کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی — خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

ترسم آن قوم کہ بر دردکشان می خوانند — در سرِ کارِ خرابات کنند ایمان را

برو بہ کار خود ای واعظ این چہ فریاد است — مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتادہ است

روی خوب است و کمالِ ہنر و دامن پاک — لاجرم ہمت مردان دو عالم با دست

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست — ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است — ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز — ہنگامہ بازچید و در گفتگو بہ بست

در راہ ما شکستہ دلی می خرند و بس — بازارِ خود فروشی ازان راہ دیگر است

لہ جو محاورات ان اشعار مین آئے ہین اُنکے معنی ہم یکجائی لکھدیتے ہین،

صرفہ بردن بازی لیجانا، دامِ بازچیدن جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ ہات نہ آنا، خدمت سلام، در سرِ کار چیزے کردن صرف کردینا یا لگا دینا، تراچہ افتادہ است تم کو کیا پڑی ہی، ہمت توجہ اور ہمدردی، بے اندام بے ڈول، ازان راہ دیگرست یعنی اسکا اور راستہ ہے،

اگرچه باده فرح بخش و باد گلبیز است | به بانگ چنگ مخور می که محتسب تیز[1] است
می خواست گل که دم[2] زند از رنگ و بوی دوست | از غیرت صبا نفسش[3] در دهان گرفت
آسوده بر کنار چو پرکار می شدم | دوران چو نقطه عاقبتم[4] درمیان گرفت
فرصت نگر که فتنه در عالم اوفتاد | عارف به جام می زد[5] و از غم کران گرفت
حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید | غیرے چگونه نکته[6] تواند بر ان گرفت
مستم کن آن چنان که ندانم ز بیخودی | در عرصهٔ خیال که آمد کدام رفت
در حق من لبت آن لطف که می فرماید | سخت خوب است ولیکن قدرے بهتر ازین
همائے همتم عمرے ست کز جان | هوائے[7] آن قد و بالا گرفت است
دلم جز مهر مهرویان طریقے بر نمی گیرد | ز هر در می دهم پندش ولیکن در[8] نمی گیرد
رخ و چشمے باین خوبی تو گوئی دل ز دو برگیر | برو کین وعظ بے معنی مراد رسر نمی گیرد
میان گریه می خندم که چون شمع اندرین مجلس | زبان آتشینم هست لیکن در نمی گیرد
بدین شعر تر و شیرین ز شاهنشه عجب دارم | که سرتاپای حافظ را چرا در زر[9] نمی گیرد
یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب | بازی چرخ ازین یکدو سه کاری بکند
نقد ها را بود آیا که عیارے گیرند | تا همه صومعه داران پے کاری[10] گیرند

[1] تیز: جھلا اور غصہ ور۔ [2] دم زدن: دعوی کرنا۔ [3] نفس در دہان گرفتن: دم گھٹنا۔ [4] درمیان گرفتن: گھیر لینا۔ [5] زدن: کسی چیز پر ٹوٹ کر گرنا۔
[6] نکتہ گرفتن: اعتراض کرنا۔ [7] ہوا گرفتن: ہوا میں اڑنا۔ [8] در گرفتن: اثر کرنا، یا لگ جانا۔ [9] در زر گرفتن: سونے میں تلوا دینا۔
[10] پے کارے گرفتن: کسی کام کے پیچھے پڑنا، لیکن ایسے موقعوں پر "اپنا راستہ لینا" کے معنے میں آتا ہے۔

خرقه پوشان همگی مست گذشتند و گذشت
قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند

مطرب عشق عجب ساز و نوائے دارد
نقش هر پرده که زد راه بجائی دارد
جو راگ چھیڑا

از راه نظر مرغ دلم گشت هواگیر
اے دیده نظر کن که بدام که درافتاد

بس تجربه کردیم درین دیر مکافات
با دردکشان هر که درافتاد برافتاد

چه مستی است ندانم که رو بما آورد
که بود ساقی؟ و این باده از کجا آورد

رسیدن گل و نسرین بخیر و خوبی باد
بنفشه شاد و خوش آمد سمن صفا آورد

از دیده خون دل همه بر روے ما رود
بر روے ما ز دیده ندانم چها رود

من و انکار شراب! این چه حکایت باشد
غالبا این قدرم عقل کفایت باشد

آن شدای خواجه که در صومعه بازم بینی
کار ما با رخ ساقی و لب جام اُفتاد

رطل گرانم ده اے مرید خرابات
شادے شیخی که خانقاه نه دارد

شراب و عیش نهان چیست کار بے بنیاد
زدیم بر صف رندان، و هر چه بادا باد

یارب بوقت گل گنه بنده عفو کن
وین ماجرا بسرو لب جویبار بخش

حاشا که من بموسم گل ترک می کنم
من لاف عقل میزنم، این کار کے کنم

ای مگس عرصهٔ سیمرغ نه جولانگه تست
عرض خود می بری و زحمت ما می داری
آبرو

گذشت، گئی گذری بات ہوئی، راہ بجای دارد، اصول اور قاعدہ کیموافق ہی، در افتادن اُلجھنا، صفا آورد، خیر مقدم کے وقت کہتی ہیں، چہا رود، کیسے گذرگی، شادی شیخی، یعنے اُنکے اثر ہیں، بہ فلان بخشیدن، اُنکے صدقہ میں، زحمت کے بردشتن، کسی کو ستانا،

دردمندان بلا زہر ہلاہل نوشند　　　قتل این قوم خطا باشد ہان تا نہ کنی[1]

اکثر محاورے ایسے ہین جو صرف بول چال اور بے تکلفی مین استعمال ہوتی ہین، اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہین، تصنیفات مین استعمال نہین کرتے، مثلاً اردو مین یہ محاورات 'جاو بھی، رہنے بھی دیجیے، دیکھ لیا، وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال مین آتے ہین لیکن ناسخ، خواجہ درد، سودا وغیرہ ان کو نظم متانت کے خلاف سمجھتے ہین، لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے، اس لیے جن شعرا کو زبان کا خیال زیادہ ہی مثلاً داغ وغیرہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یہ تمام محاورات لاتے ہین، فارسی مین روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی، انکے کلام مین ایسے بہت سے محاورات ملین گے جو کسی اور کے کلام مین نہین مل سکتے، یہانتک کہ بول چال کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لے لیے ہین جو خاص لہجہ کے محتاج ہین اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ مین نہین آسکتے، مثلاً

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق　　　گفتم ای خواجۂ غافل! ہنرے بہتر ازین؟

ہنرے بہتر ازین، کو ایک خاص لہجہ سے پڑہنا چاہیے، جس سے استفہام کے معنی پیدا ہون یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہو گا، یا مثلاً یہ شعر ع

کنار و بوسہ و وصلش چگویم چون نخواہد شد،

یعنی جب یہ ہونا نہین ہی تو اسکا ذکر کیا کرون، اس قسم کی اور بہت سی مثالین ہین،

خوش نوائی　صاحب ذوق صاف محسوس کرتا ہے، کہ خواجہ صاحب کے کلام مین ایک خاص قسم

[1] ہان تا نہ کنی، دیکھو ایسا کبھی نکرنا،

کی خوش گواری پائی جاتی ہی، شاعری مین موسیقی بھی شامل ہی، اسلیے جو شعر موسیقی اور خوش نوائی سے الگ ہوگا شاعری کے رتبہ سے گھٹا ہوگا، خواجہ صاحب کے کلام مین یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزلون کی بحرین ایسی رکھتے ہین جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہین، شعرون کے ارکان اوران کے ٹکڑے ایسے لاتے ہین جو تال اور سم کا کام دیتے ہین، اس غرض کے لیے اکثر ہموزن الفاظ کا پے درپے آنا مدد دیتا ہی، اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہی مثلاً،

چو در دست رود خوش بزن مطرب سرودی خوش | که دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم
یکے از کفر می لافد دگر طامات می بافد | بیا کین داوری ہارا بہ پیش داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد | من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزم | نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم
سرو روان من چرا میل وطن نمی‌کند | ہمدم گل نمی‌شود، یاد وطن نمی‌کند
دردم از یار است و درمان نیز ہم | دل فداے او شد و جان نیز ہم
گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت رفت | ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

ایک نکتہ یہان خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی، قدما کے کلام مین صنائع لفظی یعنے صنعت اشتقاق، ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، مراعات النظیر کو (تناسب لفظی) جو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہے، سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ زمانہ تک بڑے زور و شور سے جاری رہی، ان صنعتون کو عموماً شعرانے محض صنعت

کی حیثیت سی استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اسکا التزام دقت آفرینی ہی اور دقت آفرینی ایک کمال کی بات ہی، اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے، چنانچہ مراعات النظیر اور ایہام و طباق اُن کے ہان بھی جابجا پائے جاتے ہین، مثلاً،

تا دل ہرزہ گرد من رفت بہ چین زلف او　　زان سفر دراز خود قصد وطن نمی کند

سخا نماند سخن طے کنم شراب کجاست　　بدہ بہ شادی روح روان حاتم طے

ع نان حلال شیخ ز آب حرام ما،

لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر اُن لفظی صنعتون کو لیا ہے جن سی خوش آہنگی اور خوش نوائی پیدا ہوتی ہے مثلاً،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن　　یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس شعر مین این و آن کا جو مقابلہ ہی اُسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت اضداد ہے لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ ان دو لفظون کی آواز کا تناسب ایسا ہی جو خود بخود کانون کو خوش معلوم ہوتا ہے اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھین تو گویا گیت کے اجزا ہین، مثلاً،

قاصد حضرت سلمی کہ سلامت بادا　　چہ شود گر بہ سلامی دل ما شاد کند

اس مین سلمی سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہین انسی عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا، لیکن اصل مین یہ متناسب الفاظ ذرا ذرا سے فاصلہ پر بار بار آکر کانون کو خوش آیند معلوم ہوتے ہین، یا مثلاً،

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی — خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

اس شعر مین سرو و گل و ریحان جو الفاظ آئے ہین، عام لوگ اسکا نام مراعات النظیر یا صنعت اعداد وغیرہ رکھین گے لیکن اس شعر کی بحر اور اُسمین خاص ان متناسب الوزن الفاظ کا اخیر مین آنا ایک خوش نوائی پیدا کرتا ہی جو دوسری صورت مین ممکن نہ تھی حالانکہ یہ ممکن تھا کہ وہ صنعتین باقی رہتین،

خواجہ صاحب کے کلام مین جہان اس قسم کی صنعتین نظر آئین غور سے دیکھو تو اُنمین دراصل خوش نوائی اور خوش آہنگی کا وصف ملحوظ ہوتا ہے، ملاحظہ ہو،

اعتمادے نیست بر دور جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

از بہر بوسۂ زلبش جان ہمی دہم — اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

شیوۂ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح، — چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت — جور شاہ کامران گر بر گدایے رفت رفت

گر دلم از غمزۂ دلدار بارے برد برد — در میان جان و جانان ماجرایے رفت رفت

غور کرو ان اشعار مین جہان مکرر الفاظ آئے ہین کسقدر کانونکو خوش معلوم ہوتے ہین ظاہر بین اسکو صنعت تکرار کہدیگا، لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا کرتا ہے،

کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش — کے روی؟ رہ زکہ پرسی؟ چہ کنی؟ چون باشی؟

مصرع اخیر مین تم کو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہی کہ پے درپے سوالات آئے ہین جس سی صنعت استفہام پیدا ہوگئی ہی، لیکن اس سی قطع نظر کرکے دیکھو، یہ الفاظ کسطرح کانون کو ایک خاص متناسب کھڑکا دیتے ہین، اور خوش آیند معلوم ہوتے ہین،

خدارا رحمی اے منعم کہ درویش سر کویت — درے دیگر نمی داند، رہ دیگر نمی گیرد

بندش کی چستی بندش کی چستی ایک وجدانی چیز ہی اس کی تعریف اور تحدید نہین ہو سکتی لیکن مذاق صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہی، مثلاً ان اشعار مین باوجود اتحاد مضمون اور الفاظ کے بندش کی چستی کا جو فرق ہی ہر شخص محسوس کر سکتا ہی،

سلیم — مشاطہ را جمال تو دیوانہ می کند — کائینہ را خیال پری خانہ می کند

صائب — دل را نگاہ گرم تو دیوانہ می کند — آئینہ را رخ تو پری خانہ می کند

غنی — ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود — آئینہ از رخ تو پری خانہ میشود

صائب — سرچشمۂ حیات لب می چکان اوست — عمر دوبارہ سایۂ سرو روان اوست

فطرت — عیش ابد بکام دل دردمند تست — عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست

صائب — ہمیشہ صاحب طول امل غمین باشد — کہ چین بقدر بلندی در آستین باشد

بیدل — دستگاہ ہست ہر قدر بیش است کلفت بیشتر — در خور طول است چین جا کہ دارد آستین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انہون نی متعدد موقعون پر تصریح کی ہی، سلمان اور خواجو کی غزلون پر غزلین لکھتے ہین، ان غزلون کے مقابلہ کرنیسے بندش کے زور اور چستی کا فرق

صاف نظر آجاتا ہے،

حافظ	سلمان
گوہر مخزن اسرار ہمان است کہ بود	ہمچنان مہر توام مونس جان است کہ بود
حقۂ مہر بدان مہر و نشان است کہ بود	ہمچنان ذکر توام ورد زبان است کہ بود

مونس جان" کے قافیہ کے جواب مین خواجہ صاحب کا شعر ہی،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح　　بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

حافظ	سلمان
عاشقان بندۂ ارباب امانت باشند	شوقم افزون شد و آرام کم و صبر نماند
لاجرم چشم گہربار ہمان است کہ بود	در فراق تو ولے عہد ہمان است کہ بود

اس شعر مین سلمان کی بندش کی سستی صاف ظاہر ہی "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا مین ہی، وہان سے الگ ہو کر ولے کے ساتھ اسکی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہی،

حافظ	سلمان
طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید	کے بود کے کہ بگویند سراسر اغیار
ہمچنان در عمل معدن و کان است کہ بود	کہ فلان یار ہمان یار فلان است کہ بود
عکس روی تو چو در آئینۂ جام افتاد	در ازل عکس مئی لعل تو در جام افتاد
عارف از پرتو می در طمع خام افتاد	عاشق سوختہ دل در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ مین حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہون،

آن شد ای خواجہ کہ در صومعہ باز م بینی	کار من بارخ ساقی ولب جام افتاد
سلمان	حافظ
عشق بر کشتن عشاق تفاول می کرد	صوفیان جملہ حریف اند و نظر باز و لے
اولین قرعہ کہ زد بر من بدنام افتاد	زان میان حافظ سودا زدہ بدنام افتاد
خال مشکین تو در عارض گندم گون دید	در خم زلف تو آویخت دل از چاہ زنخ
آدم آمد زپے دانہ و در دام افتاد	آہ کز چاہ برون آمد و در دام افتاد

ان اخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہو جائیگا، سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزون ہی چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہین بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام سلمہ تشبیہ ہی، لیکن سلمان کے شعر مین بندش کی جو چستی ہے، خواجہ صاحب کے شعر مین نہین مصرع آدم آمد زپے دانہ و در دام اُفتاد، آدم، دانہ، دام، یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہو گئے ہین کہ مصرع مین نہایت برجستگی پیدا ہو گئی ہے، خواجہ صاحب کا مصرع پُھس پُھسا ہی، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل کم وزن کر دیا ہے،

سلمان	حافظ
دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد	آن کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد
چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد	باز با دلشدگان نازو عتابے دارد

حافظ	سلمان
چشم من کرد بهر گوشه روان سیل سرشک	خون چشم من ازان ریخت که تا ظن نبرم
تا سهی سرو ترا تازه به آبے دارد	که برش مردم صاحب نظر آبے دارد
ماه خورشید نمایش ز پس پرده ز زلف	رسن زلف تو سر رشتهٔ جان من و شمع
آفتابے است که در پیش سحابے دارد	هر یک از آتش رخسار تو تابے دارد
شاهد آن نیست که موے و میانے دارد	آن که ز ابرو و غمزه تیر و کمانے دارد
بندهٔ طلعت آن باش که آنے دارد	چشم ها کرده سیه قصد جهانے دارد

ان مقابلون سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمھاری سمجھ مین آگیا ہوگا۔
اب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو،

وان پیر سالخورده جوانی ز سر گرفت	آن شمع سر گرفته دگر چهره بر فروخت
وان لطف کرد دوست که دشمن حذر گرفت	آن عشوه داد عشق که مفتی ز ره برفت
گوئی که پستهٔ تو سخن در شکر گرفت	زنهار ازان عبارت شیرین و دل فریب
او خود گذر بما چو نسیم سحر نکرد	من ایستاده تا کنمش جان فدا چو شمع
وان شوخ دیده بین که سر از خواب بر نکرد	ماهی و مرغ دوش نه خفت از فغان من
کوتاه کرد قصهٔ زهد دراز من	بالا بلند عشوه گر سرو ناز من
و اندر آن آئینه صد گونه تماشا می کرد	دیدمش خرم و خندان قدح باده بدست
گفت آن روز که این گنبد مینا می کرد	گفتم این جام جهان بین بتو کے داد حکیم

زلفین سیہ خم بہ خم اندر زدہ باز — بخت من شوریدہ بہم برزدہ باز

بر شیشہ صبرم زدہ سنگ و لیکن — با تو چہ توان گفت کہ ساغر زدہ باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن بندش ہے،

جاحظ کا قول ہی کہ مضمون بازاریون تک کو سوجھتے ہین جو کچھ فرق اور امتیاز ہی، لطف ادا اور بندش کا ہی، سیکڑون مثالین موجود ہین کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا، الفاظ تک اکثر مشترک ہین لیکن لفظون کے اُلٹ پلٹ اور ترتیب سے وہی مضمون کہان سے کہان پہنچگیا،

شوخی وظرافت | خواجہ صاحب کے کلام مین جابجا شوخی اور ظرافت بھی ہی لیکن نہایت لطیف اور نازک ہی، شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہین لیکن زیادہ کھل جاتے ہین، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت دیکھو،

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند — قول ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہین، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہین ہی، رباقی فرشتہ ہے! یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا،

بہ کوی می فروشانش بہ جامے در نمی گیرند — زہی سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد

گر ز مسجد بہ خرابات شدم عیب مگیر — مجلس وعظ درازست و زمان خواہد شد

یعنی مین اگر مسجد سے اٹھ کر شراب خانہ مین چلاگیا تو اعتراض کی کیا بات ہی، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، مین پی کے چلا آؤنگا،

اسی مضمون کو قائم نے اُردو مین ادا کیا ہی،

مجلس وعظ تو تا دیر رہی گی قائم — یہ ہی میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہین

حافظ

محتسب خم شکست و بنده سرش — سن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید مین قصاص کی آیت مین مذکور ہی کہ زخم کا بدلا زخم ہی، مثلاً اگر کوئی کسیکا دانت توڑ ڈالے تو اسکا بھی دانت توڑ ڈالا جائیگا،

خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا، مین نے قصاص کے حکم کے موافق اسکا سر توڑ دیا،

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت — ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہون کے بدلہ مین بیچ ڈالا تھا، مین اگر ایک جو کے بدلہ مین نہ بیچون تو ناخلف ہون،

من و انکار شراب! این چہ حکایت باشد — غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

مین اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہی، یعنی یہ سمجھون کہ شراب چھوڑنا مجکو زیبا نہین، اس سے زیادہ عاقل اور دور اندیش ہونا مجکو ضرور نہین،

نہ من ز بے عملی در جہان ملولم و بس — ملامت علما ہم ز علم بے عمل است

مین بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہین ہی) دل گرفتہ ہون بے عمل ہونا برا ہی اسی لیے عالم بے عمل بھی اچھا نہین ہوتا،

نقد دمے کہ بود مرا صرف بادہ شد   قلب سیاہ بود بہ جاے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہین اور کھوٹے سکہ کو بھی، اس بنا پر کہتے ہین کہ میرا قلب اگر شراب مین صرف ہوا تو ہونا ہی چاہیے تھا ع مالِ حرام بود بجاے حرام رفت،

مسلسل مضامین	ایشیائی غزل گوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی خیال کو مسلسل

نہین ظاہر کر سکتے، ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہی غزل کے جو مہمات مضامین ہین مثلاً حسن عشق سراپاے معشوق، وصل ہجر، ہزارون دفعہ بندھے ہین لیکن انہین سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل اور تفصیلی بیان کہین نہین مل سکتا، اگرچہ حقیقت مین یہ چندان اعتراض کی بات نہین، مسلسل خیالات کے لیے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہی، قصائد اور قطعات سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے، غزل اس ضرورت کے لیے خاص کر دی گئی ہی کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل مین آتے رہتے ہین، ضائع نہ جانے پائین اس صنف کے لیے نہایت قادر الکلامی درکار ہی، یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہی، لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعرون سے کم مین نہین ادا کر سکتے بخلاف اسکے ہمارے شعراء نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتین بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر مین ادا کر دیتے ہین، جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانون پر چڑھ جاتے ہین، تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعض مضامین ایسے ہوتے ہین جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ اُنکے لیے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعرون مین سما جائین، اسلیے اس قسم کے مضامین کے لیے غزلین ہی مناسب ہین، اس صورت مین ضرور ہی کہ غزل مسلسل ہو یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک ہی مضمون کے لیے

خاص کر دئے جائین اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہین ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہین اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی ان کی اکثر غزلون مین ایک خاص خیال یا ایک خاص سمان دکھایا گیا ہے، اس قسم کی چند غزلون کے مطلع ہم نقل کرتے ہین،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند | وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند | گرہ از کار فرو بستہ ما بکشایند

بامدادان کہ بہ خلوت گہ کاخ ابداع | شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع

ای پیک پی خجستہ چہ نامی فدیت لک | ہرگز سیاہ چہرہ ندیدم بر این نمک

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت | ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بہ وجود | بنفشہ در قدم او نہاد سر بہ سجود

(بہار کے ذکر مین ہے)

یاد باد آن کہ نہانت نظری با ما بود | رقم مہر تو بر چہرہ ما پیدا بود

پوری غزل مین پہلی دلچسپیون کو یاد دلایا ہے، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے،

خوشا شیراز و وضع بے مثالش | خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف مین ہے)

نسیم صبح سعادت بدان نشان کہ تو دانی | خبر بکوی فلان بر بدان زمان کہ تو دانی

(قاصد سے پیغام کہا ہے)

ابن یمین فریومدی

باپ کا نام محمود ہی، قوم کے تُرک تھی، اور تُرکستان وطن تھا، سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ مین خُراسان مین آئے اور فریومد مین جو ایک قصبہ کا نام ہی قیام اختیار کیا، یہان زمین اور جائدادین خریدین، یہ الجایتو سلطان کا عہد حکومت تھا، اور علاء الدین محمد وزیر سلطنۃ تھے، علاء الدین نے انکی نہایت قدردانی کی، شعر کہتے تھے یہ رباعی ان کی انداز کلام کا نمونہ ہے،

دارم ز عتاب فلک بوقلمون ۔۔۔ وز گردش روزگار خس پیچ دردون

چشمے چو کنارہ صراحی ہمہ اشک ۔۔۔ جانے چو میانۂ پیالہ ہمہ خون

ابن یمین فریومد مین پیدا ہوئے، باپ نے شاعری کی تعلیم دی، اکثر جن طرحون پر خود کہتے تھے بیٹے سے بھی کہلاتے تھے، چنانچہ اوپر کی رباعی پر ان کی رباعی بھی ہی،

دارم ز جفای فلک آئینہ گون ۔۔۔ پر آہ دلے کہ سنگ ازو گردد خون

روزے بہ ہزار غم بہ شب روز آرم ۔۔۔ تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیرون

ابتدا مین سرداروں کی مداحی کرتے تھے،

بالآخر فقر و قناعت اختیار کی، اور شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہوگئے، تھوڑی سی زمین قبضہ مین تھی اس کی کاشتکاری سے زندگی بسر کرتے تھے، ۸ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ مین وفات پائی، مرتے وقت یہ رباعی لکھی تھی،

منگر کہ دل ابن یمین پر خون شد | بنگر کہ ازین سرای فانی چون شد
مصحف بہ کف و چشم بہ رہ، روی بہ دوست | با پیک اجل غمزہ زنان بیرون شد

کلام | انکا دیوان سربداروں کے ہنگامہ مین ضائع ہوگیا، غلام علی آزاد ید بیضا مین لکھتے ہین کہ مین نے انکا دیوان دال کی ردیف تک دیکھا ہے، لیکن یہ غالبًا قطعات کا دیوان ہوگا، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین وہ غزل اور قصائد سب کچھ کہتے تھے، ید بیضا مین ان کی غزل کے بعض اشعار نقل کیے ہین،

سر بدہ اے دیدہ ہر دم اشک غماز مرا | تا نسازد فاش پیش مردمان راز مرا

زخود بیگانہ بودن در رہ عشق | بہ آن معشوق طرح آشنائی است

عشق تا در دل آمد نہ در آمد نہ نمود | بادہ پر شور نشد تا کہ بہ مستان نہ رسد

ان اشعار سے اگرچہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ غزل مین کم مایہ نہین، لیکن انکا خاص رنگ اخلاقی شاعری اور اس مین بھی قناعت اور خود داری ان کا خاص حصہ ہے، ان مضامین کو انسے بہتر آجتک کوئی ادا نہ کرسکا، اور چونکہ ان کا قال حال کی تصویر ہے، اسلیے ایک خاص اثر رکھتا ہے جو ہر شخص کے کلام مین پیدا نہین ہوسکتا،

---

[1] یہ تمام حالات ید بیضا سے اور تذکرہ دولت شاہ سے لیے گئے ہین،

دو قرص نان، اگر از گندم است یا از جو | دو تای جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
به چار گوشۂ دیوار خود بہ خاطر جمع | کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین | ز فرّ مملکت کے قباد و کے خسرو

اگر دو گاؤ بدست آوری و مزرعۂ | یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی
بدان قدر چو کفاف معاش تو، نہ شود | روی و نان جوے از یہود، دام کنی
ہزار بار ازان بہ کہ از پے خدمت | کمر بہ بندی و بر مردے سلام کنی

ز دیوانۂ کرد روزے سوال | سلیمان مرسل علیہ السلام
کہ چون بینی این سلطنت کز پدر | مرا ماند با این ہمہ احتشام
چہ خوش گفت دیوانہ او را جواب | کہ چون نیست این مملکت مستدام
پدر مدتے آہن سرد کوفت | تو در باد پیمودنے صبح و شام

حضرت داؤد زرہ بنایا کرتے تھے، اور حضرت سلیمان کی نسبت مشہور ہے کہ اُن کا تخت ہوا پر چلتا تھا، فارسی مین آہن سرد کوفتن، اور باد پیمودن کے معنے بیکار کام کرنے کے ہین، دیوانہ نے حضرت داؤد کے زرہ بنانے اور حضرت سلیمان کے تخت ہوا پر چلنے کو آہن سرد کوفتن اور باد پیمودن سے تعبیر کیا ہے،

مرد آزادہ درمیان گروہ | گرچہ خوش گوی و عاقل و دانا است

محترم است گئے تو اند بو د — کہ از ایشان بہ مالش استغنا است
و آن کہ محتاج خلق شد خوار است — گرچہ در علم بو علی سینا است

شنیدہ ام کہ یکے عقربے ز خانۂ خویش — بروں دوید و ہمی زد ہر انچہ آمد پیش
بہ پیش آمد سنگے عظیم و بس منکر — بزد بہ سنگ دو صد نیش تا بگرد و ریش
ز سنگ نعرہ بر آمد کہ خویش رنجہ مدار — کہ ضرب نیش تو ما را نہ کم کند و نہ بیش
جواب دادش و گفتش کہ راست می گوئی — ولے پدید کند ہر کہ ہست جوہر خویش

شاعری نیست پیشہ کہ از ان — رسدت نان و نیز ترہ بہ دوغ
راستی، سخت زشت و بے معنی است — اجرتے خواستن برائے دروغ
واقعی
زان بود کار شاعران بے نور — کہ ندارد چراغ کذب فروغ

قناعت اور توکل کے ساتھ، یہ نکتہ بھی ابن یمین کے ذہن نشین ہی کہ زر کے بغیر اطمینان نہین حاصل ہوتا، چنانچہ فرماتے ہین،

لالہ را گفتم اے پری پیکر — سیرتت خوب و صورتت نیکو ست
راست گو این سیہ دلی از چیست — مگرت زخمے رسید از دوست
گفت زیرا کہ من ندارم زر — زر کہ اسباب شاد کامی از و ست
غنچہ را بین کہ خردہ دارد — مے نہ گنجد ز خرمی در پوست

کبھی کبھی فلسفہ کہہ جاتے ہین،

زدم از کتم عدم خیمہ بہ صحراے وجود
از جمادے بہ نباتے سفرے کردم و رفت

بعد ازانم کشش نفس، بہ حیوانی برد
چون رسیدم بوی ازوی گذرے کردم و رفت

بعد ازان در صدف سینۂ انسان بہ صفا
قطرۂ ہستی خود را گہرے کردم و رفت

با ملائک پس ازان صومعۂ قدسی را
گرد برگشتم و نیکو نظرے کردم و رفت

بعد ازان رہ سوی او بردم و چون ابن یمین
ہمہ او گشتم و ترک دگرے کردم و رفت

23/9/35
1-45 A.M.

1613